بعونِ صنّاعِ مکین و مکان و بفضلِ خلّاقِ زمین و زمان

۵۷

اردو کا کلاسیکی ادب

کلیاتِ نظام

مرتبہ

کلب علی خاں فائق

ناشر

مجلسِ ترقی ادب ۲- نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

بعونِ صانعِ مکین و مکان بفضلِ خلاقِ زمین و زمان

۵۷

اُردو کا کلاسیکی ادب

کلیاتِ نظام

مرتبہ

کلب علی خاں فائق

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

فہرست

صفحہ

غزلیات

(ردیف الف)

صفحہ	مصرع اول	نمبر شمار

نمبر شمار	مصرع اول	صفحہ

نمبر شمار	مصرع اول	صفحہ

نمبر شمار	مصرع اول	صفحہ

ن

و

ٹ

ی ، ے

نمبر شمار	مصرع اول	صفحہ
۲۸۳ -	اس ظلم پر بھی تم سے نہیں کچھ گلا مجھے	۳۲۵
۲۸۴ -	کہیے گر ربط مدعی سے ہے	۳۲۷
۲۸۵ -	بیان خواہش دل سب تو ہوچکا مجھ سے	۳۲۸
۲۸۶	ضائع نہیں ہوتی کبھی تدبیر کسی کی	۳۳۰
۲۸۷ -	تمھیں ہاں کسی سے محبت کہاں ہے	۳۳۰
۲۸۸ -	کچھ کہے سامنے اس کے ، یہ ہے مقدور کسے	۳۳۱
۲۸۹ -	مل جائے جو وہ ہم سے تو کچھ دور نہیں ہے	۳۳۲
۲۹۰ -	دوستو اس سے نہ ملنا چاہیے	۳۳۳
۲۹۱ -	قاصد کی بات کا کسے یاں اعتبار ہے	۳۳۴
۲۹۲ -	کیوں کہا اس سے کہ بگڑی خوبیِ تقدیر سے	۳۳۵
۲۹۳ -	ہوں جان سے میں خانۂ دلدار کے صدقے	۳۳۵
۲۹۴ -	گر آئے بھی تو ایسے وہ بہتان دھر گئے	۳۳۷
۲۹۵ -	منتوں سے جو وہ یاں آج ہیں بلوائے ہوئے	۳۳۸
۲۹۶ -	دل کی حالت کہی نہیں جاتی	۳۳۹
۲۹۷ -	محفل میں آتے جاتے ہیں انساں نئے نئے	۳۴۰
۲۹۸ -	امید تجھ سے ایسی بھی اے فتنہ گر نہ تھی	۳۴۱
۲۹۹ -	مزا کیا جو یوں ہی سحر ہوگئی	۳۴۳
۳۰۰ -	روتے ہیں آگے مرے الفت جتانے کے لیے	۳۴۶
۳۰۱ -	ربط کچھ ہم نے بڑھایا تھا بڑی مشکل سے	۳۴۷
۳۰۲ -	نہیں ، ہر بات پر نہیں ہوتی	۳۴۸
۳۰۳ -	دنیا کی سر پہ آفتیں لیں تیرے واسطے	۳۴۹
۳۰۴ -	ایسے ان جان ہوئے ایسے ہی ناداں ہوگے	۳۵۰

قصائد

حیات نظام

از

کلب علی خاں فائق

تاریخی اور ادبی پس منظر

عالمگیر[1] کے عہد حکومت میں سلطنت کی حدود تو دور دور تک پھیل گئیں لیکن اس وسیع سلطنت کو استحکام نصیب نہ ہوا۔ اس کے بیٹے باپ کی وصیت پر قائم نہ رہے۔ لڑائی ہوئی اور کامیابی محمد معظم کو نصیب ہوئی (جو شاہ عالم اول کہلایا)۔ اس کا چند سالہ دور حکومت راجپوتوں اور سکھوں کی ابھرتی ہوئی قوتوں کے مقابلے میں گزر گیا۔ شاہ عالم کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس کے بیٹے بھی آبائی طریقے پر باہم لڑے، جہاں دار شاہ کو کامیابی نصیب ہوئی لیکن جلد ہی فرخ سیر نے اپنے باپ کا انتقام لے کر سلطنت حاصل کر لی۔ فرخ سیر کو سلطنت سید عبداللہ خاں اور حسین علی خاں سادات بارھہ کی مدد سے ملی تھی، اس لیے کم ہمتی سے وہ انھیں دونوں بھائیوں کے سہارے پر جیتا رہا اور اس کا انجام بھی انھیں سید برادران (جو بادشاہ گر کہلاتے تھے) کے

۱۔ دیکھیے تفصیلات کے لیے ''سیر المتاخرین'' جلد دوم، سوم صفحات ۳۷۵ تا ۴۱۸۔ ''تاریخ ہندوستان'' از مولوی ذکاء اللہ۔ جلد نہم و دہم، صفحات ۱۳ تا ۲۰۸، مطبوعہ مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۳۳۷ھ۔

ہاتھوں ہوا - چند ماہ میں دو اور نام نہاد بادشاہ سید عبداللہ خاں اور حسین علی خاں نے دہلی کے تخت پر بٹھائے اور وہ اپنی جگہ خالی کرکے عالم جاودانی کو سدھارے - آخر قرعۂ فال محمد شاہ کے نام پڑا (جو پہلے روشن اختر کہلاتا تھا) - دونوں بھائی (سید عبداللہ خاں اور حسین علی خاں) بلا شرکت غیرے مغلیہ سلطنت کے مالک بن چکے تھے - مغل بادشاہ کی حیثیت شطرنج کے بادشاہ سے زیادہ نہ تھی -

اس[1] زمانے میں مرکزی حکومت کی کم زوری سے مرہٹوں ،

---

۱ - بعد رفتن نادر شاہ بہ سبب غفلت و عیاشی بادشاہ تا سہ سال از قلعۂ شاہ جہان آباد قدم بیرون نہ نہادہ و تمامی خزائن و اسباب کہ سلاطین ماضی جمع ساختہ بودند ، در عیش برباد دادہ - مفسدان جا بہ جا برپا شدہ متصرف ملک شدند و دیگر صوبہ داران و رایان ہندوستان جا بہ جا طوائف الملوک گردیدہ استقلال پیدا کردند ، چناں چہ زیر قلعۂ دہلی در ضلع متھرا و ڈیگ وغیرہ جاٹ سورج مل دم استقلال می زد و درمیان دو آب گنگ و جمن ثابت خان و در فرخ آباد محمد خان بنگش و در دکن نظام‌الملک آصف جاہ و مرہٹہ وغیرہ و در جے نگر راجہ جے سنگھ وغیرہ راج ہاے عظیم‌الشان آن ملک ، در لاہور و پنجاب و اودھ و الہ آباد و ولایت بنگالہ و اڑیسہ و کابل و پیشور و کشمیر جا بہ جا ناظمان ملک طوائف‌الملوک دم استقلال می زدند ـــــ حالا مجملے از احوال علی محمد خان و تسلط او بریں ملک نگاشتہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

سکھوں ، راجپوتوں اور نووارد پٹھانوں نے فائدہ اٹھایا ۔ محمد خاں بنگش نے ریاست فرخ آباد کی بنیاد رکھی ۔ داؤد خاں[1] روہیلے نے بریلی ، مراد آباد وغیرہ کے علاقے میں روہیلوں کو جمع کرکے مقامی زمینداروں کو دبانا شروع کیا ۔ سلطنت پا کر محمد شاہ بادشاہ[2] نے بیرونی امرا (جو شیعہ اور سنی تھے) کی امداد حاصل کرکے سید عبداللہ خاں اور حسین علی خاں سے اقتدار تو چھین لیا ، مگر سلطنت کے لیے بلند حوصلگی اور جرأت کی ضرورت تھی اور محمد شاہ ان صفات سے خالی تھا ۔ وہ عیش و عشرت میں مشغول ہوگیا ۔ تورانی پارٹی وزارت پر قابض ہوگئی اور ایرانی جماعت نے صوبے داری پر قناعت کی ۔ مرکزی حکومت میں شیعہ اور سنی امرا مختلف گروہوں میں تقسیم تھے۔ مقامی قدیم مسلمان امرا کے ہندوؤں سے گہرے تعلقات تھے ۔ تورانی جماعت کو خطرہ ایرانی امرا اور ان کے حامیوں سے تھا ۔ نظام الملک[3] نے مرکزی حکومت کے استحکام

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

ضرور افتاد......علی محمد خاں کہ مولدش موضع بانکولی معمولہ قصبہ کابر توابع سرکار سنبھل و وطن اقامتش موضع بیولی توابع و مضاف سرکار بداؤں بود۔۔۔۔۔ از ایام طفولیت مشرف بہ اسلام شدہ ، در رفاقت خان داؤد خاں آمدہ ، مدتے مدید نوکر زمینداران دامن کوہ کماؤں مثل راجہ ترپت وغیرہ ماندہ ۔

(''جام جہاں نما'' جلد دوم ، صفحہ ۲۲ تا ۲۸)

۱ ۔ ''اخبار الصنادید'' جلد اول (طبع دوم) صفحات ۶۹ تا ۷۶ مؤلفہ نجم الغنی خاں ۔

۲ ۔ ''سیرالمتاخرین'' جلد دوم ، صفحہ ۴۳۳ تا ۴۳۴ ۔

۳ ۔ ''سیرالمتاخرین'' جلد دوم ، صفحہ ۴۵۵ تا ۴۶۲ ۔

کے لیے کوشش کی مگر قدیم امرا نے محمد شاہ کو بد ظن کردیا اور نظام الملک مجبور ہوکر اپنے صوبۂ دکن کو چلا گیا ۔ اس نے مرہٹوں سے روابط پیدا کرکے اپنی ریاست مستحکم کر لی اور شمالی ہند کی سمت بڑھنے کا مرہٹوں کو موقع دیا ۔ راجپوتوں کی سازش سے مرہٹے برصغیر پاک و ہند کے وسطی علاقے پر قابض ہوگئے ۔ ادھر برہان الملک[1] نے اودھ کی ریاست کی داغ بیل ڈالی ۔ داؤد خاں کے شہید ہونے کے بعد (۱۱۳۹ھ) علی محمد خاں[2] نے (جو داؤد خاں کا متبنیٰ تھا) رفتہ رفتہ شاہی امرا کے علاقے پر قبضہ کرلیا اور خود مختارانہ روش اختیار کی ۔ قمر الدین خاں وزیر اعظم تورانی جماعت کے لیے روہیلوں کی حمایت ضروری سمجھتا تھا اس لیے خاموش رہا ۔ آخر صفدر جنگ[3] کی شکایت اور عمدة الملک امیر خاں انجام کے ابھارنے پر آغاز ۱۱۵۸ھ میں محمد شاہ بادشاہ نے ایک معمولی رئیس کے خلاف فوج کشی گوارا کی ۔ وزیر اعظم قمر الدین خاں اس فوج کشی کے خلاف تھا ۔ علی محمد خاں اس کا متوسل تھا ۔ چند مہینوں کی آویزشوں کے بعد نواب قائم خاں بنگش والیٔ فرخ آباد کی وساطت سے صلح ہوگئی اور نواب علی محمد خاں کو محمد شاہ اپنے ساتھ دہلی لے گیا ۔ علی محمد خاں کا علاقہ صفدر جنگ اور امیر خاں کے متوسلین کے زیر اقتدار آ گیا ۔ اب دہلی

۱- ''تاریخ اودھ'' جلد اول ، صفحہ ۲۵ تا ۴۳ ، مطبع مطبع العلوم مراد آباد ، ۱۹۰۹ء از نجم الغنی خاں ۔

۲ - ''اخبار الصنادید'' جلد اول ، صفحہ ۸۷ تا ۱۰۷ - ''انتخاب یادگار'' طبقۂ اول ، صفحہ ۱۵ از امیر مینائی ۔

۳ - ''اخبار الصنادید'' جلد اول ، صفحہ ۱۳۹ تا ۱۶۴ - ''سیر المتاخرین'' جلد ۳ ، صفحہ ۸۵۳ تا ۸۵۵ -

میں شکست خوردہ روھیلے جمع ہونے لگے ۔ قمرالدین خاں وزیر اعظم کی سفارش سے علی محمد خاں[1] کو سرھند کا فوج دار (چکلہ دار) مقرر کردیا گیا ۔ نواب علی محمد خاں نے سرھند کے علاقے میں مخالفین کو کچل کر مغل حکومت کا اقتدار بحال کیا ۔ جب ۱۱۶۰ھ میں احمد شاہ ابدالی کے ھندوستان پر حملے کی خبر عام ہوئی تو علی محمد خاں[2] نے مغل سلطنت کی کم زوری سے فائدہ اٹھایا اور سرھند کو چھوڑ کر سیدھا روھیل کھنڈ آیا اور مراد آباد بریلی کے علاقے سے حکومت کے نمائندے نکال دیے ۔ احمد شاہ ابدالی[3] کے مقابلے میں ولی عہد سلطنت مرزا احمد شاہ اور قمرالدین خاں وزیر اعظم روانہ ہوئے ۔ ابدالی نے سرھند پر قبضہ کر لیا ۔ عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں پسران علی محمد خاں (جن کو قمرالدین خاں وزیر اپنے ساتھ دھلی سے سرھند لے گیا تھا اور وھاں تھے) گرفتار ہوئے ۔ احمد شاہ ابدالی دونوں کو اپنے ساتھ افغانستان لے گیا ۔ اس کے کچھ عرصے بعد ھی نواب علی محمد خاں[4] کا انتقال (۱۱۶۲ھ) ہوگیا ۔ مرنے سے پہلے نواب علی محمد خاں نے اپنی دستار اتار کر حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے سر پر رکھ دی ۔ حافظ رحمت خاں نے وسیع القلبی سے کام لے کر نواب کے تیسرے بیٹے سعد اللہ خاں (تیرہ سالہ) کے سر پر دستار رکھ دی

---

۱ - ''اخبار الصنادید'' جلد اول ، صفحہ ۱۶۸ تا ۱۷۵ -
''انتخاب یادگار'' طبقۂ اول صفحہ ۱۵ ، ۱۶ - ازامیر مینائی۔

۲ - ''و بر سنبھل و مراد آباد و نواح آن علی محمد خاں از سھرند آمدہ متصرف شد۔'' (''جام جھاں نما'' جلد دوم ، صفحہ ۴۵، مخطوطۂ رضا لائبریری)

۳ - ''سیرالمتاخرین'' جلد۳، صفحہ ۸۶۰ تا ۸۶۵ - ''خزانۂ عامرہ'' صفحہ ۷۷ از غلام علی آزاد بلگرامی -

۴ - ''اخبار الصنادید'' جلد اول ، صفحہ ۱۸۶ تا ۱۸۹ -

اور علی محمد خاں کو اطمینان قلبی حاصل ہوا ۔

حافظ رحمت خاں حافظ الملک اپنی سوجھ بوجھ اور بہادری کی وجہ سے روہیلہ سرداروں میں تفوق رکھتے تھے ۔ انھوں نے سعد اللہ خاں کے نام پر ریاست کا نظام چلایا ۔ علی محمد خاں کے مرنے کے بعد صفدر جنگ[1] نے روہیلہ اور بنگش پٹھانوں کو لڑانے کی تدبیر کی ۔ قائم خاں کے نام روہیل کھنڈ کی ریاست کا فرمان احمد شاہ سے لکھا دیا ۔ آخر قائم خاں (۱۱۶۲ھ) روہیلوں کے مقابلے میں کام آئے ۔ اب صفدر جنگ نے ضبطی فرخ آباد کے احکام جاری کیے ۔ اس سلسلے میں قائم خاں کے چھوٹے بھائی نواب احمد خاں نے صفدر جنگ کو شکست دے کر ایرانی پارٹی کی تجاویز کو ناکام بنا دیا ۔ صفدر جنگ کی کھوئی ہوئی وزارت نواب جاوید خاں کو رشوت دے کر بحال ہوئی ۔

علی محمد خاں کی وفات کی خبر احمد شاہ ابدالی کو ہوئی ۔کچھ مدت کے بعد اُمرا کی سفارش پر عبد اللہ خاں[2] اور فیض اللہ خاں کو اپنی ریاست جانے کی اجازت ملی ۔ عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں (۱۱۶۶ھ) آئے تو حافظ رحمت اللہ خاں نے عبد اللہ خاں کو سربراہ ریاست بنایا ۔ وہ زود رنج اور مشتعل مزاج تھے اس لیے بھائیوں سے مخالفت ہوگئی ۔ حافظ رحمت خاں نے ریاست کو مختلف علاقوں میں بانٹ دیا ۔ فیض اللہ خاں[3] کے قبضے میں شاہ آباد وغیرہ کا علاقہ آیا (۱۱۶۷ھ) ۔

---

۱ ۔ ''اخبار الصنادید'' جلد اول ، صفحہ ۱۹۹ تا ۲۱۶ ۔

۲ ۔ ''اخبار الصنادید'' جلد اول ، صفحہ ۲۷۸ تا ۲۸۷ ۔

۳ ۔ انتخاب یادگار ، طبقۂ اول ، صفحہ ۴۲ از امیر مینائی ۔

۱۱۸۸ھ[1] میں نواب شجاع الدولہ اور نواب حافظ الملک، حافظ رحمت خاں کی لڑائی ہوئی، اس لڑائی میں حافظ رحمت خاں شہید ہوئے۔ شجاع الدولہ نے روہیل کھنڈ کی ریاست ضبط کر لی۔ نواب فیض اللہ خاں نے شکست قبول نہ کی اور روہیلوں کو جمع کر کے لال ڈانگ پہاڑی پر پناہ گزین ہوئے۔ متواتر حملوں کے بعد بھی روہیلوں کے حوصلے پست نہ ہوئے، آخر انگریزی فوج کے سربراہ کرنل چمپین[2] کی معرفت صلح ہوئی (۷ اکتوبر ۱۷۷۴ع)۔ نواب فیض اللہ خاں کی ریاست بحال رہی۔ بقیہ رؤسا کے علاقے اودھ میں شامل کیے گئے۔ فیض اللہ خاں کا پہلا صدر مقام ریاست شاہ آباد تھا، اب نئے دارالریاست کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ضرورت کے وقت پہاڑ کو جانے میں کوئی بڑا دریا حائل نہ ہو۔ رام پورہ، ٹھوٹر، گھاٹم پور وغیرہ چند گاؤں جدید شہر کی آبادی کے لیے چنے گئے۔

رام پورہ[3] گاؤں قدیمی بستی ہونے کی وجہ سے دوسرے دیہات سے ممتاز تھا۔ اس گاؤں کی زمین میں فیض اللہ خاں نے

۱۔ اخبار الصنادید، جلد اول، صفحہ ۵۰۵۔

۲۔ " " " صفحہ ۵۵۰۔

۳۔ رام پورہ گاؤں ۱۷۷۴ء (۱۱۸۸ھ) سے پہلے آباد تھا۔ فیض اللہ خاں نے جامع مسجد ۱۱۸۰ھ میں بنائی تھی جس کا مصرع تاریخ یہ ہے: ''یک مسجد فیض کعبہ نو''۔ راقم الحروف کا خاندان ۱۰۴۰ھ سے یہاں مقیم تھا اور مسجد ہماری مملوکہ زمین میں تعمیر کی گئی تھی۔ نواب محمد یار خاں امیر کو سکونت کے لیے کرم خاں رزڑ کا باغ وسط ۱۱۸۸ھ میں دیا گیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رام پور کی حیثیت قصبے کی تھی اور مولوی محمد اکرم آشنا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

قلعے کی بنیاد ڈالی ۔ اسی حصے میں جامع مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ روہیلوں کے دور اقتدار میں جو علما ، فضلا اور مشائخ روہیل کھنڈ میں آ کر مقیم ہوچکے تھے، انھیں نواب فیض‌اللہ خاں نے جمع کیا اور ارباب علم و فن اور مشائخ کے وظیفے[1] مقرر کرکے اُن کی دل جوئی کی ۔ رفتہ رفتہ نہ صرف وہ علماء اور مشائخ جمع ہو گئے جن کا تعلق سابق صوبۂ سرحد (مع قبائلی علاقہ) اور سابق صوبۂ پنجاب (غیر منقسمہ) سے تھا بلکہ دھلی اور سابق صوبۂ دھلی (عہد سلطنت مغلیہ) کے بہت سے ارباب کمال بھی اکٹھے ہو گئے ۔ اودھ[2] کے اہل علم بھی کھنچ آئے۔ اس نئی ریاست کی داغ بیل ڈالنے میں جو ارباب علم

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

۱۱۷۸ھ میں اپنے خالو مولوی محمد مقیم سفیر نواب فیض اللہ خاں کے یہاں رام پور میں آئے تھے ۔ (وقائع عبدالقادر خانی جلد اول، صفحہ ۴۹۔ تذکرہ کاملان رام پور، صفحہ ۳۶۹) ۔ (فائق)

۱ ۔ دیوان منو لال دھلوی نے اپنی کتاب جغرافیہ میں جس کا نام ''مساکن فلسفی'' ہے لکھا ہے کہ :

''نواب سید فیض اللہ خاں کی سرکار میں پانسو علما کو وظیفے ملتے تھے جو طلبا کو پڑھاتے تھے ۔ اس زمانے میں علم کو بڑی رونق تھی ؛ چناں چہ رام پور 'بخارائے ھندی' کہلاتا تھا ۔'' (اخبارالصنادید جلد اول صفحہ ۵۹۷)

۲ ۔ بحرالعلوم مولانا عبدالعلی صاحب بن ملا نظام‌الدین لکھنوی ملا حسن صاحب (برادر زادۂ ملا نظام الدین) شارح ''سلم‌العلوم'' وغیرہ ۔

(اخبارالصنادید ، جلد اول ، صفحہ ۶۰۰)

اور اہل کمال شریک تھے ، ان کے ناموں کی مختصر سی فہرست پیش کی جاتی ہے :

علما و فقرائے سابق صوبہ سرحد مع قبائلی علاقہ

عہد ریاست فیض اللہ خان

۱۱۶۷ھ تا ۱۱۸۸ھ ——— ۱۱۸۸ تا ۱۲۰۸ھ

۱ - حاجی محمد سعید خان تیراھی ، شاگرد شاہ ولی اللہ محدث دھلوی ۔ شاہ صاحب کے ساتھ حج بھی کیا تھا ، بریلی میں دفن ھیں ۔

۲ - مولوی عبدالرحمان خان ابن حاجی محمد سعید خان ۔ نواب فیض اللہ خان حاجی محمد سعید خان کی اولاد کو رام پور لے آئے تھے (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) ۔ شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی کی مولوی عبدالرحمان خان سے مراسلت تھی ۔ شاہ صاحب کے خطوط ان کے نام ''تذکرۂ کاملان رام پور'' میں موجود ھیں ۔ حاجی محمد سعید خان کی اولاد رام پور میں تیراھی پٹھان شمار ھوتی ھے ۔ نجم الغنی خان مشہور مصنف ان ھی کی نسل میں سے تھے ۔

۳ - ملا عبدالرحیم ابن حاجی محمد سعید خان ، علم اور فضل میں ممتاز تھے ۔ آپ کے تلامذہ میں حکیم محمد اعظم خان مؤلف ''اکسیر اعظم'' ۔ مفتی سعداللہ ، مولانا عالم علی مرادآبادی ، مولانا فیض الحسن سہارن پوری وغیرہ مشہور اہل علم ھیں ۔ ۱۲۳۴ھ میں رام پور میں انتقال ھوا ۔

۴ - حاجی محمد عبداللہ خان ابن حاجی محمد سعید خان تیراھی مؤلف ''تذکرۂ کاملان رام پور'' نے ان کو فاضل اجل

اور یکتائے روزگار قاری اور حافظ لکھا ہے ۔ ان کے نام بھی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا خط ہے ۔ عنوان ملاحظہ ہو : ''فضائل مآب حاجی الحرمین ، اخون زادہ عبداللہ و عبدالرحمان سلمہ اللہ تعالیٰ''۔ حاجی عبداللہ خاں نے ملاقات کا اشتیاق اپنے مکتوب میں ظاہر کیا تھا ۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں :

''دل ما هم برائے دیدن شما می خواهد لیکن الله تعالیٰ به خیریت و جمعیت به ظهور آرد''۔

(تذکرۂ کاملان رام پور ، صفحہ ۲۰۲ تا ۲۴۲)

۵ ۔ قاری محمد نسیم معاصر نواب فیض اللہ خاں (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) شاگرد قاری عبید اللہ (شاگرد مولانا مغربی) ولایت سے آئے تھے ۔ مولوی عبدالقادر اپنے روز نامچے میں لکھتے ہیں :

''تحقیق قرأت اور مخارج سے حروف کی ادائگی ، مدات ، اوقاف اور رسم خط میں آیات الٰہی سے ایک نشانی تھے ۔ میں نے نہ ان سے پہلے نہ ان سے بعد کوئی ایسا آدمی دیکھا ۔''

بقول مؤلف تذکرۂ کاملان رام پور وفات ۱۲۱۴ھ کے قریب (تذکرۂ کاملان رام پور ، صفحہ ۳۱۴ تا ۳۱۴ ۔ وقائع عبدالقادر خانی ، جلد اول ، صفحہ ۴۲) ۔

۶ ۔ ''میاں سراج شاہ ۔ سادات بونیر سے تھے ۔ نہایت بڑے عالم ، فقیہ ، اصولی تھے ۔'' معاصر فیض اللہ خاں وغیرہ (تذکرہ کاملان صفحہ ۱۴۹)

۷ ۔ ملا احمد ولایتی کے نام سے مشہور شاگرد مولوی برکت

اله آبادی فلسفے کے ماہر تھے ..... مفتی شرف الدین ان کے داماد تھے اور مولانا رستم علی شاگرد .... احمد شاہ ابدالی کے حملے کے بعد لاہور آئے ، پھر اله آباد گئے ، تکمیل علم کر کے رام پور میں مقیم ہوئے۔''

(تذکرۂ کاملان رام پور ، صفحہ ۱۰ ، ۱۱)

۸ - سید ابدال شاہ - نواب علی محمد خاں (متوفی ۱۱۶۲ھ) نے بنیر سے بلایا تھا - مدفن رام پور - (تذکرۂ کاملان رام پور صفحہ ، ۱۰ و ۱۱)

۹ - ملا احد اخون کابلی - بڑے عالم تھے -

۱۰ - ملا بشارت اللہ اخوند ولد نواب سحاب خاں غازی مقیم رام پور - پشتو میں چند تصالیف یادگار -

۱۱ - پیر بہرام خاں خٹک -

۱۲ - سیدقطب شاہ - (سیدعلی ترمذی عرف پیر بابا کی نسل سے تھے)۔

۱۳ - ملا مغل محدث -

۱۴ - ملا عبدالرزاق فقیہ -

۱۵ - مولوی عبدالعزیز معقولی -

۱۶ - ملا جہانگیر ، شاگرد مولوی باب اللہ -

۱۷ - ملا سراج الدین -

۱۸ - ملا خواص - (دیکھیے تذکرۂ کاملان رام پور اور وقائع عبدالقادر خانی)

سابق صوبۂ پنجاب کے علما اور صوفیاے کرام

۱ - ملا فقیر اخوند عرف شاہ عبدالکریم خلف شاہ رحمت اللہ گجراتی - ولادت ۱۱۴۳ھ بہ مقام گجرات - علوم متداولہ

میں مہارت تھی ۔ شاہ منور علی الہ آبادی کے خلیفہ تھے۔
۱۲۰۶ھ میں رام پور میں انتقال ہوا۔

۲ ۔ حکیم بایزید خلف شاہ رحمت اللہ گجراتی ۔ طب میں شہرت پائی ۔ حکیم عزالدین میرٹھی ، حکیم ثناء اللہ بریلوی اور حکیم کبیر علی کبیر سنبھلی (شاگردان حکیم علوی خاں) سے تحصیل طب کی ۔ ۱۲۰۳ھ تک زندہ تھے۔ فیض اللہ خاں کے دربار سے متوسل تھے 'فصول فیض اللہ خانی' (تالیف ۱۲۰۲ھ) اور دوسری تالیفات ان سے یادگار ہیں ۔

۳ ۔ میاں نعمت اللہ خلف شاہ رحمت اللہ ، طب میں دسترس تھی اور فن جراحی میں یکتا تھے، مصنف بھی تھے ۔

۴ ۔ حافظ شاہ جمال اللہ ولد سید سلطان شاہ معروف بہ سید محمد روشن گجراتی[۱] ۔ عبدالقادر جیلانی کی نسل سے تھے۔ بچپن میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے ۔ دہلی میں مولانا شاہ قطب الدین سے خلافت پائی، کٹھیر (روھیل کھنڈ صوبہ متحدہ آگرہ واودھ) میں قیام کا حکم ہوا ۔ ایک لاکھ کے قریب مرید تھے۔ ۳ صفر ۱۲۰۹ھ کو رام پور میں انتقال کیا ۔

۵ ۔ شاہ درگاھی خلف میاں لال شاہ ۔ ولادت بہ قول شاہ رؤف احمد مصنف ''جواھر علویہ'' ۱۱۶۰ھ میں تخت ھزارہ میں ھوئی۔ سکھوں نے ان کے والد کو شہید کردیا ۔ انھوں نے گھر چھوڑ دیا ۔ مداریہ سلسلے میں بیعت ھوئے۔ پھر حافظ جمال اللہ سے بیعت کی اور خلافت پائی ۔ رام پور میں

۱۔ حافظ سلطان شاہ کا مزار موضع سدھار متصل موضع قلعدار گجرات میں مرجع عوام و خواص ھے ۔ سالانہ عرس ھوتا ھے ۔ بہ قول احمد حسین صاحب لیکچرار اردو ساکن قلعدار گجرات (فائق) ۔

۱۲۲۶ھ میں انتقال ہوا۔

٦ - مولانا جلال الدین ابن مولوی کفایت علی (سید)۔ لاهور میں ۱۱۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالا تو دہلی کا سفر کیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے علوم معقول و منقول کی تکمیل کی ۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ہم سبق تھے۔ مولانا فخرالدین دہلوی سے بیعت کرکے خلافت پائی ۔ رام پور میں قیام کیا ۔ ہندو بھی معتقد تھے۔ ایک بھنگی کی بھی تعظیم کرتے تھے - ۱۲۴۱ھ میں انتقال کیا ۔

سرهند کی تباهی پر (۱۱۷۷ھ) مجدد الف ثانی کے بہت سے اخلاف رام پور میں آ بسے

۷ - شاہ ضیاءالنبی ولد شاہ عنایت النبی ۔ علوم متداولہ میں کامل تھے ۔ ریاست رام پور (ولادت ۱۱۶۵ھ سرهند ، وفات ۱۲۱۵ھ رام پور) میں بخشی تھے ۔

۸ - مولانا محمد مرشد ولد مولانا محمد ارشد مجددی ، ولادت سرهند ، وفات ۱۲۰۱ھ رام پور ۔ معقول علمی استعداد تھی ۔

۹ - مولانا صفی القدر ابن عزیزالقدر مجددی ۔ حدیث اور فقہ میں مہارت ۔ وفات ۱۲۳۶ھ رام پور ۔ (دیکھیے تذکرۂ کاملان رام پور ۔ وقائع عبدالقادر خانی ۔ جام جہاں نما مخطوطہ، مصنفہ قدرت اللہ شوق) ۔

اب آپ قدیم صوبہ دہلی ، اکبر آباد اور اودھ وغیرہ کے مشاہیر کے اسمائے گرامی[۱] پر نظر ڈالیے ۔ بعض نے اس

---

۱ - تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ۔ جام جہاں نما ۔ تذکرۂ
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

خطے کو اپنے قیام سے شرف بخشا اور بعض اسی علاقے کے متوطن تھے۔ یہ سب نواب فیض اللہ خاں (متوفی ۱۲۰۸ھ) کے معاصر ہیں۔

۱ - مولوی غلام طیب بہاری ، شاگرد مولانا وھاج الدین گوپاموی اور ملا کمال الدین ، مدفن رام پور، وفات ۱۱۹۷ھ۔

۲ - مولوی محمد عظیم ، متوطن ملانوہ ۔ قدرت اللہ شوق کے استاد تھے اور بقول شوق ان کے شاگرد صاحب استعداد ہوئے ۔ ''حواشی زاھدین'' ان کی علمی یادگار ہے ۔

۳ - حکیم غلام رسول کشمیری ، تخلص حکمت ، نبیرۂ ملا محسن فانی کشمیری (متوفی ۱۰۸۱ھ) ۔

۴ - حکیم کبیر علی کبیر انصاری سنبھلی ، ہمشیر زادۂ نواب امین الدولہ سنبھلی ، شاگرد حکیم علوی خاں (مصنف کتب متعددہ) ، صاحب دیوان قلمی (۱۲۰۳ھ تک حیات)

۵ - حکیم عز الدین میرٹھی ، شاگرد حکیم علوی خاں ۔

۶ - حکیم محسن خاں ، شاگرد حکیم شریف خاں دھلوی ۔

۷ - حکیم صدر الدین خاں وحشت و آزردہ تخلص دھلوی ۔

۸ - حکیم ابو علی خاں دھلوی ۔

۹ - حکیم احمد علی حسرت ، برادر حکیم کبیر علی سنبھلی ۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

طبقات الشعرا اور تکملۃ الشعرا ۔ تالیفات قدرت اللہ شوق اقتباس العلاج موسوم بہ فصول فیض اللہ خانی - تصنیف حکیم بایزید ۔ تذکرۂ ھندی از مصحفی ۔ مجموعہ نغز از قاسم - تذکرۂ کاملان رام پور از احمد علی خاں ۔

۱۰ - حکیم میر ضیاالدین عبرت دہلوی، مصنف 'مثنوی پدماوت'
(اول چہارم حصہ) (وفات ۱۲۰۶ھ) -
۱۱ - حافظ عبدالحسیب عرف حافظ بدھا، تخلص شیفتہ، تھانوی -
۱۲ - شاہ قدرت اللہ بلیغ الدنی -
۱۳ - ذوق رام حسرت دہلوی -
۱۴ - شیخ محمد قائم، قائم چاند پوری (متوفی ۱۲۰۸ھ، مدفن
رام پور) -
۱۵ - میر محمد نعیم، نعیم دہلوی (متوفی ۱۱۸۵ھ) -
۱۶ - مولانا عبدالعلی بحر العلوم، صدر مدرس مدرسۂ سرکاری
رام پور (مدرسۂ عالیہ) (وفات ۱۲۲۵ھ) -
۱۷ - ملا حسن، برادر زادۂ ملا نظام الدین فرنگی محلی مدفن
رام پور (وفات صفر ۱۱۹۹ھ) مدرس مدرسۂ سرکاری -

ان چند ناموں سے روھیل کھنڈ کی علمی اور ادبی فضا کا اندازہ کیا جاسکتا ھے - اس کے سوا وہ لوگ جو رام پوری کہلاتے ھیں، اُن کے حسب ذیل اسماء سے رام پور کی نو تشکیل شدہ ریاست کا علمی وقار واضح ھو جاتا ھے - یہی حضرات رام پور کی علمی محفلوں کے بانی تھے:

۱ - مولوی قدرت اللہ شوق رام پوری (وفات ۱۲۲۴ھ)
شاگرد قائم، مؤلف تذکرۂ طبقات الشعرا، اردو - (تالیف
۱۱۸۸ھ) - تکملہ الشعرا، فارسی (تالیف ۱۲۰۹ھ)
جام جہاں نما تاریخ فارسی (تالیف ۱۱۹۱ھ) -
۲ - نواب محمد یار خاں تخلص امیر، شاگرد قائم (وفات ۱۱۸۸ھ)-
۳ - نواب نصراللہ خاں تخلص سلطان (وفات ۱۲۲۵ھ)
۴ - مولوی غلام جیلانی رفعت و بیدم تخلص (وفات ۱۲۳۴ھ)-

صاحب دیوان فارسی و مثنوی ''در منظوم'' وغیرہ ۔

۵ - عنبر شاہ خاں تخلص آشفتہ وعنبر شاگرد قائم (حیات ۱۲۳۹ھ) صاحب دواوین فارسی ، اردو اور دیگر متعدد تصانیف نثر فارسی ۔

۶ - محمد عباس خاں عباس ، شاگرد قائم (حیات ۱۲۲۵ھ) ۔ صاحب تاریخ عباسی ، مخطوطہ ۔ شاعر اردو ، فارسی ، پشتو ۔

۷ - نواب احمد یار خاں افسر ، شاگرد قائم و شوق (وفات ۱۲۶۲ھ) ۔

۸ - محمد اکرم آشنا دہلوی مولد ، رام پوری موطن (وفات ۱۲۳۳ھ) ۔

۹ - نواب کریم اللہ خاں ثروت (خلف فیض اللہ خاں) شاگرد آشفتہ و عنبر (وفات ۱۳ شوال ۱۲۳۶ھ) ۔

۱۰ - غلام علی عشرت ، مصنف مثنویات متعددہ و دیوان مخطوطہ اردو (وفات ۱۲۳۶ھ) ۔

۱۱ - محمد معظم عباسی معظم ، شاگرد شوق ، مصنف ''جنگ نامہ'' (مثنوی جنگ دو جوڑا) (حیات ۱۲۰۹ھ) ۔

۱۲ - غلام قادر مسکین ، شاگرد شوق (۱۲۱۶ھ)

۱۳ - حکیم صغیر علی مروت ، شاگرد حسن و جرأت ، مؤلف گلدستہ عجائب رنگ (داستان نثر اردو) (حیات ۱۲۴۳ھ)

۱۴ - حکیم غلام حسین آزاد ، مدارالمہام ریاست رام پور (حیات ۱۲۳۰ھ)

۱۵ - حکیم عطاءاللہ غمین ، شاگرد بلیغ خلف حکیم غلام رسول کشمیری ، صاحب دواوین اردو ، فارسی (حیات ۱۲۱۹ھ)

۱۶ - ناصر خاں - (بنیر وال ، بہ قول شوق اردو فارسی دونوں میں شعر کہتا تھا) - اور شوق کے ساتھ طرحی غزلیں کہتا (وفات قبل ۱۲۰۹ھ) -

۱۷ - اخوندزادہ ہمت خاں ہمت ، صاحب دیوان اردو (حیات ۱۲۰۹ھ) -

۱۸ - عنایت اللہ سرہندی تخلص مشتاق ، رام پور مسکن و مدفن (وفات قبل از ۱۲۲۱ھ) -

۱۹ - محمد کبیر خاں تسلیم (حیات ۱۲۰۹ھ)

۲۰ - احمد خاں احمد تخلص، شاگرد شوق (ولد بہادر خاں کمال زئی) شاعر اردو و صاحب دیوان پشتو (وفات ۱۲۲۱ھ) -

۲۱ - عزیز خاں بے جان (دہ مجلس منظوم اردو) (حیات ۱۲۱۱ھ)-

۲۲ - کریم خاں خورشید (قوم کمال زئی پٹھان) اردو اور پشتو میں شعر کہتے تھے (وفات ۱۲۵۴ھ) -

۲۳ - حافظ اللہ داد طالب ، شاگرد شوق ، صاحب دیوان اردو و مثنویات اردو فارسی (وفات ۱۲۷۵ھ) -

۲۴ - کریم اللہ خاں کرم ، شاگرد شوق - کلیات مخطوطہ اردو (وفات ۱۲۵۳ھ) -

۲۵ - احمد خاں غفلت ، شاگرد شوق ، دیوان مخطوطہ[1] ، داستان نثر اردو مخطوطہ (وفات ۱۲۵۹ھ) -

۲۶ - شیخ علی بخش بیمار ، شاگرد مصحفی و غفلت ، صاحب دیوان مخطوطہ (وفات ۱۲۷۱ھ) -

۲۷ - اکبر شاہ خاں فرحت ، شاگرد وفا ، صاحب دیوان مخطوطہ

---

۱ - دیوان غفلت ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری -

(وفات ۱۲۶۴ھ) -

۲۸ - نواب محمد اکبر خاں اکبر (خلف حافظ رحمت خاں) (وفات ٦ ذی قعدہ ، ۱۲۴٦ھ) -

۲۹ - مولوی عبدالقادر غمگین (مولف ''وقائع عبدالقادر خانی'' وغیرہ - اردو ، فارسی ، عربی (وفات ۱۲٦۵ھ) -

۳۰ - مولوی محمد اکرم اکرم صدیقی، مصنف خالق باری اکرم و مثنوی جنگ نامہ ضابطہ خاں (وفات ۱۲۴۰ھ)

اس مختصر سی فہرست سے پرانی ادبی مجالس کی دھندلی سے تصویر نظروں میں پھر جاتی ہے - روھیلوں کی مادری زبان پشتو تھی - چار بیت اُن کے مزاج میں رچی بسی ہوئی تھی - پشتو کے علاوہ اردو میں بھی چار بیت[1] پر طبع آزمائی ہوتی تھی - کاظم خاں شیدا کا پشتو کلام دست یاب ہوگیا ہے ، حافظ رحمت خاں[2] حافظ الملک اور دوسرے روھیلہ سرداروں کا کلام ضائع ہوگیا - اردو فارسی کے اشعار ان کے اخلاف کی زبانوں پر رہ گئے - مخطوطات کے تحفظ کا خیال اخلاف کے دلوں میں جاگزیں نہ تھا اس لیے بیش تر تصانیف ضائع ہوگئیں - کچھ کتابیں نوابان رام پور کی کوشش سے سرکاری کتاب خانے میں محفوظ کرلی گئیں ، جن سے حقیقت حال تو واضح نہیں ہوتی ، البتہ سرسری اندازہ علمی اور ادبی مجالس کا ہوجاتا ہے -

---

۱ - ملاحظہ ہو عبدو کی چار بیت ، متعلق قتل محمد علی خاں ۱۲۰۹ھ صفحہ ٦۲۱ تا ٦۲۵ - اخبارالصنادید جلد اول -

۲ - حیات حافظ رحمت ، خاں طبع ثانی ، صفحہ ۳۵۴،۳۵۵، ۳۵٦ -

مقامی بولی پر پشتو اور پنجابی کا اثر

روہیلہ سرداروں کی نسل عام طور سے دو زبانیں جانتی تھی۔ مادری زبان پشتو، فارسی اور مقامی بولی اردو، اور جو لوگ علاقۂ سابق صوبۂ پنجاب (غیر منقسمہ) سے تعلق رکھتے تھے اُن کی مادری زبان پنجابی تھی ۔ اس کے علاوہ تعلیم پانے کے بعد دیگر زبانوں میں بھی دست رس ہو جاتی ۔ مقامی آبادی جو مختلف عناصر پر مشتمل تھی، اُس کی بول چال پر پشتو اور پنجابی[1] بھی اثر انداز ہوئی ۔ قائم چاند پوری کا وطن تو یہی سر زمین تھی لیکن دہلی میں مدت مدید کے قیام سے اُن کی زبان دہلی کے روزمرہ میں ڈھل چکی تھی ۔ محمد نعیم دہلوی، عبرت دہلوی، حکیم صدر الدین آزردہ دہلوی وغیرہ اس چھوٹی سی ریاست کی زبان پر اثر انداز ہوئے۔ آزردہ دہلوی کے مکان پر قائم کی حیات میں ۱۲۰۳ھ اور ۱۲۰۴ھ کے مابین ایک محفل مشاعرہ منعقد ہوتی تھی، جس کی طرحی غزلیں میر ضیاء الدین عبرت کے دیوان میں ملتی ہیں ۔ ہر قمری مہینے کی بارھویں کو یہ مشاعرہ رام پور میں منعقد ہوتا تھا ۔ پہلا مشاعرہ ۱۲ ۔ جمادی الثانی ۱۲۰۳ھ کو ہوا ۔ طرحی زمین میں عبرت کا مطلع ملاحظہ ہو :

وہ شکل رشک حور جو ہم سے نہاں نہ تھی
ہرگز عیاں تو اپنی یہ آہ و فغاں نہ تھی

عنبر شاہ خاں[2] آشفتہ نے رام پور کے کسی مشاعرے میں

---

۱ ۔ اس سلسلے میں ''پنجاب میں اردو'' مصنفۂ پروفیسر محمود شیرانی مرحوم فیصلہ کن کتاب ہے ۔ طوالت کے خوف سے حوالے نہیں دیے گئے ۔ (فائق)

۲ ۔ دیباچۂ دیوان اردو (مخطوطہ) عنبر شاہ خاں آشفتہ ۔

شرکت کے لیے غزل کہی اور قائم سے اصلاح چاہی ۔ قائم نے شاعری سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے چالیس سال کی مشق میں کیا حاصل کیا جو تم پاؤ گے ۔

ممکن ہے کہ ان مشاعروں میں قائم بھی شاگردوں کے اصرار سے شریک ہوتے ہوں ۔ ایک اور مشاعرے کا ذکر عشرت نے ''مثنوی پدماوت''[۱] کے دیباچے میں کیا ہے جو مولوی قدرت اللہ شوق کے مکان پر بعد نماز جمعہ منعقد ہوتا تھا اور برسوں اس کا سلسلہ چلا ۔ اس طرح تعلیم یافتہ طبقے کی زبان دھلی کی بول چال سے قریب ہوگئی لیکن عوام اس سے چنداں متاثر نہ ہوئے ۔ خصوصاً مستورات کی زبان پشتو کے اثر سے مکمل طور پر اب بھی آزاد نہیں ہوئی ہے ۔ نواب عنایت خاں (متوفی ۱۱۸۷ھ) کی شادی پر میر عوض علی مدعا دھلوی نے جو قصیدہ کہا تھا اس میں بقول میر حسن[۲] پشتو کے الفاظ استعمال کیے گئے تھے ۔ نواب احمد علی خاں تخلص رند (متوفی ۱۲۵۶ھ ، ۱۸۴۰ء) کے متعلق نجم الغنی خاں[۳] لکھتے ہیں :

''شاہ بی بی ۔ ۔ ۔ ۔ یہ عورت زبان پشتو صاف طور پر بولتی تھی ۔ نواب صاحب اس سے اکثر اس زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے ۔''

مؤلف ''حیات حافظ رحمت خاں'' (صفحہ ۱۴) کے بیان سے بھی اس نظریے کی تائید ہوتی ہے :

''حافظ الملک کے گھرانے کی تمام مستورات تعلیم یافتہ تھیں ۔ ان کی زبان کی کیفیت یہ تھی کہ ھندوستانی کے

---

۱ ۔ ''مثنوی پدماوت'' مطبوعہ ممتازالمطابع دھلی صفحہ ۳ ، ۴ ۔

۲ ۔ ''تذکرہ میر حسن'' ۔ طبع جدید ، صفحہ ۱۶۵ ، ۱۶۶ ۔

۳ ۔ ''اخبارالصنادید'' جلد ۱ ، صفحہ ۱۹ے ۔

علاوہ پشتو اور فارسی بلاتکلف بولتی تھیں اور اب سے پچاس سال پہلے تک ضعیف‌العمر نواب زادیاں اپنی گفتگو میں پشتو اور فارسی کے الفاظ ، فقرے اور اشعار بہ کمال حسن و خوبی ادا کرتی تھیں ۔''

زبان کے اس امتزاج کے بارے میں نجم‌الغنی خاں[1] نے بھی اظہار خیال کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

''آج سے سو برس پہلے کی زبان کو جو دیکھا جاتا ہے تو اس میں بہت زیادہ حصہ پشتو کا ہے ، مگر ہندوستانیوں میں تعلقات پیدا کر لینے کے بعد جس طرح کہ نسلیں غیر خالص بن گئیں ، اسی طرح زبان کی صورت بھی اردو سے مل جل کر ایک ایسی زبان ہوگئی جو خاص روہیل کھنڈ کی زبان کہلائے جانے کی مستحق ہے ۔ گھر میں تو زیادہ وقت پشتو ہی زبان میں صرف ہوتا تھا مگر باہر اسی مخلوط[2] زبان سے کام نکالا جاتا تھا ۔''

---

۱ - ''اخبارالصنادید'' جلد ۲ ، صفحہ ۵۰۶ -

۲ - ''جنگ نامہ''(تالیف ۱۲۰۹ھ) معظم عباسی بریلوی مولد رامپوری مسکن کو پروفیسر محمود شیرانی نے اپنی فہرست کتب (موجودہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور) میں ''پشتو نما اردو مثنوی لکھا ہے ۔ اس رائے کی کسی حد تک تائید اشعار ذیل سے ہوتی ہے ۔ چند شعر ملاحظہ ہوں :

فرنگی مرے اس کے ہاتھوں سے سات
کہاں تک لکھوں زخمیوں کی میں بات

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

روھیل کھنڈ کی بول چال دوسرے علاقوں سے متمیز نظر آتی ہے ۔ خصوصاً رام پور میں ایک ھی وقت میں دھلوی اور لکھنوی زبان کی کارفرمائی نظر آئے گی ۔ تذکیر و تانیث میں یہ اختلاف اور بھی واضح ھوجاتا ھے ۔ اس کی وجہ یہ ھے کہ رام پور کی

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ

لگی گولیاں سر میں اُس کے دو آے
شہید ھوگیا ، ھائے وہ زخم کھاے

عمر خاں نے سبزے کو رانوں میں داب
دیا اپنے بھالے کے تئیں پیچ و تاب

کری اُس نے جا کر فرنگی پہ چوٹ
بہت کر دیے آدمی لوٹ پوٹ

جو گولی سے برچھا گیا اُس کا ٹوٹ
انگوٹھا اڑا اور گیا دانت پھوٹ

جو "نجو" نے "سنو" پہ ھلا کیا
فتح نے بڑا اُن کا پلا کیا

برھنہ جو تیغ اُن کے بر دوش تھی
تو موت اُن کی دھشت سے روپوش تھی

فرنگی کی پلٹن کی چھڑتی تھی باڑ
ادھر باڑ تیغوں کی ، یا ان کے ھاڑ

کہ ناگہ اودھر سے گولہ چلا
وہ نجو کی آ پشت و زیں پر لگا

شہید ھو زمیں پر گرا شیر نر
ولایت کا والی ھوا نامور

لگا مارنے واں پہ نواب تیر
تو لڑنے لگے ساتھ کے سب امیر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مقامی بولی پر دہلی کی بول چال کا زیادہ اثر تھا۔ نواب محمد سعید خاں کے عہد (۱۸۴۰ع تا ۱۸۵۵ع) میں لکھنوی شعرا کی آمد شروع ہوئی اور نواب یوسف علی خاں ناظم اور نواب کلب علی خاں نواب کے عہد (۱۸۵۵ع تا ۱۸۸۷ع) میں یہ سلسلہ ترقی پا گیا۔ دہلوی شعرا میں حیا اور داغ تھے۔ ان لکھنوی اور دہلوی اساتذہ کے شاگرد زبان کی تذکیر و تانیث کے بارے میں اپنے اپنے استادوں کی تقلید پر مجبور ہوئے لیکن ۱۸۵۷ع سے پہلے رام پور میں صرف دہلی کا سکہ رائج تھا، اس لیے رام پوری شعرا کی شاعری پر رائے دینے سے پہلے مقامی بول چال کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

سراج الدین علی خاں آرزو، محمد تقی میر اور اسداللہ خاں غالب

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

لگا لڑنے نواب نصراللہ خاں
احمد یار لڑنے لگا سور ماں

معظم عباسی مقامی باشندہ روہیل کھنڈ کا ہے۔ اس مثنوی میں اساتذہ دہلی کی پیروی نہیں کی گئی ہے۔ مقامی بول چال غالب ہے۔ اسی وجہ سے پروفیسر موصوف نے اس کی زبان کو "پشتو نما اردو" کہا ہے۔ ان ہی خامیوں کی طرف قدرت اللہ شوق ("تذکرہ طبقات الشعرا" مخطوطہ مجلس ترقی اردو) نے توجہ دلاتے ہوئے مولوی محمد اکرم اکرم صدیقی کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ وہ "جنگ نامہ" (مابین ضابطہ خاں اور شاہ عالم ۱۱۸۵—۱۱۸۶ھ) نظم کررہا ہے اور روہیلوں کے فرار پر اُن کی بدحواسی اور بزدلی کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھا ہے۔

کہ ہم ہے کا ہندوستانی پٹھان روہیلہ ہمیں خو کرو مت گمان

اکبر آبادی ہوتے ہوئے دہلوی کہلائے ، لیکن قائم اور مصحفی کو اپنے مولد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ چاند پوری اور امروہوی کہلانا باعث تحقیر نہیں ۔ یہ دونوں شاعر اردو کے صف اول کے شاعر ہیں ۔ ان کا سلسلہ آج بھی ان کے ناموں کو روشن کر رہا ہے ۔ یہ دونوں دہلوی اسکول کے متبع تھے اور دو سلسلوں کے بانی کہلائے ۔ ان کا مولد و منشا ہی روہیل کھنڈ کا خطہ تھا اس لیے مقامی بول چال کی جھلک خواہ قائم اور مصحفی کے کلام میں پائی جاتی ہو یا ان کے تلامذہ کے اشعار میں ، اس پر طنز قابل تحسین نہیں ۔ قاسم[1] نے قائم پر الزام لگایا کہ وہ ابتدا میں قصباتی زبان میں شعر کہتا تھا ۔ اس سے قائم کا مرتبہ گھٹتا نہیں ، وہ مسلم الثبوت مانا جاتا ہے ۔ ''ہمن کی پاتی ، سیم تن کی پاتی'' کو قصباتی زبان کہہ لیجیے لیکن ان لفظوں میں رس پایا جاتا ہے ۔ مغربی صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ کی زبان پر پنجابی اور پشتو زبان کا اثر نمایاں نظر آتا ہے ۔ بہ قول پروفیسر محمود شیرانی اردو زبان کے قواعد پنجابی زبان کے مطابق ہیں اور اسی بنا پر موصوف نے برج بھاشا یا ہریانی زبان کو اردو کا ماخذ نہیں قرار دیا بلکہ پنجابی زبان کو اصل ماخذ ٹھہرایا ۔ اس سلسلے میں تفصیلات پیش کرنا طوالت کا باعث ہوگا ۔ ''پنجاب میں اردو'' کی مدلل تردید ابھی تک نہیں کی جا سکی ۔ محترم مولوی امتیاز علی خاں عرشی نے اردو میں پشتو کے الفاظ کی نشان دہی کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ روہیل کھنڈ (صوبۂ یوپی) کے علاقے میں پشتو کے بہت سے الفاظ بولے جاتے ہیں جو دوسرے علاقوں میں اجنبی الفاظ ہیں ۔ ظاہر ہے کہ صوبۂ مغربی یوپی کے باشندوں کی بول چال میں غیر ارادی

---

۱ ۔ دیکھیے ''مجموعہ نغز'' ذکر قائم ۔

طور پر ایسے الفاظ پائے جائیں گے جن کا مفہوم دھلی اور لکھنؤ کے باشندے نہیں سمجھ سکیں گے - اس طرح قائم اور مصحفی اور روھیل کھنڈ کے دوسرے شعرا کی زبان پر اعتراض کرنے والے اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ زبان وسعت پزیر ھوتی ھے - رام پور کی بول چال میں جو پشتو کے الفاظ شامل ھیں ، ان کا اندازہ حسب ذیل الفاظ سے ھو سکے گا :

۱۶ - ''پکار'' پشتو میں کار آمد کو کہتے ھیں - رام پوری مرد اور عورتوں سب میں یہ لفظ مروج ھے اور منفی جملوں میں استعمال ھوتا ھے - کہا جاتا ھے ''فلاں چیز میرے کسی پکار کی نہیں'' یا ''یہ چیز ھے کس پکار کی'' اسی طرح ''ناپکار'' اور ''ناپکارہ'' کہتے ھیں - یہ لفظ فارسی ''بکار'' اور ''نابکار'' کی پشتو شکلیں ھیں - ان میں سے پہلا دکن میں بھی مستعمل ھے - دوسرا صرف رام پور میں بولا جاتا ھے -

۱۷ - خوف یا تھکن سے سانس اکھڑ جائے یا جی گھبرانے لگے تو رام پور میں عورتیں کہتی ھین - ''جی اورے پورے ھوگیا'' یا ''سانس اورے پورے ھوگئی''- یہ اورے پورے بہ واو مجہول بھی پشتو لفظ ھیں مگر یہاں آ کر ان کی صورت بدل گئی ھے - افغانستان میں ''پورِ اور'' بولتے ھیں اور اس کے معنی ھیں بالکل ، پورا ، ادھر سے آدھر تک ، آر ، پار -

۱۸ - ''پوس''- پشتو میں احمق اور نادان کو کہتے ھیں - روھیل کھنڈ میں ''پوسا'' یا ''پوساجی'' سے بھولے بھالے

---

۱ - ''اردو میں پشتو کا حصہ''- مصنفہ امتیاز علی عرشی حاجی خیل صفحہ ۱۳ - (مطبوعات پشتو اکیڈیمی یونیورسٹی آف پشاور) -

اشخاص کو مخاطب کیا جاتا ہے۔

۱۹ - ''نتھ'' یا ''نکیل'' کو پشتو میں ''پیزوان'' کہا جاتا ہے۔ کوئی شخص کسی بات کو برابر دھرائے یا کوئی چیز بار بار مانگے تو رام پور کی عورتیں کہتی ہیں ''تم نے تو اس کو میری ناک کا پیزوان بنا لیا۔''

۲۰ - کنواری لڑکی کو پشتو میں ''پیغلہ'' کہتے ہیں - رام پوری مستورات بھی طنز کے موقع پر کہا کرتی ہیں : ''ہے کیسی پیغلہ'' یا ''دیکھو تو اس پیغلہ کو ، باتیں کیسی بناتی ہے۔''

اسی سلسلے میں عرشی صاحب لکھتے ہیں :

''قدیم اردو پر پشتو کا اثر

''نیز قدیم اردو میں حسب ذیل الفاظ مذکر بولے جاتے تھے، حالاں کہ اب سب کے سب مؤنث مانے جا رہے ہیں : طلب ، مضراب ، محراب ، حدیث ، احتیاج، عقل، غزل . . . جہاں تک میں نے غور کیا ہے ان الفاظ کی سابقہ تذکیر اور موجودہ تانیث کی کوئی ایسی علت خیال میں نہیں آئی جو مسکت ہو ، سوائے اس کے کہ اسے پشتو کا اثر مانا جائے اور اسے ہندی ترادف کا نتیجہ مانا جائے ، یا بعض الفاظ کی حد تک معاملے کو مبہم تصور کیا جائے۔

مختلف فیہ الفاظ

اسی طرح اردو میں بہت سے لفظ ایسے بھی ہیں جن کی تذکیر و تانیث میں دھلی و لکھنؤ کے استاد آج تک

اختلاف رکھتے ہیں اور اس لیے اُن کی دونوں جنسیں تسلیم کر لی گئی ہیں ۔ اُن میں سے یہ لفظ ابھی تک دہلی میں مذکر بولے جاتے ہیں یا غدر سے پہلے تک کے اساتذہ نے انھیں مذکر باندھا ہے :

خراش ، ململ ، سیر ، حد ، دشنام ، ایجاد ، بار ، پرواز ، پیداوار . . . . آخر اس اختلاف کا باعث کیا ہے اور کیوں اس قسم کے بیش تر لفظ دہلی میں مذکر استعمال کیے جاتے ہیں ۔

چونکہ ان لفظوں کو رام پور اور روہیل کھنڈ کے اُن شہروں میں جہاں پٹھانوں کی نسل زیادہ آباد ہے، لوگ زیادہ ترمذکر بولتے ہیں اور پشتو میں بھی یہ مذکر ہی ہیں ، اس لیے میں یہ قیاس کرتا ہوں کہ ان کی تذکیر کی وجہ پشتو کا اثر ہے ۔ چوں کہ مغربی ہندوستان پر افغانوں کا اثر نسبتاً زیادہ رہا ہے ، اس لیے صرف روہیل کھنڈ ہی کی زبان نہیں ، مغربی یوپی اور دہلی کے اضلاع بھی تذکیر و تانیث میں پشتو سے زیادہ متاثر ہیں ۔'' (اردو میں پشتو کا حصہ ، صفحہ ۱۵۶ ، ۱۵۷)

محترم عرشی صاحب کی یہ رائے ایک حد تک حقائق کی ترجمانی کرتی ہے ، لیکن بات اور کھل کر کہنی چاہیے تھی ۔ پنجابی کا اثر بھی نہ صرف دہلی اور نواح دہلی پر پڑا بلکہ مغربی یوپی کا پورا علاقہ اس سے متاثر ہوا ۔ تذکیر اور تانیث اور لہجے کی کرختگی کا اندازہ آج بھی نمایاں نظر آتا ہے ۔

روہیل کھنڈ اور فرخ آباد وغیرہ میں تووارد افغانی اور پنجابی

باشندوں نے اس علاقے کی زبان اور تہذیبی قدروں کو بھی بدل ڈالا ۔ دھلی اور مغربی یوپی میں جو پنجابی خاندان اب سے ڈھائی سو سال پہلے پہنچے تھے اُن کا کردار دوسرے باشندوں سے آج بھی متمیز ہے ۔ وہ ان علاقوں میں آج بھی پنجابی کہلاتے ھیں حالاں کہ کئی پشت سے اُن کی مادری زبان اردو ہوچکی ہے ۔ ایسی صورت میں صرف پشتو زبان کی اثر اندازی کا ذکر کرنا اور پنجابی زبان کو نظر انداز کرنا مناسب نہ تھا ۔ پروفیسر محمود شیرانی کی رائے زیادہ وزن رکھتی ہے ۔ ضرورت اس اس کی ہے کہ پنجابی کے اثرات اردو زبان پر ثابت کرنے کے لیے جدید تحقیق کی روشنی میں کام کیا جائے ۔ اس طرح پشتو، پنجابی اور سندھی سے اردو کے قدیمی رشتے استوار ہوکر مصنوعی دیواریں دور ہو جائیں گی اور ہم دھلی اور لکھنئو کے اختلافی مسائل کو نئی روشنی میں پرکھ کر کسی حقیقت تک پہنچ سکیں گے ۔

نظام رامپوری کے کلام کا مطالعہ بھی اسی روشنی میں کیا جائے تو اختلافی مسائل کی حقیقت واضح ہو جائے گی ۔ نظام دھلوی زبان کا پیرو ہے لیکن کہیں کہیں مقامی بولی کی جھلک بھی اس کے کلام میں نظر آتی ہے ۔ اُس کو اپنا کلام مرتب کرنے کا موقع ملتا تو ان خامیوں کو دور کر کے لکھنوی اور دھلوی اساتذہ کی طرح اپنا منتخب کلام پیش کرتا ۔ اس طرح وہ شہرت میں داغ سے پیچھے نہ رھتا ۔ نظام کو بیار سے تلمذ تھا جو مصحفی اور غفلت (شاگرد شوق) سے مستفید ھوا تھا ۔

شیخ علی بخش بیار نے اپنی غزلوں کو پرسوز اور پردرد بنانے میں میر ، حسرت اور جرأت کے رنگ سے فائدہ اٹھایا اور نئے انداز سے زمزمہ سنجی کی ۔ بیار ، آتش، ناسخ، وزیر، مومن، ذوق اور غالب

کا معاصر ہے ۔ اس کا کلام ایک خاص انداز کا مظہر ہے جس کو نہ کاملاً میر کا رنگ کہا جاسکتا ہے ، نہ حسرت اور جرأت کا ۔ یہ رنگ مقبول عام ہوا ۔ سید نظام شاہ نظام اور سید احمد علی رسا رام پوری نے اس طرز کو نباھنے کی کوشش کی اور دونوں کامیاب ہوئے ۔ نظام اپنی وارفتہ مزاجی کی بدولت مقامی قبولیت عامہ کی سند حاصل کرنے کے بعد مستغنی ہوگئے ۔ نوابان رام پور کے دربار تک ان کا کلام باریاب ہوتا رہا اور وہ اسی پر قناعت کر بیٹھے ۔ اگر رام پور سے قدم باہر نکالتے تو شہرت عام کا تاج ضرور ان کے سر پر ہوتا ۔ متاخرین اساتذۂ لکھنئو اور دہلی کی نظر میں ان کا وقار اس لیے نہ ہوسکا کہ وہ حکومت کی سرپرستی سے محروم رہے اور زبان کے متروکات کے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے ۔ قائم اور میر کی زبان کی جھلک بھی ان کے کلام میں اسی وجہ سے نظر آتی ہے کہ اصلاحات زبان سے روگردانی کی اور اساتذۂ وقت کی اصلاحات کو تسلیم نہیں کیا ۔

نظام کے کلام میں فنی خامیاں بہت ہی کم ہیں ۔ البتہ متروکات جو اس کے کلام میں نظر آتے ہیں ، وہی ہیں جو اساتذۂ رام پور استعمال کرتے رہے¹ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی

---

¹ مندرجہ ذیل اشعار سے اس کا ثبوت ملتا ہے :

رفعت و بیدم (متوفی ۱۲۳۴ھ) :

خیال زلف و رخ میں نت مری اوقات کٹتی ہے
اسی میں دن گزرتا ہے اسی میں رات کٹتی ہے

جفا کر کر وفا کیا چاہتا ہے بے نیازوں سے
جو تو نے ہم سے ویسی کی تو ہم نے بار ایسی کی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

نظر میں قدیم اساتذہ کا کلام تھا ۔ ناسخ کی اصلاحات رام پور

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

ادھم معاصر شوق :

منزل خوبیِ باطن تو پرے ہے ادھم
ظاہراپنے کوتو ناداں،تیں سنوارا ہی نہیں

بے جان شاگرد شوق :

غیر کے ہاتھ ، میں دیکھا ، ترے داماں کے تئیں
چاک کیوں کر نہ کروں ، اپنے گریباں کے تئیں

غفلت متوفی ۱۲۵۹ھ :

لوہو کے چند قطرے پھر آنکھوں میں آ گئے
سمجھا تھا میں کہ زخم مرے دل کا بھر چلا

اسلام سے کسی کو خبر تھی نہ کفر سے
کی شیخ و برہمن نے یہ ملت جدی جدی

طالب متوفی ۱۲۷۵ھ :

میں کہا عشق سے کچھ تم بھی خبر ہو تو کہا
مہر کہتے ہیں کسے ؟ پیار کہاں رہتا ہے ؟

اس شکل جسم زار ہے گریاں کہ جس طرح
رخصت کرے ہے کوئی کسی کے تئیں کہیں

اس سلسلے میں یہ بھی پیش نظر رہے کہ رام پوری شعرا رام پور کے ماحول سے بے نیاز نہ تھے۔ ان کا کلام مقامی جذبات کی عکاسی کرتا ہے ۔ مثلاً کریم اللہ خاں کرم (متوفی ۱۲۵۳ھ) کہتے ہیں :

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

میں اساتذۂ لکھنؤ کے ذریعے پہنچ چکی تھیں، لیکن نظام مشورۂ سخن بیمار (شاگرد غفلت اور مصحفی) سے کرتا تھا اور بیمار تک یہ اصلاحات نہ پہنچی تھیں یا اگر پہنچی ہوں تو اس نے ان کو قبول نہیں کیا تھا ۔ اساتذۂ دھلی میں بھی مومن، شیفتہ وغیرہ کے کلام میں ایسے معائب موجود ھیں جن سے بعد میں اجتناب کیا گیا ۔ مثلاً شیفتہ ''آپ ھی'' کو ''آپھی'' بر زون ''فعان'' اور ''اور'' کو بر وزن ''فع'' استعمال کرتے ھیں ، مثلاً :

یہ کیا کہا کہ بکتے ھو کیوں آپھی آپ تم
اے ھم نشیں مگر وہ مرے رو بہ رو نہیں

تو ھے اور غیر کے گھر جلوہ طرازی کی ھوس
ھم ھیں اور حسرت دیدار ترے کوچے میں

شیفتہ نے کبھی کی جگہ ''کبھو'' استعمال کیا ھے :

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

دل اینٹھ کے اب ھم سے جو تم اینٹھ رھے ھو
یہ بات مری جان مناسب تمھیں کب ھے

ھم سے دامن جھٹک کے بھاگ چلے
خیر ، پھر بھی کبھی تو آنا ھے

طالب کا بیان ھے :

اتنا تو ٹھہریے کہ لگا دوں میں تم کو پان
حقے کے دم تو اور بھی دو چار کھینچیے

خانہ جنگی کا تماشا کوئی مجھ سے پوچھے
عمر گزری ھے مری بستی میں افغانوں کی

نیرنگیوں نے میری یہ حالت تغیر کی
امید زندگی کی کبھو ہے کبھو نہیں

نواب یوسف علی خاں ناظم شاگرد غالب کے کلام میں بھی "لور" بروزن "فع" پایا جاتا ہے - اُن کا پہلا دیوان غالب کا اصلاح شدہ ہے - اس قسم کی خامیاں نظام کے کلام میں بھی پائی جاتی ہیں - وہ امیر اور داغ کے معاصر ضرور ہیں لیکن اس کا انتقال ۱۸۷۲ء میں ہو جاتا ہے اور امیر مینائی اور داغ بہت بعد تک زندہ رہے - رقابت کے جذبے نے دونوں کو مجبور کیا کہ ایک دوسرے سے بڑھ جائے- معائب کی فہرست مرتب ہوئی اور اپنے اپنے شاگردوں کو ھدایت کی کہ ان سے پرہیز کریں - معائب سخن سے بچنے کی توقع نظام سے بعید ہو گی - پھر اُسے دیوان کی ترتیب کا موقع نہیں ملا - جو کلام وہ اپنی زندگی میں مسترد کرچکا تھا وہ بھی مرتبین نے کلیات میں شامل کردیا - اس لیے موجودہ کلیات رطب و یابس پر مشتمل ہے - اس کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے اسی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے - اگر ان کا منتخب دیوان چھاپا جائے تو معاصرین میں وہ متمیز نظر آئے گا - داغ اور امیر معاملہ گوئی اور ادا بندی میں نظام کے متبع نظر آئیں گے - اور تو اور منیر شکوہ آبادی بھی قیام رام پور میں اس کے کلام سے متاثر نظر آتا ہے - دیوان سوم کی ایک غزل کے یہ چند شعر ملاحظہ ہوں :

نقد جاں جلوۂ عارض کے عوض دیتے ہیں
ہم خریدار ہیں او چنپئی سونے والے

حادثے تاکتے ہیں نشۂ آغاز شباب
چور ہیں گھات میں او شام سے سونے والے

جاگ کر رات بسر کرتے ہیں جلسوں میں حضور
خاک پر لیٹ کے مر رہتے ہیں سونے والے
وصل میں بھی کبھی کروٹ نہیں لیتے تقدیر
صبح کر دیتے ہیں منہ پھیر کے سونے والے

یہ جوہر قابل اربابِ علم کی بے خبری کے باعث اور ارباب وطن کی بے توجہی کے باعث روشناس اہل نظر نہ ہو سکا۔ تذکرے اس کے ذکر سے خالی ہیں۔ اگر ایک آدھ سطر کسی نے لکھی ہے تو وہ اس کی بے خبری کو واضح کر رہی ہے۔ نظام کی روشناسی اب تک صرف ایک مطلع اور ایک مقطع پر منحصر تھی۔ کلیات کی طباعت کے بعد ارباب علم و فن سے وہ صحیح معنوں میں نہ صرف روشناس ہوسکے گا بلکہ ان سے خراج تحسین بھی وصول کرے گا۔

عزیزم ڈاکٹر عابد رضا خان بیدار نے اپنے مراسلے میں مخطوطہ نسخوں کی نشان دہی کر کے ترتیب کلیات میں میری امداد کی، اس کا اظہار نہ کرنا نا انصافی ہوگی۔ ایک قطعے کی نقل مہیا کر کے عزیزم اکبر علی خان نے میرا کام مکمل کر دیا۔ محترم جناب سید امتیاز علی تاج صاحب (ستارۂ امتیاز) ناظم مجلس ترقی ادب کی خصوصی توجہ سے ''کلیات نظام'' موجودہ صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

خاندان

محی الدین عبدالقادر جیلانی کا جس طرح سلسلۂ روحانی آج تک برقرار اور وسیع ہے، اسی طرح اُن کی اولاد کا سلسلہ بھی مختلف ملکوں میں پھیلا ۔ رام پور میں اس خاندان کی آمد غالباً فیض اللہ خاں کے عہد میں ہوئی اور دو خاندان آج اس کی نمائندگی کر رہے ہیں ۔ نظام کے جد اعلیٰ سید عبداللہ شاہ[1] علی محمد خان (بانی ریاست روہیل کھنڈ) کے عہد ریاست میں روہیلوں کے ہمراہ پاکستانی قبائلی علاقے سے آئے اور روہیل کھنڈ میں قیام کیا ۔ روہیلوں نے اپنے علاقے کے پیروں کو بھی

---

۱ ۔ سید عبداللہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے ۔ عبداللہ شاہ ابن سید علی قاسم ابن سید علی حیدر ابن سید شمس الدین ابن سید عقیل ابن سید بہاؤالدین ابن سیدعبدالوہاب ابن سیدمحی الدین عبدالقادر جیلانی ۔ یہ شجرہ مولوی حافظ سیدمنظورحسن فوق (شاگرد شوق قدوائی) کا فراہم کردہ ہے ۔ فوق کے دادا سید حبیب شاہ ابن حافظ محمد شاہ نظام کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے ۔ فوق درس نظامی کے فاضل اور حافظ قرآن مجید ہیں۔ اس لیے اُن کا مہیا کردہ شجرہ مستند ہے۔ راز رام پوری نے رسالہ 'آج کل' مارچ ۱۹۵۸ء میں نظام کا جو شجرہ دیا ہے وہ صحیح نہیں ۔ ملاحظہ ہو: سید عبدالقادر خلف سید نور شاہ خلف سید عبداللہ شاہ خلف سید علی حیدر ۔ آگے سلسلہ صحیح ہے ، درمیان میں غلطی ہے ۔ (فائق)

قبائلی علاقے سے بلا کر اس نئی ریاست کی اسلامی شان میں چارچاند لگائے ۔ سید عبداللہ شاہ ، رشد و ہدایت کے فرائض انجام دے کر چل بسے اور ان کے بیٹے سید محمد شاہ باپ کے جانشین ہوئے ۔ جب روہیل کھنڈ کی ریاست تقسیم ہوئی اور فیض‌اللہ خاں کے حصے میں رام پور وغیرہ کا علاقہ آیا تو انھوں نے جواں مردی سے کام لے کر روہیل کھنڈ کے علاقے سے علما ، صلحا ، فقرا اور ماہرین فن کو اپنی چھوٹی سی ریاست میں جمع کر لیا ۔ سید محمد شاہ اسی زمانے میں رام پور آگئے (۱۱۶۷ھ تا صفر ۱۱۸۸ھ—۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) ۔ سید محمد شاہ کے بیٹے سید عبدالقادر نے رام پور ہی میں نشوونما پائی ۔ نواب فیض‌اللہ خاں نے ہر عالم اور صوفی کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا ۔ یہ خاندان بھی ریاست کی امداد سے اپنی معاشی ضروریات پوری کرتا رہا ۔ شاہ عبدالقادر کے دو بیٹے ہوئے ؛ فتح علی شاہ اور چراغ علی شاہ ۔

فتح علی شاہ کے بھی دو بیٹے یادگار رہے ؛ حافظ محمد شاہ اور حافظ احمد شاہ ۔ یہ دونوں بھائی ریاست کے رسالۂ سواراں میں ملازم تھے ۔ رام پور کے بیش تر معزز خاندانوں کے افراد سواروں کے رسالے میں ملازم شمار ہوتے تھے ۔ کبھی کسی سرکاری تقریب میں ان کی طلبی ہو جاتی ورنہ اپنی نام نہاد ملازمت کی تنخواہ پاتے رہتے ۔ مرنے کے بعد یہ ملازمت اولاد کے نام منتقل ہو جاتی اور اگر اولاد نہ ہوتی تو کسی رشتے دار کے نام ۔ پیادہ فوج کے ملازم حقیر شمار ہوتے اور انھیں 'تلنگا' کہا جاتا ۔ فوجی ملازمت بھی پٹھانوں اور سیدوں تک محدود تھی ۔ شیوخ میں ملازمت رئیس کی مہربانی پر منحصر ہوتی ۔ غرض حافظ احمد شاہ متوسط طبقے کی مانند گزر بسر کر رہے تھے ۔ کچھ زرعی زمین بھی

اُن کے قبضے میں تھی ۔

نظام کی ولادت

نظام کی ولادت محلہ ''گھیر سخی'' میں ۱۸۱۹ع کے لگ بھگ ہوئی ۔ زکریا شاہ' نام رکھا گیا اور دوسرا نام نظام شاہ ؛ دوسرے نام سے مشہور ہوئے ۔

ان کے دو بھائیوں اور ایک بہن کا بھی پتا چلتا ہے ؛ سید قاسم شاہ اور سید منور شاہ منور ، ان کی بہن سید محسن علی کو منسوب تھیں (محسن علی کے بیٹے شریف احمد شریف کا ذکر 'انتخاب یادگار' میں ہے)۔ قاسم شاہ کا نام سید منظور حسن فوق کے شجرے میں ہے ۔

تعلیم

بہرحال بسم‌اللہ ہونے کے بعد زمانے کے رواج کے موافق محلے کے مکتب میں بیٹھے۔ ریاست کا سرکاری مدرسہ جامع مسجد میں تھا ۔ (اس سے پہلے ملا حسن کے 'محلے مدرسے' میں تھا ۔) جامع مسجد کا مدرسہ ، جو مدرسۂ عالیہ کے نام سے موسوم تھا ، ان کے گھر کے قریب ہی تھا ، اس لیے ابتدائی کتب درسی اسی مدرسے میں پڑھی ہوں گی ۔ فارسی کی استعداد اچھی تھی ۔ عربی کی تعلیم کس حد تک رہی ؟ اس کا پتا نہیں چلتا ۔ تعلیم سے فارغ ہوئے تو شاعری کا شوق ہوا ۔

---

۱ - ''نگار'' ستمبر ۱۹۵۸ع ، صفحہ ۲۹ ''رام پور کا ماحول شعر و سخن'' از راز یام پوری ۔

آغاز شاعری

یہ زمانہ نواب احمد علی خاں کا تھا جو ذوق شاعری رکھتے تھے اور رند تخلص کرتے تھے ۔ ان کے زمانے میں رام پوری دبستان شاعری عروج پر تھا ۔ قدرت اللہ شوق کے شاگرد کریم اللہ خاں کرم ، اخوند زادہ احمد خاں غفلت ، حافظ الہ داد طالب وغیرہ داد سخن دے رہے تھے ، امرا میں نواب احمد یار خاں افسر (جو قائم اور شوق کے شاگرد تھے) وغیرہ مقامی شعرا کی سرپرستی میں مصروف تھے ۔ نواب کے خاندانی ، گھرگھر مسند ریاست قائم کیے ہوئے تھے اور مقامی ارباب علم کے علاوہ بیرونی اہل علم کی سرپرستی سے بھی دریغ نہ کرتے تھے ۔ نظام اس شعری ماحول سے کس طرح الگ تھلگ رہ سکتے تھے ۔ شعر کہنے لگے ؛ ابتدائی اصلاح کس سے لی ؟ اس کا فیصلہ دشوار ہے ۔ ہاں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابتدا میں اصلاح میاں احمد علی شاہ احمد تخلص اپنے پیر طریقت سے حاصل کی ۔ میاں احمد علی شاہ کسی کے شاگرد نہ تھے (ان کے پیر امام الدین خاں انور بھی اردو اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے مگر کسی سے اصلاح نہ لی) ۔ اردو اور فارسی میں اپنے طور پر شعر کہتے تھے ۔

بیعت

نظام غالباً بیس سال کی عمر میں میاں احمد علی شاہ سے بیعت ہوئے ، یعنی ۱۸۳۹ع میں ؛ یہی زمانہ پیر سے شعر و شاعری میں استفادے کا ہوگا ۔ اس سے پہلے پندرہ سولہ سال کی عمر میں شعر و سخن سے ان کی دل بستگی شروع ہوچکی تھی ۔ وہ مقامی مشاعروں میں حصہ لیتے رہے ۔

بیمار کی شاگردی

اگست ۱۸۴۰ء میں نواب محمد سعید خاں مسند نشین ریاست ہوئے اور اُن کے ساتھ جو بیرونی ادیب اور شاعر آئے وہ بیش تر لکھنوی اور دہلوی تھے ۔ نواب محمد سعید خاں دہلی اور لکھنئو دونوں مقامات پر قیام کر چکے تھے اور اسی وجہ سے بیرونی ارباب علم و فن سے اُن کی شناسائی تھی ۔ ان میں نمایاں تسکین اور بیمار وغیرہ تھے ۔ میر حسین تسکین دہلوی (شاگرد مومن) کی شاعری نیا انداز رکھتی تھی ۔ علی بخش بیمار جو مصحفی اور غفلت رام پوری کے شاگرد تھے ، اُن کا انداز کلام بھی بڑی کشش رکھتا تھا ۔ وہ شوق کے سلسلے میں ہوتے ہوئے جعفر علی حسرت سے متاثر تھے ۔ اُن کا رنگ سخن پسند کیا گیا اور رام پور کے بہت سے نوجوان اُن کے شاگرد ہو گئے ۔ نظام کے پیر میاں احمد علی شاہ احمد[۱] بھی حسرت کے طرز کے دل‌دادہ تھے اس لیے نظام نے بھی بیمار کی شاگردی اختیار کی ۔

ملازمت

رام پور میں رواج تھا کہ جب لڑکا جوان ہوتا تو باپ اپنی جگہ اُسے فوج میں ملازم کرا دیتا اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ

---

۱ ۔ نظام کی نقل کی ہوئی (۱۴ شعبان ۱۲۶۹ھ) کتاب ”ناصر نامہ“ (کتاب خانہ مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ سٹی) تصنیف احمد ہے ۔ احمد علی شاہ کی مثنوی ”گل و صنوبر“ (فارسی) مملوکہ آزاد لائبریری علی گڑھ میں ہے : تصنیف ۱۲۶۳ھ ۔ ان کا انتقال ۱۹ شوال ۱۲۸۱ھ کو ہوا ۔ (معاصر، پٹنہ ، مئی ، جون ۱۹۴۳ء ۔ تذکرۂ کاملان رام‌پور صفحہ ۲۶)

بعض خاندانوں کے ساتھ اس قسم کی مراعات ہوتی تھی کہ جو لڑکا پیدا ہوتا اُس کی اسامی ریاست سے مقرر ہو جاتی تھی ۔ یہ نہ صرف شرفا کی امداد تھی بلکہ ان کے حقوق تھے ۔ اس طرح اولاد جوان ہو کر باپ پر بار نہ ہوتی ۔ ریاست میں ملازم ہونے کے لیے عمر کی قید نہ تھی ۔ پندرہ سولہ سال کا ہونا ملازمت کے لیے کافی سمجھا جاتا ۔ نظام نے بھی سواروں کی ملازمت ۱۸۳۵ع کے لگ بھگ حاصل کر لی اور غالباً بیس سال کی عمر میں ان کی شادی بہ موجب رواج (۱۸۳۹ع) ہوگئی ۔ ایک قصیدے میں جو نواب کلب علی خاں نواب تخلص کی مدح میں مابین ۱۸۶۵ع تا ۱۸۷۲ع لکھا گیا ہے ، نظام نے آٹھ اولادوں کے فوت ہونے کا ذکر کیا ہے اور نویں اولاد کی شیر خواری کا ۔ ان اولادوں کی ولادت کے درمیانی وقفے کو دو دو تین تین سال بتایا ہے ۔ اس سے شادی کے وقت کی عمر متعین ہوجاتی ہے ۔

نواب یوسف علی خاں ولی عہد ریاست سے روابط اور شاگردی

اگست ۱۸۴۰ع میں نواب محمد سعید خاں کے مسند نشین ہونے سے ان کے بھائی بھتیجے بھی باہر سے آ گئے ۔ صرف نواب عبداللہ خاں صدرالصدور میرٹھ دھلی میں مقیم رہے ۔ یوسف علی خاں دھلی کے قیام کے زمانے میں مومن سے تلمذ اختیار کر چکے تھے ۔ جیسا کہ امیر مینائی[1] کا بیان ہے : رام پور آئے تو لکھنئو اور دھلی سے بعض نووارد شعرا سے روابط بڑھے ۔ مقامی باشندوں نے

---

۱ ۔ ''انتخاب یادگار'' صفحہ ۷۰ ، ۷۱ ۔

تجدید تعلقات کی ضرورت سمجھی ، اس لیے نظام بھی ولی عہد کے دربار میں پہنچے - رام پور میں یوسف علی خاں غالباً اپنے استاد بھائی تسکین سے مشورہ کرنے لگے تھے - بیمار سے بھی صحبت رہتی تھی اس لیے نظام اور وہ ہم طرح[1] غزلیں کہنے لگے - ولی عہد ریاست کے محکموں کے سرِبراہ بھی تھے اس لیے ہر ایک کو ان کی ناز برداری ضروری تھی - وہ نظام کی غزل کے سلسلے میں جو رائے دیتے ، نظام بجا اور درست کہتے - اسی بنا پر امیر مینائی نے بہ ایمائے نواب کلب علی خاں والی رام پور یہ لکھا کہ :
نظام ، ناظم کے شاگرد تھے اور بیمار اور میاں احمد علی شاہ احمد سے بھی مشورہ کیا ہے -

---

۱ - صرف ردیف الف کی دس غزلیں ناظم اور نظام کی ہم طرح ہیں - ان میں کہیں کہیں یک رنگی بھی ہے ؛ مثلاً :

ناظم - طول شب ہجر جانتا ہوں
مرنا مجھے لاکھ بار ہوگا

" عیسیٰ کا بھی علاج کئی بار ہو چکا
اچھا غم فراق کا بیمار ہو چکا

" شرم پھر مانع وصال ہوئی
شکوے سے جب وہ شرم سار ہوا

" کیا قیامت کا دن بڑا ہوگا
کچھ شب ہجر سے سوا ہوگا

" پرسش کو اگر ہونٹ تمھارے نہیں ہلتے
کیا قتل کو بھی ہاتھ تمھارا نہیں اٹھتا

" تم نہیں قول و قسم کے سچے
جھوٹ کہتا ہوں ؟ قسم کھائیے گا

نظام نے بیمار کے انداز کو اپنا کر اور بھی گہرا کر دیا ہے۔ ناظم اور نظام کی طرحی غزلوں سے واضح ہوتا ہے کہ نظام اپنے رنگ میں منفرد ہے۔ ناظم کہیں کہیں اس رنگ کے شعر کہہ جاتے ہیں لیکن وہ معنی آفرینی کی فکر میں سوز وگداز کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ نظام ۱۸۵۳ع تک بیمار سے استفادہ کرتے رہے۔ ان کے استفادے کو چودہ سال ہو چکے تھے کہ بیمار نے آخر ۱۸۵۳ع میں انتقال کیا۔ نظام کی مشق سخن پختہ ہو چکی تھی۔ نظام کی شاعرانہ صحبتیں ناظم سے جاری رہیں۔ اگر اس کے بعد کے زمانے کو ناظم کی شاگردی میں شمار کیا جائے تو ناظم کے اس قول کا کیا ہوگا کہ[1] "آج (فروری ۱۸۵۷ع) سے پہلے مصرع موزوں کرنے کا اتفاق نہ ہوا تھا"۔

ہم ناظم کے اس قول کو تعلّی پر مبنی سمجھتے ہوئے صرف اس قدر کہنا چاہتے ہیں کہ نظام نے ناظم کی فرمائش پر غزلیں کہیں اور ان سے داد حاصل کی۔ لیکن رئیس کی استادی کا شرف حاصل کرنے کی جرأت نہ تھی اس لیے شاگردی کو غنیمت سمجھا۔ اسی بنا پر بعض تذکرہ[2] نگاروں نے نظام کو ناظم کا شاگرد شمار کر لیا۔

نظام کی محبت اور شراب نوشی

ایک اہل علم[3] کی روایت ہے کہ نظام شراب پیتے تھے۔ ان کے پیر کو خبر ہوئی، انھوں نے منع کیا، لیکن ان سے نہ

۱۔ "مکاتیب غالب" ۔ مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی، صفحہ ۸۷۔

۲۔ "تذکرۂ نادر" صفحہ ۱۶۶۔

۳۔ مولانا وجیہ الدین احمد خاں رام پوری سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ رام پور، حال سجادہ نشین مزار میاں احمد علی شاہ احمد۔

چھٹی - ایک دن مدھوشی کی حالت میں پیر کی خدمت میں آئے - آپ نے پانی دم کرکے پلایا ، ہوش میں آگئے - دوبارہ پھر پانی دم کرکے دیا ، اس کے بعد پھر شراب نہ پی ، لیکن پاؤں میں لغزش اور آنکھوں میں سرخ ڈورے تمام عمر رہے -

اُن کا یہ بھی کہنا ھے کہ رام پور میں چنو' کانٹھ والی (علاقہ مراد آباد) رھتی تھی - اس سے ان کے تعلقات تھے - بات یہاں تک بڑھی کہ نظام نکاح کرنے لگے - پیر سے اجازت چاھی ، انھوں نے سمجھایا کہ تم سید ھو ، تمھارے لیے یہ مناسب نہیں کہ ایک طوائف سے شادی کرو - نظام نے مختلف پہلوؤں سے بات کو سرسبز کرنا چاھا لیکن پیر نے اجازت نہ دی - آخر بادل نخواستہ نظام کو اس محبت سے دست بردار ھونا پڑا - کہتے ھیں کہ اس طوائف سے تعلق کے سلسلے میں نواب یوسف علی خاں نے بھی اعتراض کیا تھا کہ نظام ! تم ایک طوائف کے گھر جاتے ھو ! نظام نے کہا ''ھاں ، سرکار کی شاعری کے لیے سب اسباب مہیا ھیں - میں نے اپنی شاعری کے لیے طوائف کا انتخاب کیا ھے -'' چنو طوائف نظام سے مایوس ھوکر کسی زمیندار کے گھر

---

۱ - چنو نامی طوائف بنت سبا گویے کی بیٹی بھی گزری ھے جس کا ذکر جان صاحب نے ''مسدس بے نظیر'' میں کیا ھے :

سبا سے ڈیرے دار کی ھیں دونوں بیٹیاں
تعریف ممی ، چنو کی کیا کیجیے بیاں
قابل ھیں یہ رئیسوں کی صحبت کے رنڈیاں
جیسی ھے اللہ رکھی ، زمانے کو ھے عیاں
اپنے مزاج تینوں امیرانہ رکھتی ھیں
'اندر' کی طرح گھر کو پری خانہ رکھتی ھیں

میں بیٹھ گئی اور شریفانہ زندگی گزار دی ۔

نظام کی شاعری کے سلسلے میں چنو طوائف نظر انداز نہیں کی جا سکتی ۔

معاشی حالت

نظام سواروں میں کیا مشاہرہ پاتے تھے اور کیا عہدہ تھا ؟ اس کی تصدیق کے لیے دستاویزی شہادت سامنے نہیں ۔ مؤلف 'اخبار الصنادید'، نے نواب کلب علی خاں کے عہد کے فوجی نظام کے سلسلے میں لکھا ہے :

> نواب صاحب کا باڈی گارڈ ایک عمدہ ترپ سواروں کا تھا . . . علاوہ اس ترپ کے ایک ترپ سو سواروں کا مختلف خدمات کے لیے تھا اور چار ترپ (جن میں فی ترپ سو سوار تھے) کا معمولی رسالہ تھا ۔ اس رسالے کو فتح جنگ کہتے تھے ۔ یہ رسالے 'تلوار' اور 'کابین' سے مسلح تھے ۔ باڈی گارڈ میں سپاہی کے بیس روپے اور دفعدار کے چوبیس روپے اور جمعدار کے چالیس روپے اور رسال دار کے ڈیڑھ سو روپے ماہوار مقرر تھے ۔ باقی سواروں کی تنخواہ ، سپاہی کی اٹھارہ روپے ، دفعدار کی چوبیس روپے اور جمعدار کی چالیس روپے اور رسال دار کی پچھتر روپے ماہوار مقرر تھی ۔ (اخبارالصنادید ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۹۴)

نظام سواروں میں دفعدار یا زیادہ سے زیادہ جمعدار ہوں گے اس لیے کہ جو قصائد انھوں نے ممدوحین کی تعریف میں لکھے ہیں اُن میں اپنی زبوں حالی کا رونا رویا ہے ۔ کلب علی خاں کی تعریف

میں وہ قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے :

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے آٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیے مسکرا کے ہاتھ

اس میں اپنی حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں اور بیداد اجل کی شکایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

فرزند جو ہوا مرا دو تین سال کا
ہاتھوں ہی ہاتھوں لے لیا اُس کو بڑھا کے ہاتھ
آٹھوں کے رنج ایسے سہے ہیں کہ کیا کہوں
کوٹا ہے پھروں سینے کو کوبہ بنا کے ہاتھ
ایسے پڑے ہیں صرف تولد کے موت کے
رہنے کا بھی مکان بکا میرزا کے ہاتھ
کچھ گاؤں کے بسے تھے وہ پہلے ہی بک گئے
خالی بھی ہوگیا زر قیمت آٹھا کے ہاتھ
اب ایک ہے کہ دودھ میسر نہیں اسے
کہتا ہے کچھ اشاروں سے ہر دم آٹھا کے ہاتھ

ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظام کے بچے دو دو تین تین سال کے ہوکر مرتے رہے اور ہر بچے کی ولادت اور وفات کے سلسلے میں اسے زیر بار ہونا پڑا ۔ یہاں تک کہ گاؤں کے بسے بیچے، رہنے کا مکان میرزا کے ہاتھ فروخت کیا ۔ اب نویں بچے کو دودھ میسر نہیں ۔ یہ حالت ان کی ماہانہ آمدنی کا نقشہ کھینچ رہی ہے ۔ اُن کی قدیمی تنخواہ دس روپے ماہانہ تھی ۔ اضافے کے بعد بھی انھیں تیس روپے سے زیادہ نہ ملتے تھے ۔ نوابان رام پور مقامی ارباب فن کو زبانی نوازتے تھے ، لیکن پیٹ سے بھوکا رکھتے تھے ۔ اس کی بے شمار مثالیں رام پور کی تاریخ میں ملتی ہیں ۔ نظام

کی رسائی دربار تک ضرور رہی لیکن جیب خالی رہی ۔ دھلی اور لکھنؤ کے شعرا بیش قرار درماھے پاتے رہے اور نظام سواروں کی ملازمت پر قناعت کرنے پر مجبور کیے گئے ۔ ان کے حقیقی بھائی منور شاہ¹ بھی سواروں میں نوکر تھے ۔ اس طرح پیشۂ آبا سپاہ گری سمجھ کر مطمئن تھے ۔ جس طرح وطن کی محبت نے ذوق کو دلی کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا تھا ، وھی جذبہ نظام کے بھی مانع رھا ۔ یہ تھی نظام کی رسائی اور قسمت کی نارسائی ۔

ان کو نواب کی جانب سے ایک² اسامی سوار کی عطا ھوئی ۔ گھوڑے کی خریداری کے لیے رقم نہ تھی جس کے لیے مہاراج بسنت رائے سے انھیں استدعا کرنی پڑی ۔ ملاحظہ ھو قطعۂ مدحیہ ۔

ممدوحین

کلیات میں نواب یوسف علی خاں ناظم اور نواب کلب علی خاں نواب کی مدح میں قصائد پائے جاتے ھیں ۔ اس کے سوا

---

۱ ۔ ''انتخاب یادگار'' صفحہ ۳۵۴ ۔

۲ ۔ محمد علی خاں اثر ''مسدس بے نظیر''(صفحہ ۹۵) میں جان صاحب کے حالات کے ذیل میں آن کے نواسے محمد حسین کا بیان نقل کرتے ھیں ۔ جان صاحب کی تنخواہ تو تیس روپے ماھانہ تھی تھے اور ھر مرتبہ نواب خلد آشیاں جان صاحب کو یاد فرمایا کرتے لیکن ھر مہینے میں ایک دو اشرفیاں بطور انعام عطا فرماتے تھے؛ اور پرورش کی صرف یہی صورت نہ تھی بلکہ اس کا اظہار مختلف صورتوں میں ھوتا رھتا تھا ۔ یعنی ھر سال چار چہرے یعنی چار فوجی اسامیاں جان صاحب کو دی جاتی تھیں تاکہ معقول رقم لے کر یہ اسامیاں جن اشخاص کو چاھیں دے دیں ، ان کو چہرہ کہتے تھے ۔ یہ چہرہ کم سے کم ایک ۴۰ روپے کو فروخت ھوتا تھا ۔

محمد عثمان خاں مدارالمہام، اصغر علی خاں اور مہاراج بسنت رائے اور کرشن کمار وقار کو پیش کی ہوئی منظوم عرض داشتیں ملتی ہیں :
''محمد عثمان خاں سے استدعا ہے کہ میری قدیمی تنخواہ دس روپے ہے؛ اب سرکار نے اسامی اسپ دی ہے تو مجھے گھوڑا خریدنا ہے ، خزانچی سے تین سو پچاس روپے قرض لینا چاہتا ہوں ، اس رقم کا جو سود ہوگا وہ بھی ادا کروں گا ؛ وہ معین ہونا چاہیے لیکن خزانچی کو اصرار ہے کہ میں تین سو پچاس روپے کا سود پہلے اصل رقم میں سے وضع کر لوں ۔ پھر میرا پختہ مکان بہ طور ضمانت لکھا رہا ہے ۔ آپ اس کا بندوبست کردیں ۔'' چودھری خزانچی کو کہا ہے جو ریاست کی تنخواہیں ادا کرتا تھا اور ملازمین کو قرض بھی دیتا تھا ۔ خزانے کی یہ دوکان بازار مسٹن گنج میں تھی ، اس لیے یہ مسئلہ واضح ہوجاتا ہے کہ نظام کی تنخواہ قدیمی دس روپے تھی اور اس کے بعد جو ''اسامی اسپ'' نواب کلب علی خاں (۱۸۶۵ء تا ۱۸۸۷ء) نظام کو پرورشاً دی گئی ، اس کی تنخواہ پندرہ روپے پانے لگے ہوں گے ۔ اس وقت تک ان کا پختہ مکان باقی تھا اور فروخت نہ ہوا تھا ۔ اصغر علی خاں سے اپنے بیٹے کی تقریب شادی کے لیے قرض مانگا ہے ۔ نظام کا جوان بیٹا کوئی نہ تھا ۔ نہ کسی بیٹی کا پتا چلتا ہے ۔ ہاں دو دو تین تین سال کے بچے جو مرتے رہے ہیں ، ان میں کسی کی تقریب ختنہ وغیرہ ہوگی ۔ نظام کے پیر ۱۸۶۵ء میں وفات پاچکے تھے اور سجادہ نشینی ان کو مل چکی تھی ۔ اس عرض داشت میں اس کا ذکر بھی ہے ۔ اس لیے یہ منظوم عرض داشت ۱۸۶۵ء کے بعد کی ہے ۔ عرض داشت میں جس اصغرعلی خاں کا ذکر ہے ، وہ صاحبزادہ علی اصغر خاں جنرل

---

۱ ۔ اخبار الصنادید ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۹۷ ۔

متوفی ۱۸۷۸ ع افواج ریاست رام‌پور ہیں جن کی تنخواہ چار سو روپے ماہانہ تھی اور سب سے زیادہ تھی ۔ غالباً ضرورت شعری کے تحت علی اصغر خاں کی جگہ اصغر علی خاں[1] نام باندھا ہے ۔ اخبار الصنادید میں بھی ان کا نام اصغر علی خاں لکھ کر وضاحت کی گئی ہے ۔

مہاراج بسنت رائے سے کمیت رنگ کا گھوڑا مانگتے ہیں اور کہتے ہیں جو گھوڑے کا چندہ ہے (قیمت غالباً تین سو پچاس روپے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) وہ مجھ سے لے لیجیے اور گھوڑا مجھے دے دیجیے ۔'' معلوم ہوتا ہے کہ محمد عثمان خاں مدارالمہام خزانچی سے قرض کا معاملہ طے نہ کرا سکے تھے اور نظام کو دوسری اسامی اسپ کے لیے گھوڑے کی زیادہ ضرورت تھی اس لیے مہاراج بسنت رائے سے گھوڑا طلب کیا اور کہہ دیا کہ منہ مانگی قیمت نہ دے سکوں گا ، صرف ''چندۂ اسپ'' لے لیجیے ۔

ان قصائد اور منظوم عرض داشتوں سے نظام کی مالی پریشانی کا اندازہ ہوتا ہے ۔ نظام کا پورا کلام فراہم نہ ہو سکا ۔ جو کاغذات گھر سے برآمد ہوئے ان سے ایک دیوان مرتب ہو گیا ، لیکن یہ پورا مجموعہ نہیں ہے اس لیے ممدوحین ان کے سوا اور بھی ہوں گے ۔

بیوی سے ناچاقی

معاشی حالات کی ابتری خانگی زندگی پر اثر انداز ہوئی اور ان کی بیوی ناراض ہوکر میکے چلی گئی ، اس لیے نظام نے زندگی کے آخری ایام (۱۸۷۲ ، ۱۸۷۰ ع) اضطراب اور بے چینی میں گزارے ۔ ان کی آخری اولاد نے جس کا نام قیصر شاہ تھا ،

---

۱ ۔ اصغر علی خاں خلف دوم علی بخش خاں تحصیل دار حضور تحصیل رام پور بھی نظام کے معاصر ہیں لیکن یہ نظام کے ممدوح نہ تھے ۔

اپنے نانا کے یہاں پرورش پائی اور نظام آنکھوں کے نور کو ترس گئے۔

وفات

۲۵- شعبان ۱۲۸۹ھ (۲۹- اکتوبر ۱۸۷۲ع) کو یہ نامور شاعر جو بہ قول غالب رام پور کا میر تھا ، اس جہان فانی سے رخصت ہوا اور اپنے پیر و مرشد میاں احمد علی شاہ احمد کے پائین مزار آسودۂ خاک ہوا۔

تصنیف

مرنے کے بعد نواب کلب علی خان والی رام پور نے اُن کے مکان پر جو مسودات تھے ، منگوا لیے اور اُن مسودات سے ایک دیوان مرتب کرایا گیا ، جو رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ اس پر امیر مینائی کے قلم کے نوٹ بھی ہیں۔

اولاد

سید قیصر شاہ ان کا ایک فرزند یادگار رہا جو انتقال کے وقت تین سال کا تھا۔

معاصرین

رام پوری شعرا کے علاوہ جو بیرونی اساتذہ رام پور میں تھے اُن کے نام ذیل میں دیے جاتے ہیں :

منشی ،ظفر علی اسیر ، میر امداد علی بحر ، سید اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی ، امیر احمد امیر مینائی ، سید ضامن علی جلال لکھنوی ، منشی احمد حسن عروج ، میر مہدی علی زکی بلگرامی ، شیخ مہدی علی ذکی مراد آبادی ، شہزادہ رحیم الدین حیا شاگرد شاہ نصیر ، نواب مرزا خان داغ دھلوی۔

ان شعرا سے نظام کس حد تک متاثر ہوئے اور انہیں کہاں تک متاثر کیا ؟ اس کا ثبوت کلیات نظام دیتا ہے ۔ لکھنوی شعرا کو داغ نے متاثر کیا یا تسکین دہلوی اور شیخ علی بخش بیمار اور ان کے شاگردوں نے ؟ اس موضوع پر تفصیلی طور پر لکھنے کی ضرورت ہے اور اس وقت فیصلہ کن رائے دی جا سکتی ہے ۔

شاگردان نظام

۱ ۔ بشیر تخلص محمد بشیر خان کا ہے ۔ یہ مولوی جمال شاہ خان نبیرۂ ملا ملوک (شاگرد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) کے فرزند تھے ۔ پڑھے لکھے نہ تھے ؛ فطری موزونیت تھی ، شاعری کا شوق ہوا تو نظام کے شاگرد ہوئے ۔ اُن کے مرنے پر داغ دہلوی کے تلامذہ میں داخل ہوگئے اور داغ کے ہمراہ حیدرآباد میں قیام کر لیا ۔ بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں انتقال کیا ۔ داغ کے ممتاز شاگردوں میں قرار پائے لیکن نظام کے بھی ذی اعتبار شاگرد کی حیثیت سے ''انتخاب یادگار'' میں ان کا ذکر ملتا ہے ۔ ۱۲۹۰ھ میں تیس سال کے تھے ۔ یہ شعر انتخاب یادگار سے لیے گئے ہیں :

اس بت کا عشق میری ہی قسمت میں تھا اگر
پتھر کا دل بھی کیوں نہ دیا اے خدا مجھے

———

آج کیا حال ہے ہم سے تو چھپاؤ نہ بشیر
دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہوئے کیوں دل آئے

(انتخاب یادگار ، صفحہ ۶۳)

۲ - بہار تخلص چھبیلے لال' نام ، خلف حکیم ملوک چندکو امیر مینائی نے شاگرد نظام کا بتایا ہے - ۱۲۹۰ھ میں ۴۵ سال عمر تھی - یہ کلام ہے :

آرائش اُس کی دیکھوں تو کیا حال ہو مرا
بگڑی ادا نے اُس کی تو وحشی بنا دیا

———

دل عاشق کے لینے کے لیے کیا کیا نہیں اُن میں
ادا ہے ، ناز ہے ، غمزہ ہے ، شوخی ہے ، شرارت ہے
(انتخاب یادگار ، صفحہ ۷۵)

۳ - تمیز تخلص ہے غلام احمد کا ، جو نو مسلم تھے اور اصلی نام اُن کا رام دیال تھا - بہ قول مؤلف تذکرۂ کاملان رام پور ، ابتدائے شباب میں شعر گوئی کا شوق ہوا . . . . میاں نظام شاہ سے شاگردی کا برائے نام تعلق تھا - بیس برس کی عمر میں میاں نظام شاہ کے همراہ جا کر اُن کے پیر میاں احمد علی شاہ احمد کے ھاتھ پر اسلام قبول کیا - کئی حج بھی کیے - ریاست حیدر آباد میں کچھ عرصہ ملازمت بھی کی - میاں نظام کے بعد داغ سے مشورۂ سخن رہا - کلام غیر مطبوعہ موجود ہے - ۱۳۱۷ھ میں انتقال کیا اور اپنے پیر کے پائین مزار دفن ہوئے -

———

۱ - رسالہ ''آجکل'' مارچ ۱۹۵۸ ع میں راز رام پوری کا مضمون نظام کے سوانح حیات پر شائع ہوا ہے اس میں نام ''چنبیلی لال'' غلط ہے - (فائق)

لوگ کس طرح سے کرتے ہیں خدا کو راضی
مجھ سے تو اک بت کافر بھی منایا نہ گیا
گالیاں کھانے کا لپکا بھی برا ہوتا ہے
ہم نے کل آپ سے چھیڑا جو خفا یار نہ تھا

(تذکرۂ کاملان رام پور ، صفحہ ۲۸۱ - انتخاب یادگار ، صفحہ ۹۸)

۴ - ساکت تخلص ہے مولوی ابوالحسن امروہوی کا - بہ قول مؤلف خمخانۂ جاوید ، ساکت عربی ، فارسی دونوں زبانوں میں دست گاہ رکھتے تھے - فارسی اساتذۂ رام پور اور عربی اپنے چچا حکیم سید محمد حسین سے حاصل کی تھی - فن سخن میں حضرت نظام رام پوری کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور استاد کا انداز بیان اختیار کرنے میں ان کو کامیابی حاصل تھی - غزل گوئی میں یکتا تھے ، میر کرامت علی خلش اجمیری ، مولوی غلام نبی شاعر ، ابتدا میں آپ ہی کے شاگرد تھے - میر جواد حسین شمیم امروہوی بھی انھی کے شاگرد تھے - ۱۸۹۵ع میں وفات پائی - یہ کلام کا انداز ہے -

وہ یہ کہتے ہیں کہ تو کیا اور تری تقریر کیا
میں یہ کس منہ سے کہوں کرتے ہو یہ تقریر کیا

غیر جب بزم میں مختار بنے بیٹھے ہیں
آپ کس بات پہ سرکار بنے بیٹھے ہیں

وہ اس انداز سے آئے شب وعدہ مرے گھر پر
چمن میں جیسے آتی ہے بہار آہستہ آہستہ

(خمخانۂ جاوید ، جلد ۴ ، صفحہ ۳۴ تا ۳۵)

۵ - سوزتخلص حمیدہ شاہ نام ، نظام کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے ، ۱۲۹۰ھ میں بتیس برس کی عمر تھی - امیر مینائی نے ان کو سید منصور علی علی کا شاگرد لکھا ہے - نظام اس کے تذکرے کی تالیف سے ایک سال پہلے فوت ہوچکے تھے ، اس لیے امیر نے نظام کی شاگردی کا ذکر نہیں کیا - میری رائے میں ابتدائے شباب سے سوز نے شعر گوئی میں حصہ لیا اور نظام سے اصلاح لی - نظام کے مرنے کے بعد سید منصور علی ، علی تخلص سے اصلاح لینے لگے - یہ کلام کا نمونہ ہے :

اک نشانی کا رہوں ممنون میں
میرے سینے سے نہ اپنا تیر کھینچ

چشم مے گوں کسی کی یاد آئی
اب نہ دے ساقیا شراب مجھے

۶ - صفدر تخلص نام صفدر علی خاں ، صاحب زادہ غلام عباس خاں کے بیٹے اور نواب احمد یار خاں افسر کے پوتے تھے - امیر مینائی کہتے ہیں کہ پہلے امداد حسین فیروز مراد آبادی سے مشورہ کیا ، پھر نظام کو کلام دکھایا - ان کے انتقال کے بعد سید احمد علی رسا رام پوری سے تلمذ اختیار کیا - ۱۲۹۰ھ میں تیس سال کے تھے - دو شعر ملاحظہ ہوں :

مجھ سے پہلو تہی جو کرتے ہیں
یہ بھی اک طرز دل ربائی ہے

صراحی ہے گل گوں بغل میں ہاتھ میں ساغر
خرام ناز کرتا ، ساقی مستانہ آتا ہے

(انتخاب یادگار ، صفحہ ۲۰۳)

۷ - عاصی تخلص ، مبارک علی خاں نام ، نواب محمد سعید خاں والی رام پور کے بیٹے تھے - شاعری میں پہلے مرزا محسن علی خاں عرف آغا حجو ہندی تخلص سے مشورہ کیا ، پھر نظام کے شاگرد ہوئے - ۱۲۹۰ھ میں اکیس سال کے تھے - امیر مینائی ذہن کی رسائی کے مقر ہیں - یہ کلام ان کا ہے :

یوں بھی کوئی مکرتا ہے لے کر کسی کا دل
میری طرف تو او ستم ایجاد دیکھنا

ایسے مر جانے پہ عاصی کیجے سو جانیں فدا
کر کے بسمل مجھ کو وہ محو تماشا ہوگئے

(انتخاب یادگار ، صفحہ ۲۱۵)

۸ - مکدر تخلص احمد نواز خاں نام ، محمد حمید خاں کے بیٹے تھے - بقول امیر مینائی میاں نظام شاہ مرحوم کے شاگرد اور ۱۲۹۰ھ میں ۳۲ سالہ تھے - دو شعر پیش ہیں :

کیا جانیے کیا ہو ترے بیمار کی حالت
گزرے جو اسی طور سے دو چار پہر آج

جھپکے اٹھی آنکھ کبھی اضطراب میں
جاگیں مرے نصیب جو آئیں وہ خواب میں

(انتخاب یادگار ، صفحہ ۳۴۷)

۹ - منور تخلص ، نام منور شاہ ، نظام کے حقیقی چھوٹے بھائی

تھے اور نظام سے شاعری میں اصلاح لیتے تھے۔ امیر مینائی لکھتے ہیں :

"۲۸ برس کی عمر ، سید نظام شاہ اپنے بڑے بھائی کی شاگردی سے نامور ہیں - سرکار دولت مدار میں بہ زمرۂ سواران نوکر ہیں ، جس قدر کلام اپنا انھوں نے دیا اُس میں سے منتخب کرکے درج تذکرہ کیا گیا :

یہ راز دوستوں سے بھی کہنا نہ تھا مجھے
دشمن سے اُن کا شکوہ کیا ، میں نے کیا کیا
خود بینی اُن کو اور منور ہوئی فزوں
آئینہ آپ لا کے دیا میں نے کیا کیا

(انتخاب یادگار ، صفحہ ۳۵۴ ، ۳۵۵)

۱۰ - یعقوب تخلص اور محمد یعقوب نام ، شیخ لطف اللہ کے بیٹے اور نظام کے شاگرد تھے۔ بقول امیر مینائی نظام سے چند روز اصلاح لی ہے - بائیس برس کی عمر ہے - یہ ان کا کلام ہے :

ستم ہے وہ ہنس ہنس کے یوں پوچھتے ہیں
یہ کس کی تجھے تیغ ابرو نے مارا

اُس بت کو میرے حال پہ آیا کبھی نہ رحم
اللہ میری آہ میں کچھ بھی اثر نہیں ؟

(انتخاب یادگار ، صفحہ ۴۰۱)

نظام دوسروں کی نظر میں

نظام کا مختصراً ذکر حسب ذیل تذکروں میں ملتا ہے :

"سخن شعرا" صفحہ ۵۲۹

"نظام تخلص ، نظام شاہ رامپوری" :

وہ ہی سب باتیں ہوئیں کیوں ہم نہ کہتے تھے نظام
مل کے اس عیار سے بدنام تو ہو جائے گا

''تذکرۂ نادر'' مصنفہ میرزا کلب حسین خاں نادر شاگرد ناسخ مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب ص ۱۶۶۔

''نظام ۔ میاں نظام ساکن رام پور شاگرد نواب ناظم بہادر ۔'' تذکرۂ طور کلیم از سید نورالحسن خان صفحہ ۱۱۷ تالیف ۱۲۹۸ھ

''نظام ۔ نظام شاہ رام پوری جز ایں قدر ازو اطلاع بہم نہ رسید''

انداز اپنا آئنے میں دیکھتے ہیں وہ
اور یہ بھی دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

''قطعۂ منتخب'' میں نساخ نے نظام کا ذکر صرف اس قدر کیا ہے؟

نظام تخلص نظام شاہ باشندۂ رام پور (بریلی)

سبھی دیکھا کیے قطرہ نہ دیا ایک کو بھی
رات پیتے رہے ہم اور بت بے پیر شراب
شمع کی رال ٹپکتی تھی کبھی جام کو دیکھ
مانگتا تھا کبھی منہ کھول کے گل گیر شراب

(''قطعۂ منتخب'' صفحہ ۳۰ ، ۳۱)

نیاز فتح پوری نے نظام کے متعلق اگست ۱۹۲۴ع میں ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے ۔ اُن کی رائے نظام کی شاعری کے بارے میں یہ ہے :

میاں نظام شاہ کے رنگ کے متعلق عام طور پر یہی مشہور ہے کہ وہ ''ادا بندی'' کے بڑے مشاق تھے ؛ چناں چہ وہ خود بھی کہتے ہیں :

حالیہ شعر سن کے مرے کہتے ہیں نظام
اب فن شاعری میں تجھے بھی کمال ہے

حالیہ شاعری سے اُن کی مراد غالباً معاملہ بندی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اُن پر بھی رنگ غالب تھا ۔ وصل و ہجر کی کیفیات ، معشوقانہ اداؤں کا بیان ، محبوب کی کج ادائیاں، اغیار کے ساتھ اُس کی وفاداریاں وغیرہ ، یہ وہ مباحث ہیں جن پر عام طور سے معاملہ بندی کے تحت میں خامہ فرسائی کی جاتی ہے اور ان کے ہاں بھی یہ بہ کثرت نظر آتے ہیں ۔ چناں چہ اسی لیے اُنھیں سوز و جرأت کا مقلد کہا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک مصوری کے لحاظ سے یہ بعض مقامات پر جرأت سے بھی بڑھ جاتے ہیں اور جذبات نگاری کی حیثیت سے تو ان کا رتبہ اس قدر بلند ہے کہ وہاں تک جرأت کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا ۔

معاملہ بند شعرا کے ہاں سب سے زیادہ عریاں مضامین 'وصل و متعلقات وصل' کے ہوا کرتے ہیں اور میاں نظام نے بھی بعض جگہ بہت عریانی سے کام لیا ہے ، مثلاً :

ایسے کو شب وصل لگائے کوئی کیا ہاتھ
ہر بار جھٹک کر جو کہے ٹوٹے ترا ہاتھ
اُس دست نگاریں کو ذرا میں نے چھوا تھا
کس ناز سے کہنے لگے ، اُف چھوڑ ، گیا ہاتھ

لیکن اس نوع کے اشعار اُن کے ہاں اس قدر کم ہیں کہ مشکل سے سارے دیوان میں ۳۰ ، ۴۰ سے زائد نہ مل سکیں گے ۔ اس میں شک نہیں کہ یہ رنگ بھی ایک حد تک پایۂ تہذیب سے گرا ہوا ہے اور ذوق سلیم پر ایسے اشعار کا سننا بار ہوتا ہے لیکن نہ اُس قدر کہ اُسے صنعت (آرٹ) کی حدود سے علاحدہ سمجھا جائے مگر جن شعرا کو اس قدر غلو ہوجاتا ہے ، آخرکار وہ ''مبتذل نگاری'' پر اتر آتے ہیں اور اُن کا شعار صرف بیہودہ گوئی ہو جاتا ہے ، جرأت کے ہاں ایسی مثالیں بہت ملیں گی لیکن

نظام کے ہاں شاید دو تین ہی شعر ایسے نظر آئیں گے ، مثلاً :

نظام آتی ہے اُس منہ سے کیا دم بوسہ
وہ کچھ تو پان کی بو اور کچھ شراب کی بو

میاں نظام کے ہاں عنصر غالب ان اشعار کا ہے جنھیں 'ادا نگاری' اور 'معاملہ بندی' کے تحت میں داخل کرسکتے ہیں ۔ ادانگاری سے میری مراد وہ اشعار ہیں جن میں معشوق کی مختلف اداؤں اور اُس کی دل ربا کیفیات کا ذکر کیا جائے ، مثلاً :

بگڑ کر وہ اُس کا ادھر دیکھنا
ستم وہ بھی پھر ، اک نظر دیکھنا

———

انداز اپنا دیکھتے ہیں آئنے میں وہ
اور یہ بھی دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

معاملہ بندی کے تحت میں وہ تمام اشعار آسکتے ہیں جن میں حسن‌وعشق کی وہ تمام واردات و معاملات ، مقالات و مطائبات ، طنزیات و ضحکیات جن کا تعلق جذبات عالیہ سے نہیں ہے ، نہایت سادگی سے بیان کر دیے جائیں اور اُس کی انتہائی صنعت (آرٹ) یہ ہے کہ اُس وقت یا حالت کی تصویر یا کیفیت نگاہوں کے سامنے آ جائے ۔ محاکات عام ہے جو ادانگاری اور معاملہ بندی دونوں کو شامل ہے اور اسی کو حالیہ شاعری سے خود نظام نے تعبیر کیا ہے ۔ اس قسم کے اشعار بھی نظام کے ہاں بہت ملتے ہیں اور بعض بعض تو اس قدر لطیف و پاکیزہ ہیں کہ ذوق سلیم وجد میں آ جاتا ہے ، مثلاً :

خدا جانے مجھ کو دکھائے گا کیا
یہ چھپ چھپ کے اپنا ادھر دیکھنا

تمھیں یہ بھی کبھی خیال آیا
کہ کوئی راہ دیکھتا ہوگا
یوں دیکھ کے مجھ کو مسکرانا
پھر تم کو میں بے خبر کہوں گا
یوں تو روٹھے ھیں مگر لوگوں سے
پوچھتے حال ھیں اکثر میرا

نظام کے دیوان کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر ایک شخص اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا کہ یہ کسی بہترین شاعر کا کلام ھے تو کم از کم یہ ضرور تسلیم کرنا پڑتا ھے کہ نظام محبت کی نفسیات کا بڑا جاننے والا ھے اور اس کے قلم سے وھی بات نکلی ھے جو معاملات محبت میں کبھی نہ کبھی اس پر پیش آئی ھے۔"

("نگار" اگست ۱۹۲۳ع ، صفحات ۱۱ تا ۲۳)

پروفیسر عبدالشکور نظام اور داغ کا موازنۂ کلام کرتے ھوئے تحریر کرتے ھیں :

(الف) یہ امر بڑا دلچسپ ھے کہ ان تصاویر اور داغ کی تصاویر میں مماثلت اور ھم رنگی پائی جاتی ھے ۔ داغ اور نظام کا عشق اپنے کردار کے لحاظ سے یکساں ھے اور دونوں بت عیار اور شوخ و شنگ ، کافر ادا کو اپنی توجہات کا مرکز بناتے ھیں ؛ دونوں کا زمانہ اور ماحول ایک ھے اس لیے کہ دونوں کی تصاویر میں یکساں شوخ اور تیز رنگ پائے جاتے ھیں ۔ شاید داغ کے ھاں رنگ کی یہ تیزی اور شوخی بڑھ چڑھ کر اور زیادہ بانکی ، ترچھی اور تیکھی ھو گئی ھے ۔۔ داغ کے ھاں فن کی صناعی نے اس رنگ کو اور زیادہ نکھار دیا ھے اور زیادہ آب دار اور تابندہ بنا دیا ھے ۔ مگر یہ امر قابل غور ھے کہ داغ کے ھاں فن کی آبداری اور تابندگی

(جس قدر) زیادہ ہے اسی قدر آن کے جذبات میں تصنع اور آورد پیدا ہوگئی ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ صداقت جذبات کے ساتھ فن کی سادگی اور بھولاپن ضروری ہیں اور یہ سادگی اور بھولا پن نظام کے ہاں داغ سے زیادہ ہے۔

(ب) نظام کا رنگ سخن قدیم ہے لیکن وہ رنگ جدید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنے والے متغزلین کی رہنمائی کرتے ہیں ؛ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ جدید اور قدیم رنگ کے درمیان ایک دل‌آویز سمجھوتا ہیں اور وہ اس موڑ پر کھڑے ہیں جہاں قدیم رنگ کے نقوش کے ساتھ جدید رنگ کے چھاپے آبھرنا شروع ہوگئے تھے۔ ان کے کلام میں موجودہ انداز شاعری کے مقام سے، آنے والے دور کی شاعری کا رنگ ڈھنگ صاف نظر آتا ہے۔''

("نظام رام پوری" مطبوعہ هند کمرشل
پرنٹنگ پریس رام پور)

راز رام‌پوری ناقدین کی رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی رائے لکھتے ہیں :

''میں نہیں سجھ سکا کہ جب نیاز صاحب نظام کو ادا بندی کے معاملے میں جرأت سے بہتر سمجھتے ہیں اور نظام کے ہاں وہ ابتذال نہیں پاتے، جس تک جرأت اکثر غیر سنجیدہ ہوکر پہنچ جاتے ہیں اور جذبات نگاری کے لحاظ سے جب نظام کا درجہ اتنا بلند ہے کہ وہاں تک جرأت کا خیال نہیں پہنچ سکتا اور جب نظام کے دیوان میں ایسے اشعار بھی موجود ہیں جن پر میر کے کلام کا دھوکا ہو تو انھوں نے یہ لفظ کیوں کر لکھ دیے کہ :

دیوان کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر ایک شخص اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا کہ ... میر کو خدائے سخن کہا جاتا ہے اس کے مرتبے کے اشعار ہر شاعر کے بہترین ہونے کی دلیل ہیں۔

جرأت سے بلند اور بعض اوقات میر سے ملتا ہوا، یہ ہوا بقول نیاز صاحب کے نظام کے کلام کا درجہ۔ پھر بھی وہ ایک بہترین شاعر نہ کہے جا سکے۔ آخر وہ کون سی کسوٹی ہے جس پر ایک بہترین شاعر کے کلام کو پرکھا جاتا ہے اور جب یہ بھی حقیقت ہو کہ بہ قول بزرگان معتبر، ستر اور دو بہتر آپ انھیں خنجر کہیں یا نشتر، کل ساز و سامان خدائے سخن ہو۔ عبدالشکور صاحب نے حقیقت تک پہنچنے کی زیادہ اچھی کوشش کی ہے لیکن چند ایسے مسامحات اُن کے سامنے بھی آگئے ہیں جن میں پھنس کے اُن کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ:

وہ سامنے سر منزل چراغ جلتے ہیں
جواب پاؤں نہ دیتے تو میں کہاں ہوتا

اور سب سے بڑا حجاب جو موصوف کی نظر کے سامنے آیا، داغ کی ہندوستان گیر شخصیت کے دباؤ کا موٹا تازہ حجاب تھا۔ انھوں نے داغ اور نظام کو ہم عصر مانا ہے، حال آں کہ داغ اور نظام کی ہم‌عصری بالکل ایسی ہم‌عصری ہے جیسے استاد ذوق اور شاہ نصیر کی ہم عصری کیوں کہ جس وقت داغ پانچ چھ برس کے بچے ہوں گے اس وقت نظام کی شاعری شروع ہو چکی ہوگی۔ ملاحظہ ہو نظام کی پیدائش ۱۸۲۳ء اور داغ کی پیدائش ۱۸۳۱ء، پورے آٹھ سال کا فرق۔ اس حساب سے جب داغ نے شعر کہنا شروع کیے ہوں گے تو نظام فارغ الاصلاح اور صاحب طرز ہو چکے ہوں گے۔ اسی طرح داغ کے انتقال کی تاریخ ۹ ذی‌الحجہ ۱۳۲۲ھ ہے اور نظام کے انتقال کی تاریخ ۲۵ شعبان ۱۲۸۹ھ، گویا نظام کا انتقال داغ

سے تقریباً سوا پینتیس سال پہلے ہوا ہے۔ . . اگر عبدالشکور صاحب اس پر سنجیدگی سے غور کرتے تو وہ اپنے موازنے میں یہ لفظ نہ لکھتے کہ دونوں کا زمانہ اور ماحول ایک ہے - اب رہی ماحول کی یکسانیت تو داغ اور نظام کے ذاتی ماحول میں تو اختلاف کی لمبی چوڑی خلیج ہے - نظام صوفی منش پیر کے دل‌دادہ اور سادہ رکھ رکھاؤ کے آدمی تھے اور داغ . . . شاعرانہ ماحول کی یکسانیت ضرور پائی جاتی ہے لیکن اس کی ابتدا یہ ہے کہ داغ بچپن سے نظام کے ماحول میں آئے - رام پور میں داغ کی بےقاعدہ یعنی غیر سرکاری (نان آفیشل) آمد و رفت ۱۸۲۰ع سے شروع ہوتی ہے جب کہ نظام سترہ برس کے تھے - (۱۸۲۰ع اور ۱۸۲۳ع میں اتنا ہی فرق ہے) گویا شعر کہتے تھے - داغ کی فارسی تعلیم کا سلسلہ بھی رام پور میں ہوا - ۱۸۵۶ع کے لگ بھگ داغ رام پور سے وظیفہ ملازمت بھی پانے لگے - آمد و رفت بھی جاری رہی - بالآخر ۱۸۶۶ع میں باقاعدہ طور سے گئے - داغ نے درسیات کی باقاعدہ تکمیل بھی رام پور میں مولوی ولی محمد خاں بسمل سے کی ہے - گویا داغ کے دونوں رام پوری استاد شاعر تھے لیکن بدقسمتی سے انھیں تلمذ کے بعد استاد ذوق کے اسکول کی شاعری ورثے میں ملی اور وہ کچھ اس طرح کے شعر کہنے لگے :

جو ہو سکتا ہے اس سے وہ کسی سے ہو نہیں سکتا
مگر دیکھو تو کچھ بھی آدمی سے ہو نہیں سکتا

بل بے گداز عشق کہ پیکان دل نشیں
اک اشک بن کے دیدۂ تر سے نکل گیا

پہلے شعر کا شعری ماحول اور دوسرے شعر کا '' بل بے '' صاف چغلی کھا رہے ہیں کہ دونوں شعر استاد ذوق سے متاثر ہیں اور اس پر سب متفق ہیں کہ رام پور آکر اُن کی شاعری کا رنگ بدلا -

اگر موصوف کی نظر اس طرف جاتی تو وہ کبھی یہ نہ لکھتے کہ داغ کی زبان میں لوچ اور صفائی زیادہ ہے۔ اور نہ وہ یہ الفاظ لکھتے کہ داغ کے ہاں فن کی صناعی نے اس رنگ کو اور زیادہ نکھار دیا ہے یا یہ کہ داغ کی تصویروں میں آب‌داری اور تابندگی زیادہ ہے۔"

(نظام کے ناقدین از راز رام پوری، صفحات ۳۷، ۳۸، رسالہ آج کل دھلی مئی ۱۹۵۸ع)

مذکورہ بالا آرا کی موجودگی میں یہ بہ‌آسانی کہا جاسکتا ہے کہ نظام اپنے معاصرین میں منفرد حیثیت کا مالک ہے اور جو رنگ داغ کو معاصرین سے ممتاز کر گیا ہے، اُس کا بانی نظام رام پوری ہے۔ نظام کے کلام پر موجودہ نقاد بہتر روشنی ڈال سکیں گے اور اُسی وقت اُس کا صحیح مقام متعین ہوسکے گا۔

کلب علی خاں فائق، ۲۰- جولائی ۱۹۶۵ع
مجلس ترقی ادب لاہور

غزلیات

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

ردیف الف

(۱)

اگر خود نما وہ خود آرا نہ ہوتا
یہ نیرنگ قدرت ہویدا نہ ہوتا

نہ ملنے پر اس کے تو مرتے ہیں لاکھوں
جو ملتا تو کوئی بھی جیتا نہ ہوتا

سمجھتا محبت کے قابل جو ہم کو
وہ نا آشنا آج اتنا نہ ہوتا

تشخص ہے باعث جدائی کا ورنہ
یہ قطرہ ہم آغوش دریا نہ ہوتا

دوئی مانع وصل ہے وائے قسمت
وگرنہ مرے اس کے پردا نہ ہوتا

کیا قہر وعدے نے، ورنہ شب ہجر
مجھے غم تو ہوتا پر اتنا نہ ہوتا

احبا تو تدبیر کرتے بلا سے
میسر مجھے وصل ہوتا نہ ہوتا

کوئی اُس کو نا آشنا تو نہ کہتا
کسی کا جو ہوتا ، کسی کا نہ ہوتا

ہزاروں سے وعدے ہیں ، لیکن غلط سب
جو ملتا تو اب تک وہ تنہا نہ ہوتا

شب وصل ہوتا سبب کوئی ایسا
کہ آ کر یہاں اُس کا جانا نہ ہوتا

نظام اُس کے وعدے کو سچ جانتے ہو
جو آتا تو یہ وقت آیا نہ ہوتا

(۲)

تم سے کچھ کہنے کو تھا ، بھول گیا
ہائے کیا بات تھی ، کیا بھول گیا

بھولی بھولی جو وہ صورت دیکھی
شکوۂ جور و جفا بھول گیا

دل میں بیٹھا ہے یہ خوف اُس بت کا
ہاتھ اُٹھتے کہ دعا بھول گیا

خوش ہوں اس وعدہ فراموشی سے
اُس نے ہنس کر تو کہا ، بھول گیا

حال دل سنتے تھے کس لطف سے ، ہائے
کچھ کہا ، کچھ جو رہا ، بھول گیا

واں کس امید پہ پھر جائے کوئی
اے دل اُس بات کو کیا بھول گیا

ہوش میں آ کے سنا کچھ قاصد
یاد کیا ہے تجھے کیا بھول گیا

عہد کیا تھا مجھے کچھ یاد نہیں
تو بھی گر بھول گیا، بھول گیا
میں ادھر بھول گیا رنجِ فراق
وہ اُدھر عذرِ جفا بھول گیا
یاد میں ایک صنم کی ناصح
میں تو سب کچھ بہ خدا بھول گیا
خیر مجھ پر تو جو گزری گزری
شکر، وہ طرزِ وفا بھول گیا
یاد اُس کی ہے مری زیست نظام
موت آئی جو ذرا بھول گیا

(۳)

یاں کسے غم ہے جو گریے نے اثر چھوڑ دیا
ہم نے تو شغل بھی اے دیدۂ تر چھوڑ دیا
دلِ بےتاب کا کچھ دھیان نہ آیا اُس دم
ہائے کیوں ہم نے اُسے وقتِ سحر چھوڑ دیا
کیا ستائے نہیں جاتے ہیں ولیکن چپ ہیں
شکوہ کرنا ترا، اے رشکِ قمر چھوڑ دیا
دمِ رخصت بھی کبھی دل کی تمنّا نہ کہی
دامنِ یار ادھر پکڑا، اُدھر چھوڑ دیا
دل کی اُلفت نہ سہی، پیار کی باتیں نہ سہی
دیکھنا بھی تو ادھر ایک نظر چھوڑ دیا
غیر کے دھوکے میں خط لے کے مرا قاصد سے
پڑھنے کو پڑھ تو لیا، نام مگر چھوڑ دیا

غیر سے وعدہ و اقرار ہوئے کیا کیا کچھ
میرے خوش کرنے کو اک فقرہ ادھر چھوڑ دیا
میں نہ کہتا تھا کہ بہکائیں گے تم کو دشمن
تم نے کس واسطے آنا مرے گھر چھوڑ دیا
منہ سے جو کہتے ہیں، وہ کر کے دکھا دیں گے تمہیں
بے قراری نے ہمیں چین پہ گر چھوڑ دیا
حور بھی سامنے اب آئے تو کب دیکھیں **نظام**
برسیں گزریں ہمیں، وہ شوقِ نظر چھوڑ دیا

(۴)

دلا خیال نہ کر اس سے آشنائی کا
اٹھا سکے گا نہ صدمہ شب جدائی کا
الٰہی اور تو سب کچھ دے تو جسے چاہے
وہ بت ملے مجھے، صدقہ تری خدائی کا
تمام رات تڑپتے فراق میں گزری
غضب ہی ہوتا ہے صدمہ شب جدائی کا
میں ایسے لطف سے گزرا وہ ایک بات تو تھی
تمہاری صلح نے کھویا مزا لڑائی کا
ترے ہی دام میں ہے لطف زندگی صیاد
میں پھر جیوں بھی جو تو نام لے رہائی کا
جو دل میں آئے کسی کے وہ کچھ کہے مجھ کو
مجھے تو ناز ہے اس در پہ جبہہ سائی کا
بگڑ بگڑ کے وہ اک اک کی سو سو کہہ جانا
عجب مزا ہے کسی شوخ سے لڑائی کا

۷

وفا کسی سے نہ کر ، ہے یہی وفا داری
گلہ نہیں ہمیں پھر تیری بے وفائی کا

وہ وصل میں بھی جدا ہی پڑے رہے روٹھے
رسائی پر بھی یہ عالم ہے نارسائی کا

جو ہو بگاڑ کسی سے تو کچھ دنوں تو ہو
ملاپ روز کا شیوہ ہے کج ادائی کا

نظام اُن کی تو عادت کبھی ستم کی نہ تھی
خیال آ گیا ، کیا اُلفت آزمائی کا

(۵)

دل لگے ہجر میں کیوں کر میرا
دل ترا سا نہیں پتّھر میرا

یوں تو روٹھے ہیں ، مگر لوگوں سے
پوچھتے حال ہیں ، اکثر میرا

راہ نکلے گی نہ کب تک کوئی
تری دیوار ہے اور سر میرا

کہتے ہیں آہ کی دیکھی تاثیر
نہ ہوا وصل میسّر میرا

یہ تو کہہ کون سی تدبیر نہ کی
نہ ہوا تو ہی ستم گر میرا

کیا سنوں اے دل بدظن تیری
دوست ہے تو وہ مقرّر میرا

لطف رنجش کے دکھاتا تم کو
کیا کہوں بس نہیں دل پر میرا

آنھیں ملنا نہیں مجھ سے منظور
کس کی تقصیر ، مقدر میرا
پوچھنا کیا ہے چلیں ، جائیں آپ
زور چلتا نہیں تم پر میرا
غیر کا حال ہے کہنا منظور
کہتے ہیں ذکر ملا کر میرا
رشک دشمن کا گلہ کرتا ہوں
ہے قصور اس میں ، سراسر میرا
خواہش دل کہیں بر آئے نظام
دل کئی دن سے ہے مضطر میرا

(٦)

کیوں کرتے ہو وعدہ جو وفا ہو نہیں سکتا
یہ بات تو کہنے کی ہے ، کیا ہو نہیں سکتا
پھر کیوں نہ ستاؤ مجھے یہ جانتے ہو تم
تم سے میں کسی طرح خفا ہو نہیں سکتا
معلوم مجھی کو ہیں ، جفائیں تری ظالم
مجھ سا کوئی پابند وفا ، ہو نہیں سکتا
ملنے سے ترے صبر ہوا ہوگا کسی کو
ہم نے تو بہت صبر کیا ، ہو نہیں سکتا
جب اپنی خوشی ہوگی جبھی آئیں گے یاں آپ
وعدہ وہ کیا ہے جو وفا ہو نہیں سکتا
کیا بس میں کسی کے ہو ، جو تم آ نہیں سکتے
یوں چاہیں اگر آپ تو کیا ہو نہیں سکتا

ہر ایک کو یاں دعوے ہیں کیا کیا مرے آگے
واں ایک سے بھی ذکر مرا ہو نہیں سکتا

کہہ دیتے ہو تم آنے کو اور کیوں نہیں آتے
منظور نہیں آپ کو، یا ہو نہیں سکتا

بے تاب و تحمل مجھے کہتے ہیں وہ ناحق
جو حق شکایت ہے، ادا ہو نہیں سکتا

کہتے ہو کہ ہو سکتا ہے انسان سے سب کچھ
گر چھوڑدوں ملنا میں تر، ہو نہیں سکتا؟

یاں اپنی وہ باتیں ہیں کہ پہروں بھی نہ ٹھہرلیں
ملنا وہاں اک دم کے سوا ہو نہیں سکتا

اقرار بھی کچھ کرتے ہو انکار بھی کچھ ہے
ہو سکتا ہے کیا آپ سے، کیا ہو نہیں سکتا

حیران سے رہ جاتے ہیں ہم سامنے اُس کے
ہم سے تو نظام اُس سے گلا ہو نہیں سکتا

(۷)

ایسا تو کسی پر تمھیں غصّا نہیں آتا
ہاں سچ ہے مجھے بات کا کہنا نہیں آتا

ہم پوچھتے کیا کیا ہیں جو آتا ہے وہاں سے
واں نام کو بھی ذکر ہمارا نہیں آتا

یاں اُس کے لیے لب پہ ہے دم آن کے ٹھہرا
اب دیکھیے آتا بھی ہے وہ یا نہیں آتا

ہر بات میں اب تم کو بہت پاس عدو ہے
بس اور مجھے اس سے زیادا نہیں آتا

ناحق کے گماں ہیں مجھے ہر ایک طرف سے
واں ذکر بھی پوچھو تو کسی کا نہیں آتا

جب کہتے ہیں وہ آپ کا کیا مجھ سے ہے مطلب
اس وقت مرے دل میں ہے کیا کیا نہیں آتا

شاید کہ ادھر آ کے کوئی لوٹ گیا ہے
بے تابی سے یوں منہ کو کلیجا نہیں آتا

یہ حال ہے اب اس سا ستم گر کہے مجھ کو
دل آتا ہے انساں کا پر ایسا نہیں آتا

گر مجھ کو نظام آپ سا استاد نہ ملتا
اشعار کا کہنا مجھے اصلا نہیں آتا

(۸)

اک فائدہ تو جھوٹے ترے پیار نے کیا
صد شکر مجھ سے رشک تو اغیار نے کیا

بے دیکھے اُن کے ، واں سے پھر آیا ہزار حیف
کس درجہ تنگ مجھ کو دل زار نے کیا

بے جا گلہ عدو کا شکایت فلک کی کیا
جو کچھ کیا سو اس سے ستم گار نے کیا

کیسا ہی کچھ مرض ہو علاج اس کا ہوسکے
ناچار ہم کو عشق کے آزار نے کیا

دونوں جہاں سے کھو کے نہ اپنا کیا مجھے
اللہ کیا ستم بت عیّار نے کیا

منہ لاکھ سوئے قبلہ کیا سب نے وقت مرگ
تیری ہی سمت منہ ترے بیمار نے کیا

مطلق ہمارے حال سے واقف نہ تھا کوئی
رسوا تو ہم کو ، اپنے ہی اظہار نے کیا
گو نا اُمید تھے مگر آرام جی کو تھا
بے تاب ہم کو آپ کے اقرار نے کیا
ملنا ہمارا اُس سے نہ چاہا کسی نے بھی
جو غیر نے کیا ، وہی غم خوار نے کیا
تم اپنے خواب سے گئے ، ہم اپنے لطف سے
سارا خلل یہ آپ کی تکرار نے کیا
شکوہ کسی کا کیجیے کس واسطے نظامؔ
جو کچھ بھی ہم پہ ظلم کیا یار نے کیا

(۹)

یہ اپنا حال کیا ایسا انتظار کیا
یہ کیا کیا ترے کہنے پہ اعتبار کیا
کیے جو وعدہ خلافی کے شکوے تو اُس نے
وہ باتیں کیں کہ مجھے پھر اُمیدوار کیا
تمہارے ہجر میں ایذا نہ ہوتی ہوگی کچھ
ہمیں بھی ایک کہ ہم کو نحیف و زار کیا
میں دور تک دمِ رخصت بھی دیکھتا تو اُسے
یہ تو نے مجھ پہ ستم چشمِ اشکبار کیا
وہ کسمسا کے شبِ وصل اُس کا کہنا ، ہائے
لے اب تو چھوڑ مجھے تو نے خوب پیار کیا
یہ دشمنی ہے کہ اُس سے بھی وہ بگڑ بیٹھے
خرابیوں سے جو دشمن کو دوست دار کیا

وصال میں دل مضطر کا حال کیا ہوگا
امید وعدہ نے جب ایسا بے قرار کیا

ہم اب کے آپ کے وعدے کو کیسے سچ جانیں
خلاف قول کے تم نے ہزار بار کیا

سنایا حال عبث اور وہ رکیں گے اب
یہ کیا کیا انھیں کیوں ہم نے شرم سار کیا

ہمیں نے آپ بگاڑا جتا جتا کر پیار
سہی یہ ظلم کہ اس کو ستم شعار کیا

یہ[۱] لطف ہے کہ جو وعدہ خلاف ان کو کہوں
تو ہنس کے کہتے ہیں کیوں تو نے اعتبار کیا

یہ کیا بلا ہے کہ کل جس سے توبہ کی تھی نظام
پھر آج ہم نے وہی کام اختیار کیا

(۱۰)

اس کوچے سے اب میں تو اچھا نہیں اٹھتا
کیا اٹھوں، قدم یاں سے تو اصلا نہیں اٹھتا

کیا میری ہی تقصیر ہے، میں کیا نہیں اٹھتا
جو آ کے ترے کوچے میں بیٹھا، نہیں اٹھتا

گر دل شکنی کا مری ہوتا نہ انھیں قصد
تو آج مرے دردِ دل اتنا نہیں اٹھتا

---

(۱) مرتب (قدرت) کو یہ شعر بعد میں دست یاب ہوا تھا۔ صفحہ ۲۶۶ "کلیات نظام" (مطبوعہ) پر درج تھا شامل متن غزل نمبر ۸ کیا گیا — فائق

آتا ہے قضا کو تو چلی آئے کسی دن
ہر دم کا تو یہ ہم سے تقاضا نہیں اٹھتا

اک دم میں نہ ہو جاتا کبھی ایسا مرا حال
بالیں سے جو وہ رشکِ مسیحا نہیں اٹھتا

خو ہوتی بری بھی ہے پر اتنی نہیں اچھی
کچھ ظلم بھی اٹھتا ہے، پر اتنا نہیں اٹھتا

آنے کو ادھر پاؤں نہ اٹھتے تو نہ اٹھتے
کیا قتل کو بھی ہاتھ تمھارا نہیں اٹھتا

یوں اوڑھے لپیٹے رہو، پر منہ تو دکھاؤ
اب وصل میں بھی شرم کا پردا نہیں اٹھتا

انسان ہوں پتھر کا کلیجا نہیں میرا
اتنا تو ستم اے ستم آرا نہیں اٹھتا

خاموش ہوا جاتا ہوں، گردن نہ جھکاؤ
منہ کیوں دمِ اظہارِ تمنّا نہیں اٹھتا

ایسا نہ کہا کیجیے کچھ مجھ کو گماں ہو
سب کچھ سہی اک رشک کا صدما نہیں اٹھتا

چونکائے سے اس کا وہ شبِ وصل نہ اٹھنا
بھلا کے یہ کہنا نہیں اٹھتا نہیں اٹھتا

عادت ہے تکلّف سے ہوئی شرم و حیا کی
سوتے میں بھی منہ پر سے دوپٹا نہیں اٹھتا

کیا حال مرا پوچھتے ہو کچھ تو سبب ہے
گھبرا کے میں اس بزم سے ایسا نہیں اٹھتا

منظور نظام ان کو مری دل شکنی ہے
گو دردِ دل اٹھتا ہے پر اتنا نہیں اٹھتا

(۱۱)

بگڑ کر وہ اُس کا ادھر دیکھنا
ستم وہ بھی پھر اک نظر دیکھنا
ادھر وہ چرا کر نظر دیکھنا
وہ پھر مسکرا کر اُدھر دیکھنا
جگایا تھا کس نے سحر تک تمھیں
یہ کس کی خطا ہے ادھر دیکھنا
وہ چل چل کے رکنا کسی کا غضب
وہ پھر پھر کے اپنی کمر دیکھنا
کچھ ایسی نہ کہنا کہ بگڑیں وہ اور
خدا کے لیے نامہ بر دیکھنا
کبھی تو ہماری بھی ہوگی خوشی
کبھی جذب دل کا اثر دیکھنا
کسی پر نہ ظاہر ہو احوال دل
نہ آنسو گرے چشم تر دیکھنا
وہ یوں مسکرا کر نہ منہ پھیرتے
نہ منظور ہوتا اگر دیکھنا
بناتا شب و روز وہ بگڑے بال
وہ آئینہ دو دو پہر دیکھنا
خدا جانے یہ (کیا ؟) کیا دکھائے مجھے
یہ چھپ چھپ کے اپنا ادھر دیکھنا
رسائی تو معلوم ''ہم دم'' وہاں
یہ سچ ہے ہمیں بھی مگر دیکھنا

پھر آنا تو معلوم اُس بات سے
ذرا پھر تو منہ پھیر کر دیکھنا
شب ہجر میں یاد کچھ کر کے آہ
فلک کی طرف تا سحر دیکھنا
سزا ہو مجھے کس قدر دیکھیے
خفا آپ ہیں کس قدر دیکھنا
چھٹا اور سب کچھ تو ہم سے **نظام**
نہ چھوٹا حسینوں کا پر دیکھنا

(۱۲)

کیا درد میرے دل کا خدایا نہ جائے گا
اُس بت کو تجھ سے راہ پہ لایا نہ جائے گا
یوں آپ تو کہوں گا نہ رنجش کا ماجرا
پوچھو، گے تم تو مجھ سے چھپایا نہ جائے گا
باعث نہ پوچھ ، وہم کی باتوں کا ذکر کیا
اب ہم سے تیرے پاس تو آیا نہ جائے گا
جو اپنا مدّعا ہے بر آنا تو اک طرف
ہم سے زبان پر بھی تو لایا نہ جائے گا
قاصد یہ بات اور ہے وہ بات اور تھی
یہ شک تو میرے دل سے مٹایا نہ جائے گا
گر اپنی یہ حیا ہے تو کیا ہو گا لطف وصل
اُس کے بدن کو ہاتھ لگایا نہ جائے گا
بس اس قدر بھی وصل میں اچھا نہیں ہے پیار
صدمہ شبِ قلق کا اُٹھایا نہ جائے گا

میں نے بھی صاف صاف ہی لکھا ہے نامہ بر
یہ خط مرا عدو کو دکھایا نہ جائے گا

حیلے عبث ہیں ، جاؤ جہاں چاہو ، شوق سے
یہ سچ ہے تم سے سچ تو بتایا نہ جائے گا

لائق بیان ہی کے نہیں میرا حال دل
گو تم سنو بھی مجھ سے سنایا نہ جائے گا

سچ ہے نظام یاد بھی اس کو نہ ہوں گے ہم
ہم کیا کریں وہ ہم سے بھلایا نہ جائے گا

(۱۳)

کیوں کرتے ہو اعتبار میرا
معلوم ہے تم کو پیار میرا

یہ خیر ہے آج کچھ تو کہیے
کیوں ذکر ہے بار بار میرا

اک بات میں فیصلہ ہے تم سے
رنجیدہ ہے دل ہزار میرا

تیرا نہیں اعتبار مجھ کو
تو بھی نہ کر اعتبار میرا

مجھ کو نہ ہو رشک ، غیر ممکن
تو اور ہو دوست دار میرا ؟

شاید کہ نہ ہو تم اپنے بس کے
دل پر تو ہے اختیار میرا

کیا کچھ نہ کرے گا مجھ کو رسوا
یہ دیدۂ اشک بار میرا

کچھ سمجھے ہوئے ہیں اپنے دل میں
سنتے نہیں حال زار میرا
دشمن بھی کریں گے آ کے سجدے
اس در پہ ہوا مزار میرا
وہ ہائے بگڑ کے اس کا جانا
رونا وہیں زار زار میرا
کل تک تو نظامؔ یہ نہ تھا حال
دل آج ہے بے قرار میرا

(۱۴)

غیر کا حال گر سنا ہوگا
ذکر میرا بھی آ گیا ہوگا
مر ہی جائیں گے آپ کے غم میں
اور اس سے زیادہ کیا ہوگا
ہم کو تو وصل کی امید نہیں
کیا کبھی یوں بھی اے خدا ہوگا
تیرا ملنا تو ایک آفت ہے
غیر کا حال کیا ہوا ہوگا
یہی رنجش، یہی جفا ہوگی
تجھ سے ظالم بس اور کیا ہوگا
آج کیوں پوچھتے ہو حال مرا
کچھ تو اس سے بھی مدعا ہوگا
کی شکایت تو بولے ہاں سچ ہے
صبر کر صبر، اور کیا ہوگا

دم رخصت یہ دل کی بے تابی
کوئی ارمان رہ گیا ہوگا

یہ تو کچھ بات ہی نہیں قاصد
کچھ تو اُس شوخ نے کہا ہوگا

ہم یہ کہہ سکتے ہیں نہ آپ کہیں
گر نہ بولو گے تم تو کیا ہوگا

اب کے قول و قسم بھی دیکھیں گے
پہلا وعدہ تو کیا وفا ہوگا

آپ پھر آئیں گے یہاں کس روز
ایسا وہ روز کون سا ہوگا

میرے نالوں کو سن کے کہتے ہیں
دل یہاں ایسا موم کا ہوگا

وصل ہے اب تو ہے یہ رشک مجھے
غیر سے بھی یوں ہی ملا ہوگا

غیر کی مہر اور میری وفا
آپ کا جی ہی جانتا ہوگا

توبہ ہو یا ہو اتّقا واعظ
کچھ نہ ہوگا جو سامنا ہوگا

تمھیں یہ بھی کبھی خیال آیا
کہ کوئی راہ دیکھتا ہوگا

کیوں نہ چپ ہی پڑے رہیں آخر
نالہ فرقت میں ہم سے کیا ہوگا

آہ ہوگی تو بے اثر ہوگی
نالہ ہوگا تو نارسا ہوگا

کیا دعا روز حشر کی مانگیں
وہاں پر بھی یہی خدا ہوگا
کہیے تو کیا ابھی یہ کہتے تھے
ہاں یہ کچھ ذکر اور کا ہوگا
آپ ہی آپ ایسے روئے نظام
دل میں کچھ دھیان آ گیا ہوگا

(۱۵)

وہ نہیں آتا گر نہیں آتا
جاکے کیوں نامہ بر نہیں آتا
آپ سے ایسی بے وفائی ہو
یہ یقیں آپ پر نہیں آتا
یاد آتا ہے اس کا جب آنا
ہوش دو دو پہر نہیں آتا
ہائے گر ایسا جانتا ، تو کبھی
تجھ سے میں روٹھ کر نہیں آتا
جو مرے دیکھنے کو آتا ہے
پھر وہ بار دگر نہیں آتا
تم سے کہنے کو ہوں کچھ اپنا حال
دل سے لب تک مگر نہیں آتا
یا خدا تجھ سے اور کیا چاہوں
ایک مطلب تو بر نہیں آتا
کچھ کا کچھ حال ہوگیا ہوتا
اور دم بھر اگر نہیں آتا

نہ سہی لطف کچھ کہیں تو وہ
غصّہ بھی اس قدر نہیں آتا

سچ ہے میرا قصور ہے ، سچ ہے
تم سے تو کوئی بر نہیں آتا

دیکھیے کیا ہو حال دل وہ نظام
کئی دن سے نظر نہیں آتا

(۱۶)

بس تم سے ترک[۱] صحبت اغیار ہوچکا
ایسا معاملہ تو کئی بار ہوچکا

کچھ وہ بھی جان لیں تو ہے خوبی نصیب کی
مجھ سے تو اپنا حال دل ، اظہار ہوچکا

ایذائیں ایسی ایسی سہی ہیں کہ کیا کہوں
کہتے ہیں آج تو ترا بیمار ہوچکا

اب ایسی باتیں چاہئیں اوروں سے آپ کو
میں دام میں تمھارے گرفتار ہوچکا

میں کس لیے شکایت ربط عدو کروں
عادت سے تیری اب تو خبردار ہوچکا

وعدے سے تیرے کیسے تسلی ہو پھر مجھے
میں جانتا ہوں تجھ سے یہ عیّار ہوچکا

۱- "ترک تم سے" مطبوعہ نسخے (ص۲۶) میں سہو کتابت ہے - "تم سے ترک" تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

مطلب کچھ اس کلام سے مفہوم اور ہے
مجھ سے تو آپ کا وہی اقرار ہوچکا

الفت نہیں ہمیں سے تو کیا ہوگی اور سے
اب ہم کو رشک غیر کا آزار ہوچکا

اے کاش طوف خانہ میسّر ہو دور سے
سجدے کو تو نصیب در یار ہوچکا

کیا اپنی سر گزشت کسی کو سنائیے
آگاہ میرے حال سے، دل‌دار ہوچکا

جانا وہاں کا تم سے بھی ہاں چھٹ چکا نظام
یوں روٹھنا تو آپ کا سو بار ہوچکا

(۱۷)

قصد اُن کا ہے یاں سے جانے کا
وقت آ پہنچا موت آنے کا

ظلم کیا کیا ترے سہے میں نے
کیا کہوں دل نہیں دکھانے کا

میں اسی آرزو میں مرتا ہوں
انہیں دعویٰ ہو پھر جلانے کا

ہم ترے در سے کوئی ہلتے ہیں
سر ہے، اور سنگ آستانے کا

توبہ کی تھی جہاں سے آ کے ابھی
قصد ہے پھر وہیں کے جانے کا

ہائے قسمت، میں آپ پاؤں پڑوں
جب انہیں دھیان ہو منانے کا

غیر کے کیوں فریب میں آیا
تو تو عیّار تھا زمانے کا

بھول جاؤں اسے، چھٹوں غم سے
ہے غضب، لطف یاد آنے کا

آرزو تھی ہمیں منائیں گے
انھیں دھوکا ہے روٹھ جانے کا

غم فزا ہے مرا فسانۂ دل
میں تمھیں تو نہیں سنانے کا

گو کہ مرتا ہوں پھر وہی دل کو
حوصلہ ہے ستم اٹھانے کا

مجھے کیا بیٹھے روتے ہیں احباب
کریں سامان اب اٹھانے کا

دل ٹھکانے نہیں غموں سے نظام
قافیہ کیا بندھے ٹھکانے کا

(۱۸)

گر دوستو، تم نے اسے، دیکھا نہیں ہوتا
کہنے کا تمھارے مجھے شکوا نہیں ہوتا

گر کہیے کہ جی ملنے کو تیرا نہیں ہوتا
کہتا ہے کہ ہاں ہاں نہیں ہوتا، نہیں ہوتا

قاصد کے بھی گر آنے کی امید نہ ہوتی
اک دم بھی تو جینے کا بھروسا نہیں ہوتا

یوں ہی سہی ہم ہجر میں مر جاتے بلا سے
بس اور تو کچھ اس سے زیادا نہیں ہوتا

کیوں کہتے ہو تم مجھ سے کہ آنا نہیں منظور
یہ کس لیے کہتے ہو کہ آنا نہیں ہوتا

گو غیر برائی سے کریں ذکر ہمارا
اتنا بھی تو واں ذکر ہمارا نہیں ہوتا

لب تک بھی کبھی حرف تمنّا نہیں آیا
ایسا کوئی محرومِ تمنّا نہیں ہوتا

بیماریٔ ہجراں سے تو مرنا ہی بھلا تھا
اچھا جو میں ہوتا تو کچھ اچھا نہیں ہوتا

گر غیر سے کچھ تم کو محبّت نہیں ہوتی
تو ہم کو یہ رشکِ قلق افزا نہیں ہوتا

یہ سچ ہے کہ تم آؤ گے ، پر دل کو کروں کیا
کہنے کا یقیں آپ کے اصلا نہیں ہوتا

ہوتا ہے وہ سب کچھ ، جو سنا ہو کبھی تم نے
اک تیرے نہ ہونے سے یہاں کیا نہیں ہوتا

اب سمجھے کہ یوں ہم کو بلاتے نہ کبھی تم
گر آپ کی محفل کا یہ نقشا نہیں ہوتا

گو جھوٹ ہو ، دھوکا ہو ، تسلی تو ہے دل کو
ہوتا ہے قلق اور ، جو وعدا نہیں ہوتا

مقبول تمنّا تو نظام اپنی کہاں ہو
مقبول وہاں عذرِ تمنّا نہیں ہوتا

(۱۹)

مری جان دل مرا منظور ہے تم کو اگر لینا
تو بس یہ چھوڑ دو ہر بات میں یوں رنج کر لینا

شب وصل ایسے وہ منہ پھیر کر سوئے نہ پھر چونکے
کہا کس کس طرح میں نے ذرا کروٹ ادھر لینا

جو پرسش کو بھی آئے، ساتھ اپنے غیر کو لائے
مریضِ غم کی تم کو چاہیے تھی یوں خبر لینا؟

جفا کو اس کی سمجھے لطف، عادت سمجھے بد خوئی
غرض ہر طرح ہم کو بھی تسلی دل کی کر لینا

کسی کے ساتھ سونا وصل کی شب یاد آتا ہے
وہ انگڑائی عجب اک ناز سے منہ پھیر کر لینا

کوئی بیٹھا سہی پاس اس کے اس کا ذکر کیا کیجے
نہ میرے سامنے یہ نام تو بار دگر لینا

خدا کے واسطے اس بت سے مل لینے دے او گردوں
عوض پھر اس کا جو چاہے تو مجھ سے عمر بھر لینا

یہ سچ ہے گر کہے گا یوں تو وہ آنے کو کہہ دیں گے
تو میرا نام تو پھر اُن کے آگے نامہ بر لینا

اگر اب کچھ بھی کہیے وہ نہیں سنتا، نہیں سنتا
دلِ بے تاب باتوں میں آسے تھا اس قدر لینا

مرا دم توڑنا، یوں ہچکیاں لینا، یہ رکھنا یاد
تو ایسا نامہ بر جانا کہ دم اس کے ہی گھر لینا

تری جھوٹی لگاوٹ میں بھلا ہم کوئی آتے ہیں
ہمارا دل کچھ ایسا سہل ہے، اے عشوہ گر لینا

وہ عالم وصل کی شب کا غضب ہے یاد آتا ہے
بناوٹ سے کبھی اس شوخ کا کچھ رنج کر لینا
گلے میں ڈال کر باہیں کبھی کچھ پیار سے کہنا
کبھی سر ناز سے اپنا ، مرے زانو پہ دھر لینا
نظام الفت کسی سے تم کو کیا ہے پر یہ کیا باعث
کہ جب کچھ ذکر سننا ، تھام ہاتھوں سے جگر لینا

(۲۰)

یوں غیر کا حال زار ہو گا
تم کو ہی اعتبار ہوگا
آپ آنے کا وعدہ بس نہ کیجیے
ناحق مجھے انتظار ہوگا
واں جانے سے فائدہ تو معلوم
دل اور بھی بے قرار ہوگا
پھر کیجیے وہ ہی وعدہ ہم سے
ہم کو وہی اعتبار ہوگا
کچھ دل پہ ہے اختیار میرا
کچھ آپ پر اختیار ہوگا
ہم کیسے تمہیں منا سکیں گے
گر روٹھنا بار بار ہوگا
کچھ حال دل اس سے ہم نہ کہتے
گر جانتے شرم سار ہوگا
منصف ہو تو ، جب نہ ہوگا تو پاس
کیا کوئی نہ بے قرار ہوگا

هر دم وهی آہ آہ ہوگی
رونا وہی زار زار ہوگا
واں ہوگا نظام کچھ نہ مجھ سے
دل بس میں اگر ہزار ہوگا

(۲۱)

لگاوٹ سے وہ ہائے کہنا کسی کا
کہ ملنا نہیں سہل ایسا کسی کا
بھلا تو ہی منصف ہو، کیا گزرے اُس پر
کہ چھٹ جائے معشوق تجھ سا کسی کا
تغافل تو دیکھو مرا حال سن کر
وہ بولے کہ یوں حال ہوگا، کسی کا
کہو پھر تو قاصد کہا اُس نے یوں ہی
نہیں واسطہ کچھ ہمارا کسی کا
ہمیں آپ کے بس میں ہیں یہ نہ کہیے
کسی پر نہیں زور چلتا کسی کا
نہ تم آئے گر وعدے پر، جی چکا میں
کہیں وقت ٹلتا ہے آیا کسی کا
کبھی غیر ہی کا کہا آپ مانیں
کبھی مان ہی لوگے کہنا کسی کا
نہ وہ مانتے ہیں نہ میں مانتا ہوں
سفارش کسی کی، دلاسا کسی کا
نظام اُن سے اتنا کوئی جا کے کہہ دے
کہ اچھا نہیں دل ستانا کسی کا

(۲۲)

بدنامیوں میں ایسا کس کا ہے نام نکلا
اس نام کی بدولت واں سے نظام نکلا

گو لاش ذلتوں سے نکلی، یہ (یہ) کام نکلا
وہ دیکھنے تماشہ بالائے بام نکلا

ناکامیوں سے اپنی اوروں کے کام نکلے
میں کیا وہاں سے نکلا، دشمن کا کام نکلا

باتیں تھیں دل میں کیا کیا، کہنے کو تھے نہ کیا کچھ
منہ سے نہ آگے اُس کے، کچھ بھی کلام نکلا

نکلی نہ وصل میں بھی کچھ اپنے جی کی خواہش
جو اپنا مدعا تھا سودائے خام نکلا

حالیہ شعر میرے اُس شوخ کو سنائے
یوں غیر کی زباں سے میرا پیام نکلا

مجھ سے ہو روٹھے صاحب، دشمن کی کیا خطا ہے
تقصیر وار سچ ہے یہ ہی غلام نکلا

لکنت نے اُن کی کھوئے مطلب ہمارے دل کے
جو لفظ منہ سے نکلا، وہ نا تمام نکلا

اب کس کو یاں بلائیں کس کی طلب کریں ہم
آنکھوں میں راہ نکلی، دل میں مقام نکلا

ساقی کی کیا خطا ہے قسمت ہے اپنی اپنی
جب اپنا دور آیا، خالی ہی جام نکلا

اپنی طرف بھی دیکھو، دیکھو ادھر آدھر بھی
انداز یہ نیا ہے، وقتِ خرام نکلا

بے زار بھی تھے، پر کچھ سمجھے تو خود بلایا
کوچے سے اُن کے جب میں دو ایک گام نکلا
عادت ہی ہوگئی ہے اُن کی نظام کچھ اور
اُس بزم سے عدو بھی اب صبح و شام نکلا

(۲۳)

میں نے ہی کیوں شکوۂ بے جا کیا
آپ نے تو جو کیا اچھا کیا
رشک عدو سے بھی، برا مانتا
یوں ہی سہی میں نے ہی بے جا کیا
تو نے کسی سے، نہ سنا ہوگا کچھ
ہم نے ترے ہجر میں کیا کیا کیا
بندگیٔ بت کے بھی قابل نہیں
کیوں مجھے اللہ نے پیدا کیا
آج کسے زیست کی اُمید ہے
آپ نے جو وعدۂ فردا کیا
غیر کے کہنے سے کیا مجھ پہ ظلم
کیا یہ ستم اے ستم آرا کیا
گو نہ کیا عرض تمنّائے دل
منہ کو، وہ لیکن مرے دیکھا کیا
غیر سے کہنا تھا مرا حال زار
ہائے غضب، آپ نے یہ کیا کیا
ہم کو یہاں، اور ہی کچھ تھا خیال
غیر نے واں اور ہی نقشا کیا

عہد کیا تھا ابھی کیسا نظام
پھر وہیں جانے کا ارادا کیا

(۲۴)

اُٹھنا ہی وہاں سے بر محل تھا
ہے آج بھی وہ ہی غم جو کل تھا

کیا جانے، وہ کہنے کو تھے کیا کچھ
لب ہلتے تھے، اور جبیں پہ بل تھا

کس لطف کا غم تھا، وقت رخصت
روتا تھا میں اور وہ ہم بغل تھا

ناصح نہیں اب میں اپنے بس میں
پہلے ترے قول پر عمل تھا

پہلے ہی سمجھ گئے وہ افسوس
حالیہ میں پڑھنے کو غزل تھا

کیوں، آج بھی وہ ہی بات نکلی
کہیے یہی وعدہ ہم سے کل تھا

مرنے کی مرے خبر، وہ سن کر
کہتے ہیں کہ اس کو کیا خلل تھا؟

اپنا نہیں کچھ میں حال کہتا
کہتا یوں ہی تم سے اک مثل تھا

ہم مرگئے تو بھی تم نہ آئے
یہ اُس کا عوض تھا یہ بدل تھا

شب وصل میں یہ بھی تھا عجب لطف
مرنے کا ارادہ بے اجل تھا

وہ مجھ کو نظام کیوں مناتے
کیا جانیے یہ بھی کیا عمل تھا

(۲۵)

ہائے دل اب وہ دوست دار ہوا
کس کی باتوں کا اعتبار ہوا

واں گیا بھی نہیں ، ابھی قاصد
مجھے آنے کا انتظار ہوا

غیر کے غم میں بے قرار ہے وہ
دل کو کیوں کر مرے قرار ہوا

مر چلے تیرے انتظار میں ہم
انتہا تک ، تو انتظار ہوا

دم رخصت تو اس کو دیکھنے دے
کیا تجھے چشم اشک بار ہوا

تم جو دامن جھٹکتے چلتے ہو
ہر جگہ کیا مرا غبار ہوا

چاہیے رحم حال پر میرے
اب تو دشمن بھی دوست دار ہوا

آئے کیا کیا فریب عشق میں ہم
جو کہا اس نے ، اعتبار ہوا

دم مرگ آئے وہ عیادت کو
کیا اجل سے میں شرم سار ہوا

دل کی سب حسرتیں نکالیں گے
وہاں جانا جو ایک بار ہوا

ہوں گرفتار کس عذاب میں، میں
تم سے مل کر گناہ گار۱ ہوا

حال دل کہہ کے یہ ہوا حاصل
قول دشمن کا اعتبار ہوا

اُس سے لوں گا عوض جفا کا نظام
کچھ بھی گر دل پہ اختیار ہوا

(۲۶)

یہ جو کہتے ہو تو نے کیا جانا
آپ کا میں نے مدعا جانا

اُس صنم کو اگر خدا جانا
کچھ نہ جانا، یہ ہم نے کیا جانا

عہد و پیماں وفا کے کس نے لیے
آپ کو کس نے بے وفا جانا

دل کو بے تابیوں کا دعوا ہے
اپنی صورت ذرا دکھا جانا

سیکڑوں صدمے سہنے پڑتے ہیں
ایک آفت ہے دل کا آ جانا

ناز برداریوں کا غیر کی ذکر
آپ نے کیوں مجھے خفا جانا

چھوڑ ہی جانا نیم جاں مجھ کو
اور مڑ کر بھی دیکھتے جانا

۱- گنہ گار- مطبوعہ صفحہ ۳۲ غلط - (فائق)

تجھ سے دشمن کو ہم نے سمجھا دوست
اور جفا کو تری وفا جانا
آپ ہی غصّہ ، آپ ہی شکوہ
کب برا مانا ، کب برا جانا
ہم سمجھتے ہیں ایسی باتوں کو
باتوں باتوں میں کچھ سنا جانا
میں تو کہنے کو اور بھی کچھ تھا
آپ نے میرا مدّعا جانا
ہم تو کہہ گزرے حال دل اپنا
نہیں معلوم اس نے کیا جانا
ہائے وہ دن نظام ، وہ اس کا
شام کا آنا ، صبح کا جانا

(۲۷)

گر کہوں مطلب تمہارا کھل گیا
کہتے ہیں اچھا ہوا ، کیا کھل گیا
غیر کی قسمت کی کہانی ہے قسم
بند تھا دروازہ ان کا ، کھل گیا
تم کھلے بندوں ملو اغیار سے
شکر ، پاؤں اب تمہارا کھل گیا
آگئی بے پردہ وہ صورت نظر
آنکھ کی جب بند ، پردا کھل گیا
غیر سے اب بند ہو کس بات پر
گالیوں پر منہ تمہارا کھل گیا

کھل گیا حال اس دل بے تاب کا
منہ دوپٹے سے جو آن کا کھل گیا

ہوں اشارے غیر سے اور دیکھوں میں
بیت ابرو کا بھی معنا کھل گیا

نامہ‌بر! تیرے چھپانے سے مجھے
اپنی قسمت کا نوشتا کھل گیا

دل کی بے تابی نے رسوا کردیا
ہائے سب پر راز اپنا کھل گیا

نامہ‌بر! گر غیر نے دیکھا نہیں
کیسے پھر خط کا لفافا کھل گیا

قدرت حق سے بڑھی عشرت کی شب
شب جو اُس کافر کا جوڑا کھل گیا

دیکھیے کیا دل سے دل کو راہ ہے
راز جو تم نے چھپایا کھل گیا

جو نہ کہنا تھا، کہا سب کچھ نظام
راز باتوں میں وہ ایسا کھل گیا

(۲۸)

مطلب کی کچھ کہوں تو کہیں منہ اُدھر پھرا
بس بس میں جانتا ہوں نہ بک بک کے سر پھرا

برگشتہ بخت یہ کہ وہ گھبرا کے پھر گئے
میں کوچۂ عدو میں عبث تا سحر پھرا

جانے کی ہامی اب نہیں بھرتا کسی طرح
دو چار مرتبہ جو یوں ہی نامہ بر پھرا

الفت یہ ہے کہ دل نہ پھرا میرا ایک دن
سو بار اپنے عہد سے وہ فتنہ‌گر پھرا

الٹی جو ہچکیاں چلی آتی ہیں مجھ کو آج
مایوس ہو کے راہ سے کیا نامہ‌بر پھرا

حسرت بھری نظر سے مرا دیکھنا تو دیکھ
دیکھا بہت اُدھر کو، ذرا منھ ادھر پھرا

قاصد کے انتظار میں جاں لب پہ آگئی
کیا فائدہ جو مر گئے ہم، پھر اگر پھرا

ایمان کی تو یہ ہے، خدا اُس سے پھر گیا
اے بت جو تیری راہ سے کوئی بشر پھرا

سہنی[1] پڑیں گی پھر مجھے ایسی ہی آفتیں
گر پھر تو اپنے قول سے بار دگر پھرا

دروازے پر گیا، کبھی دیکھا ادھر اُدھر
میں تیرے انتظار میں یاں رات بھر پھرا

اب اور کیا کہوں کوئی دم کا ہوں میہماں
سب کچھ ہوا پہ وہ ہی نہ یاں آن کر پھرا

کہتے ہو یہ بھی اب میں خفا تجھ سے کچھ نہیں
پھر کیا سبب جو مجھ سے ہی دل اس قدر پھرا

۱- شعر ۹ تا ۱۱، بعد میں 'قدرت' کو دست یاب ہوئے تھے اور صفحہ ۲۶۶ کلیات نظام پر درج کیے گئے تھے۔ غزل نمبر ۲۸ سے متعلق ہیں اس لیے اس غزل میں شامل کیے گئے۔
(فائق)

ہر وقت اب تو آپ کے الطاف مجھ پہ ہیں
کچھ آج کل نصیب ہے میرا مگر پھرا
بے اختیار صورت قبلہ‌نما **نظام**
منہ اُس کا جس طرف کو پھرا ، میں اُدھر پھرا

(۲۹)

کہتے ہیں سن کے ماجرا میرا
تم سے کس روز ربط تھا میرا
نامہ‌بر اُس نے تو کہا سب کچھ
تونے بھی حال کچھ کہا میرا
اب تو خواہاں وصال کا بھی نہیں
کچھ عجب ہے معاملا میرا
اور کس کو سناتے ہو ، مجھ کو
اور کس کا یہ ذکر تھا ، میرا
یہ بھی کیا بات آئی اُس دن کی
یہ بھی کہیے تصور تھا میرا
مجھ سے پھر پوچھنے سے کیا حاصل
گر سمجھتے ہو مدعا میرا
کچھ کسی بات کا خیال بھی ہے
غیر کے سامنے گلا میرا
دیکھ کر اُس کا پھیر لینا منہ
اور حسرت سے دیکھنا میرا
کچھ تو باعث ہے میرے آنے کا
کچھ تو تم سے ہے واسطا میرا

بے وفا کہتے ہیں سبھی تم کو
کہیے اس میں قصور کیا میرا

ایسی باتیں تو غیر کی ہوں گی
آپ نے نام لے لیا میرا

حال سن کے مرا نہ یہ تو کہہ
ایک ہی حال ہے ، ترا میرا

بے قراری سے شب کٹی ہوگی
ایسا کس دن خیال تھا میرا

کس نے بے تاب کر دیا مجھ کو
کون آرام لے گیا میرا

دمِ مرگ آ کے پوچھتے ہیں نظام
اب تو بخشا کہا سنا میرا

(٣٠)

مرنے کا لطف زیست سے مجھ کو سوا ہوا
گھبرا کے اس کا کہنا کہ ”ہے ہے یہ کیا ہوا“

حیرت ہے مجھ کو آپ کہ یہ مجھ سے کیا ہوا
تم روٹھتے تو روٹھتے ، میں کیوں خفا ہوا

ملنے کی جب خوشی تھی، جدائی کا اب ہے رنج
غم وصل میں فراق سے بھی کچھ سوا ہوا

کیوں اپنا کہتے حال اگر ایسا جانتے
کہتے ہیں نامہ بر ہے عدو سے ملا ہوا

تو بھی وفا عدو سے نہ کر ، بے وفا نہ ہو
میں نے وفا کی تجھ سے تو میں بے وفا ہوا

غم تو یہ ہے کہ آپ کی عادت بگڑ گئی
اس کا کسے خیال ہے ، جو کچھ ہوا ہوا

منظور کیا ہے یہ بھی تو کھلتا نہیں سبب
ملتا تو ہے وہ ہم سے مگر کچھ رکا ہوا

کم بولنے پہ ہوتی تھیں کیا کیا شکایتیں
کہیے وہ باتیں کیا ہوئیں ، وہ ربط کیا ہوا

آئے گا کوئی نامہ کہ وہ آپ آئیں گے
تسکین دل کو ہوگئی ، یہ آج کیا ہوا

مشہور بے وفا وہ رہے ، یہ ہی خوب ہے
ملنے کا قصد مجھ سے ہوا ، یہ برا ہوا

یارب مری دعا ہو قبول ، اور کے لیے
وہ سنگ دل مرا نہ ہوا ، غیر کا ہوا

توبہ ستم سے کرتے ہو ، کے دن کے واسطے
یوں ہی سدا کہا کیے ، یوں ہی سدا ہوا

اللہ یہ نصیب ہمارے ، ہزار شکر
اوروں کا بت ہوا وہ ، ہمارا خدا ہوا

ہاں کچھ تو ہے جو ملتے ہیں اس ظلم پر بھی ہم
وہ ہی جواب دیتے ہو ، میرا کہا ہوا

درباں سے آپ کہتے تھے کچھ میرے باب میں
سنتا تھا میں بھی ، پاس ہی در کے کھڑا ہوا

پھر کیسے ایسی باتوں کا احسان مانیے
دل میں تو وہ مزا ہے ہمارے بسا ہوا

کچھ باتیں کرکے پیار کی کہتے ہیں کیوں نظام
اب شک مٹا ، تسلی ہوئی ، فیصلا ہوا

(۳۱)

صبح کو ان کو کب ٹھہرنا تھا
مفت بہتان مجھ پہ دھرنا تھا
سچ ہے شکوہ مجھے نہ کرنا تھا
تمھیں اقرار سے مکرنا تھا

تیرے ہی غم میں مر گئے صد شکر
آخر اک دن تو ہم کو مرنا تھا
دل لگاتے تھے کیا سمجھ کر ہم
ہائے پہلے ہی تم سے ڈرنا تھا

کیوں دم قتل ایسا تڑپا میں
اُن کا دامن ، لہو سے بھرنا تھا ؟
ہم بھی ناصح کی بات مان گئے
ایسی باتوں سے توبہ کرنا تھا

دیکھو تکیے سے ڈھل گئی گردن
میرے زانو پہ سر کو دھرنا تھا
ابھی شب کا خمار باقی تھا
نیند کا کیا بہانہ کرنا تھا

روٹھنا تو نہ چاہیے تھا تمھیں
کچھ خطا تھی تو در گزرنا تھا
رشک دشمن پہ کیوں بگڑ بیٹھے
ہمیں دم دوستی کا بھرنا تھا

ابھی تو توبہ کی تھی تم نے نظام
اُس طرف سے ابھی گزرنا تھا

(۳۲)

مجھ سے کیوں کہتے ہو مضموں غیر کی تحریر کا
جانتا ہوں مدعا میں آپ کی تقریر کا

ساتھ گر سونے نہ دو گے، تم کو بھی نیند آ چکی
میں تو عادی ہوگیا ہوں نالۂ شب گیر کا

اپنے مطلب کی سمجھ کر ہوگئے تھے ہم تو خوش
کیوں مکرتے ہو؛ یہی مطلب ہے اُس تقریر کا

عہد کس کا، آپ جو کہتے ہیں سچ جانتا
کیا کروں قائل ہوں میں تو غیر کی تدبیر کا

کچھ اثر ان پر ہوا تو کیا ہی دیتے ہیں فریب
کہتے ہیں قائل نہیں میں آہ بے تاثیر کا

یہ تو فرماؤ کہ کیا اُس کو کروں گا میں معاف
میرے آگے ذکر کیوں ہے غیر کی تقصیر کا

ایک دن سن کر چلے آئے تھے وہ بے ساختہ
آسماں پر ہے دماغ اب آہ بے تاثیر کا

پنجۂ الفت سے پکڑا ہے اسے دل نے مرے
سہل ہے قاتل کوئی پہلو سے کھنچنا تیر کا

کوشش بے جا تھی یہ کچھ اعتماد عقل پر
اب یہ درجہ ہے کہ قائل ہی نہیں تدبیر کا

جتنے سر ہیں اتنے سودے، کیا خطا ناصح مری
میں ہی اک قیدی نہیں، اُس زلف عالم گیر کا

کیا کہا تھا میں نے، تم کیا سمجھے، اس کا کیا علاج
تم ہی منصف ہو، یہ مطلب تھا مری تقریر کا

یہ مرا لکھا کہ جو تدبیر کی، اُلٹی پڑی
اور اس پر بھی مجھے شکوہ نہیں تقدیر کا
جذب الفت اس کو کہتے ہیں کہیں پڑ جائے ہاتھ
زخم دل پر ہی پہنچتا ہے تری شمشیر کا
مجھ کو اس کے پاس جانا، اس میں جو کچھ ہو نظام
ایک مطلب جانتا ہوں ذلت و توقیر کا

(۳۳)

یوں تو تھا دشمن جاں، ایک زمانا میرا
آج کچھ بار ہوا تم پہ بھی آنا میرا
دل بے تاب ترے آگے تو سب آساں ہے
اب تو دشوار ہے اس بزم میں آنا میرا
یاد آتا ہے تو پہروں ہی رلاتا ہے مجھے
چھیڑ چھیڑ اس کا شب وصل رلانا میرا
ایسے بے پردہ مرے آگے نہ آیا کیجے
تمھیں منظور ہے دیوانہ بنانا میرا
کس نے تقریر کی، کیا بات ہے، کس حال میں ہیں
نہیں اس دم تو یہ بے وجہ بلانا میرا
دوستوں سے مرے کہتے ہیں وہ کچھ کہہ کے مجھے
خوب ہے اس کے لیے منھ نہ لگانا میرا
پھر بھی اللہ یہ دن مجھ کو دکھائے گا کبھی
اس کا سونا شب وصل اور وہ جگانا میرا
آپ جو لکھیں مجھے، وہ تو نہ دیکھے کوئی
شوق ہے غیر کو تم نامہ دکھانا میرا

کیا ندامت ہوئی پھر بعد شکایت کے نظام
پوچھنا اُس کا وہ کچھ اور وہ چھپانا میرا

(۳۲)

کہنے سے نہ منع کر کہوں گا
تو میری نہ سن ، مگر کہوں گا

تم آپ ہی آئے یوں ہی سچ ہے
نالے کو نہ بے اثر کہوں گا

گر کچھ بھی سنیں گے وہ شب وصل
کیا کیا نہ میں تا سحر کہوں گا

کہتے ہیں جو چاہتے ہیں دشمن
میں اور تمھیں فتنہ گر کہوں گا

کہتے تو یہ ہو کہ تو ہے اچھا
مانو گے برا ، اگر کہوں گا

یوں دیکھ کے مجھ کو مسکرانا
پھر تم کو میں بے خبر کہوں گا

اک بات لکھی ہے کیا ہی میں نے
تجھ سے تو نہ نامہ بر کہوں گا

کب تم تو کہو گے مجھ سے پوچھو
میں باعث درد سر کہوں گا

تجھ سے ہی چھپاؤں گا غم اپنا
تجھ سے ہی کہوں گا، گر کہوں گا

معلوم ہے مجھ کو جو کہو گے
میں تم سے بھی پیش تر کہوں گا

حیرت سے کچھ آن سے کہہ سکوں گا
بھولوں گا ادھر، آدھر کہوں گا

کچھ درد جگر کا ہوگا باعث
کیوں تجھ سے میں چارہ گر کہوں گا

اب حال نظام کچھ نہ پوچھو
غم ہوگا تمہیں بھی، گر کہوں گا

(۳۵)

یوں تو مجھ سے ملا نہیں جاتا
رشک دشمن سہا نہیں جاتا

ایسی باتیں نہ ہوں گی واں قاصد
نہ کہو یہ، سنا نہیں جاتا

کون آتا ہے یوں کسی کے گھر
منع تم سے کیا نہیں جاتا

تم کہاں آتے جاتے ہو، سچ ہے
کسی جا میں بھی کیا نہیں جاتا

کیا کہا ہوگا اور تو قاصد
یہ کہا ہوگا، جا نہیں جاتا

کہتے ہیں دیکھی آہ کی تاثیر
میں ترے پاس آ نہیں جاتا

کیا کسی سے کسی کا حال کہیں
نام بھی تو لیا نہیں جاتا

عادتیں بھی تو آپ کی ہیں وہی
سچ ہے میرا گلا نہیں جاتا

چھیڑ ہر وقت کی نہیں جاتی
روز کا روٹھنا نہیں جاتا
سب تسلّی تری طرف سے ہے
خوف اک بات کا نہیں جاتا
اب ہمارا نہ حال پوچھ نظام
کیا کہیں ، کچھ کہا نہیں جاتا

(۳۶)

کہتے وہ کیوں سنا کے ملیں ہم کسی سے کیا
تقصیر ہو گئی ہے کچھ ایسی مجھی سے کیا
میرا ہی سا بیان یہ حال آپ نے کیا
یہ داستان تم نے سنی ہے مجھی سے کیا ؟
بیزاری ایسی سنتے ہی، دیکھو یہ روئے ہم
تم کو قسم ہے کہتے تھے یوں تم کسی سے کیا
مطلب کی بات سن کے وہ کہنا بگڑ کے ہائے
اپنی خوشی سے کام، ہمیں تیرے جی سے کیا
دشمن کا حال دوست سمجھ کر کہا سہی
مجھ کو حصول آپ کی اس دوستی سے کیا
تم نے تو ہم کو ایسا بتایا کہ کیا کہیں
پوچھے اگر کوئی تو کہو، تم کسی سے کیا
جز میرے اور کس سے نہیں الفت آپ کو
تم جانتے ہو رشک ہے مجھ کو اسی سے کیا
آتے ہی ایسی باتیں نکالیں جو آپ نے
جانے کا قصد آپ کا ہے کچھ ابھی سے کیا

آتا ہے کون لینے کو ایسوں کے اے نظام
جائیں ہم اُن کی بزم میں پھر آپ ہی سے کیا

(۳۷)

کیا گلہ، ذکر کسی بات کا گر ہم نے کیا
جو اُدھر تم نے کیا، وہ ہی ادھر ہم نے کیا

سچ ہے سہہ سہہ کے جفا، تم کو جفا کار کیا
یہ ہے تقصیر ہماری، یہ مگر ہم نے کیا

یاد ہے ہم سے وہ نفرت، وہ عدو سے الفت
یہ کیا ہم نے کہ دل میں ترے گھر ہم نے کیا

آپ کیا وصل میں احسان جتاتے ہیں عبث
ہمیں کہیے شب ہجراں کو بسر ہم نے کیا

شام سے ایسے وہ بگڑے کہ منائے نہ گئے
شب عشرت کو بھی رو رو کے سحر ہم نے کیا

اُٹھ گئے نیند نہ آنے کا بہانہ کر کے
اُن سے اظہار عبث درد جگر ہم نے کیا

یہ خطا کس کی ہے ہم پر جو کیے ایسے ستم
یہ ہماری ہے خطا، شکوہ اگر ہم نے کیا

ایسے بے تاب نہ ہوتے تو نہ ہوتا یہ حال
اپنی خوبی سے اُنھیں ہائے خبر، ہم نے کیا

ہم سے ملتے ہوئے ہاں آپ کو ڈر ہے کس کا
تم سے ملتے ہوئے ہاں غیر کا ڈر ہم نے کیا

وہ چلے آئیں، یہاں آج جو بے ساختہ آپ
آہ و نالہ سرے کہتے ہیں اثر ہم نے کیا

رنج یہ اہل وطن سے ہمیں پہنچے ہیں نظامؔ
پھر نہ آئیں گے اگر اب کے سفر ہم نے کیا

(۳۸)

عدو کے ملنے سے اُس شوخ کو انکار ہوجاتا
کسی صورت زباں سے اُن کی یہ اقرار ہوجاتا
الٰہی ہجر کے صدمے یہ ہر دم کے قیامت ہیں
گر آتی موت جو ہونا تھا، وہ اک بار ہوجاتا
ہوئے تھے آپ کب ایسے، مرے کب بخت ایسے تھے
تمہارے ملنے سے ہاں میں ہی تو بیزار ہوجاتا
دوپٹے سے منہ اُس کا کھول کر یہ حظ اٹھائیں ہم
غضب ہوتا اگر وہ تند خو بیدار ہوجاتا
نہ کرتا گو گلا دشمن کا، اپنا حال تو کہتا
تمہاری خاطر نازک پہ یہ بھی بار ہوجاتا
وہ ایسے تو کہاں تھے آتے میرے پاس تک گاہے
عیادت کو بھی گر آتے تو میں بیمار ہوجاتا
عدو کو دیکھ کر کوچے میں کچھ تو صبر کرتے ہم
کسی ڈھب بند گر وہ روزن دیوار ہوجاتا
ہماری بے قراری آپ ہی ملنے نہیں دیتی
جو ہوتا سہل بھی ملنا ترا دشوار ہوجاتا
کہا کیوں دوستو تم نے خدا جانے وہ کیا سمجھیں
ہمارا حال اُن پر آپ ہی اظہار ہوجاتا
سبھی سچے ہیں، جانے دو، مرا منہ تم نہ کھلواؤ
ابھی دشمن کے ملنے سے تمہیں انکار ہوجاتا

یہ کچھ عیّاریاں ہیں ڈرتے ہی رہنا نظام اُس سے
وگرنہ کون سی صورت تھی جو وہ یار ہوجاتا

(۳۹)

وہ جانتے نہیں مجھے کچھ بھی نظام کیا
ہر اک سے پوچھتے ہیں کہ اس کا ہے نام کیا

دیکھا تو ہوتا کون جنازے کے ساتھ ہے
کہنا تھا اقربا کو مرے اذنِ عام کیا

یوں تو کہاں وہ پوچھتے ہیں دل کی آرزو
اور پوچھے بھی تو کہیے خیالات خام کیا

میرے تو ہوش ہی نہیں، قاصد تو ہی بتا
مضمون اُن کو کیا لکھوں، بھیجوں پیام کیا

وعدہ عبث، جو وعدہ خلافی پسند ہے
ملنا گر آپ کو ہے تو پھر صبح و شام کیا

اعدا کی شکل سے بھی نہیں واقف آپ تو
سچ ہے تمھاری بزم میں ایسوں کا کام کیا

گر کچھ نہ لکھتے آپ شکایت نہ ہوتی کچھ
لکھنا تھا خط غیر میں مجھ کو سلام کیا

کب بولتے ہو غیر سے تم، جانتا ہوں میں
اس بات میں ہے شک کسے، اس میں کلام کیا

مجھ کو سنا سنا کے وہ کہنا کسی کا ہائے
جس سے کہ جی میں رنج ہو اُس سے کلام کیا

آنکھیں لگی ہوئی ہیں جو اوپر کو اے نظام
کچھ آ گیا نظر تمھیں بالائے بام کیا

(۴۰)

یہ لفظ جو تمھارے دہن سے نکل گیا
یوں ہی تو میں بھی رنج و محن سے نکل گیا

کہتے ہیں سن کے کچھ یہ نئی بات تو نہیں
مانا کہ نالہ چرخ کہن سے نکل گیا

جاتا ہے دل کا غم یہ کہیں جاں کے ساتھ ہے
گھبرا کے گرچہ بیت حزن سے نکل گیا

تم ایسا ذکر کرتے، یہ کہنے کی بات ہے
بے ساختہ تمھارے دہن سے نکل گیا

سچ ہے وہ کیا سمجھتے کہ جب اُن سے کچھ کہا
فقرہ ہر ایک[1] ربط سخن سے نکل گیا

اُس بت سے جو پھرے وہ ہے گمراہ ناصحا
کیسا طریق، کون چلن سے نکل گیا

گھبرا کے کہہ گیا کہ غلط تھا وہ میرا عہد
مطلب ہمارا عہد شکن سے نکل گیا

پھر جا کے اُس کے موے کمر میں پھنسا اگر
دل زلف پرشکن کی شکن سے نکل گیا

مرنے کے بعد بھی نہ گیا دزد انتظار
سمجھا تھا میں کہ رنج و محن سے نکل گیا

اک بات ایسی کہہ دی کہ ہم مان ہی گئے
قابو میں آ گیا تھا وہ فن سے نکل گیا

کچھ آپ کو خبر بھی ہے سید نظام کی
بے چارہ تنگ آ کے وطن سے نکل گیا

۱- ''اک'' نسخہ مطبوعہ صفحہ ۴۳ میں غلط ہے۔(فائق)

(۴۱)

آپ کو آپ کی تکرار نے سونے نہ دیا
پھر کہو گے کہ ترے پیار نے سونے نہ دیا

کچھ تو شب یاد جفا کار نے سونے نہ دیا
اور کچھ درد دل زار نے سونے نہ دیا

رات حیلے کیے ایسے، میں جدا سویا آپ
ساتھ اپنے مجھے عیّار نے سونے نہ دیا

ھائے وہ لطف شب وصل کے، باھم کو وہ رنج
یار کو میں نے، مجھے یار نے سونے نہ دیا

واں تمھیں یاد بھی کب ہو گا اور آنا کیسا
یاں مجھے آپ کے اقرار نے سونے نہ دیا

خیر وہ جاگنا اس دن کا سبب وہ ھی سہی
آج بھی کہیے گنہگار نے سونے نہ دیا

کوئی سوتا بھی (ھی؟) ھو لیکن یہ کراھا شب کو
کہ کسی کو ترے بیمار نے سونے نہ دیا

خواب میں بھی نہ آسے دیکھوں، یہ قسمت دیکھو
خوبیٔ طالع بیدار نے سونے نہ دیا

لے کے انگڑائی سحر کو وہ کسی کا کہنا
رات مجھ کو تری تکرار نے سونے نہ دیا

آنکھیں پھوٹیں جو شب وصل میں نیند آئی ھو
ایک دم درد دل زار نے سونے نہ دیا

صبح تک شام سے تم جاگتے ھی وصل کی شب
آپ کو فرقت اغیار نے سونے نہ دیا

درد دل ، رشک عدو، یاد صنم، رنج فراق
ایک نے کیا مجھے دو چار نے سونے نہ دیا
کیں وہ باتیں کہ کہاں خواب، گئے ہوش وحواس
اور مجھ کو مرے غم خوار نے سونے نہ دیا
واں تو شب بال بنانے میں کٹی اور یہاں
ہمیں فرقت کی شب تار نے سونے نہ دیا
جب ذرا آنکھ لگی چونک پڑا گھبرا کر
کبھی راحت سے غم یار نے سونے نہ دیا
خیر ہو آج وہ یوں صبح کو کہتے تھے کہ شب
نالہ ہائے پس دیوار نے سونے نہ دیا
شعر تو کم کہے لیکن یہ رہی فکر نظام
شب کو فرمائش سرکار نے سونے نہ دیا

(۷۲)

دھوکے سے نامہ[1] بر مجھے خط دے رقیب کا
میں ایسی باتیں دیکھوں یہ لکھا نصیب کا
اظہار عشق غیر کی خاطر ضرور اب
سننا پڑا انھیں مرے حال عجیب کا
کچھ یاد آکے دل کو تسلی سی ہوگئی
آیا ہی تھا زبان پہ شکوہ حبیب کا

۱- مطبوعہ (ص ۴۴ کلیات نظام) مصرع اول :-
دھوکے سے خط دے نامہ بر مجھ کو رقیب کا
نا موزوں ہے دھوکے سے نامہ بر مجھے خط دے رقیب کا
تصیح قیاسی ہے - (فائق)

کب تک کوئی سنے کوئی کب تک جواب دے
باتوں سے میری ناک میں دم ہے مجیب کا

محفل میں کوئی آئے، کہیں بیٹھے ، مجھ کو کیا
ہوگا کسی کو دھیان بعید و قریب کا

تم سے کسی سے عہد ، کسی بات کا نہیں
شاید کسی کے پاس بھی خط ہو رقیب کا

میں اور کسی کے سامنے اظہار درد دل
موت آئے منہ سے نام بھی گر لوں طبیب کا

یارب شب وصال ہی میں مجھ کو موت آئے
سننا نہ ہو نصیب صدائے مہیب کا

سن سن کے میرا حال کہا بھی تو یہ کہا
کس کا قصور ، یہ بھی تھا رونا نصیب کا

کوچے میں بھی رسائی غنیمت سمجھ نظام
کیا نام اُن کی بزم میں مجھ سے غریب کا

(۲۳)

سچ ہے ناحق تمھیں کیا مجھ سے خفا رہنا تھا
مری قسمت ، مجھے کچھ روزوں جدا رہنا تھا

دم آخر ہے ، نکلتی کوئی حسرت شاید
تمھیں اس دم تو مرے پاس ذرا رہنا تھا

جستجو میری عبث ، پوچھنا میرا بے جا
آپ کا غیر کے گھر جا کے بجا رہنا تھا

دل بے تاب کی ، ہر وقت خوشی کون کرے
اُس کے کوچے ہی میں ہم کو تو پڑا رہنا تھا

شکوہ کس دن کیا ، گو جان لبوں پرآئی
تمھیں کیا ، تم کو تو سرگرم جفا رھنا تھا

جب نہ رھنا ھی ھوا ، حیلے بہانے سو ھیں
کیوں نہ تم روٹھ کے جاتے، تمھیں کیا رھنا تھا

میں نے خوش ھو کے کہا ، جاؤ ، یہ جانا کیسا
مری ضد سے تمھیں یاں اور سوا رھنا تھا

کہیے پھر کیسے مناتا میں ، تمھیں تو منظور
اپنی کروٹ ھی سے تا صبح پڑا رھنا تھا

ابھی گھبرا کے شب غم میں نہ جاں ، دینی تھی
اور بھی منتظر باد صبا رھنا تھا

مری رنجش کا سبب کچھ نہ سہی، یوں ھی سہی
بے سبب آپ کو یوں مجھ سے خفا رھنا تھا

یا یہ بھولے کہ ھوا نامہ و پیغام بھی ترک
یا شب و روز کا وہ ایک ھی جا رھنا تھا

رحم آتا کبھی اُس بت کو عجب کیا تھا نظام
ھر گھڑی آپ کو مصروفِ بکا رھنا تھا

(۴۴)

یہ عجب تم نے نکالا سونا
رات کا جاگنا ، دن کا سونا

بخت خفتہ سے تو اُمید نہیں
ساتھ ھوگا کبھی اُس کا سونا

کس قدر ھجر میں ، بے ھوشی ھے
جاگنا بھی ھے ھمارا سونا

مجھ سے تنگ آ کے یہ بولے شب وصل
یہ ہی تم ہو، تو نہ ہو گا سونا

بس دم صبح ستاؤ نہ مجھے
یاد وہ ضد ہے، وہ اپنا سونا

لے کے انگڑائی لپٹ جانا ہائے
ہائے وہ ساتھ کسی کا سونا

آپ کروٹ تو ادھر کو لیجے
جانتا ہوں میں تمہارا سونا

سر کہیں، ہاتھ کہیں، پاؤں کہیں
یہ نئی دھج ہے، نرالا سونا

پھر شب وصل ہو، پھر ہو یا رب
جاگنا میرا اور اُن کا سونا

آنکھیں پھوٹیں، جو جھپکتی بھی ہوں
شبِ تنہائی میں کیسا سونا

وہ کھلی آنکھ وہ لب پر ہے ہنسی
ہم نہیں مانتے ایسا سونا

رات آنکھوں میں گزر جاتی ہے
ان دنوں ہے یہ ہمارا سونا

ہائے وہ وصل کی شب کا عالم
ہائے وہ پچھلے پہر کا سونا

کیا لگے آنکھ جو یاد آئے نظام
رکھ کے زانو پہ سر اُس کا سونا

(۴۵)

یہ تو مانا کہ وفا آپ کا وعدا ہوگا
یہ تو فرمائیے کب ہوگا؟ کب ایسا ہوگا؟

بیٹھ کے پاس مرے، غیر کی صورت دیکھی
یہ تماشا تو کبھی تم نے نہ دیکھا ہوگا

پھر تمنّائے دل زار، عبث پوچھتے ہو
کچھ کہا ہوگا تو تم نے کبھی مانا ہوگا

دل بے تاب کو کہہ کہہ کے یہ ٹھہراتا ہوں
اب کوئی بات سنی، اب کوئی آتا ہوگا

پھر خدا جانے کہ کیا دل کی تمنّا ہوگی
وصل ہوگا تو قلق اور زیادا ہوگا

کہتے ہیں مجھ کو سنا کر جو طبیعت ہے اداس
کسی کم بخت نے جل کر مجھے کوسا ہوگا

ایسی باتوں کو وہ مانے جو نہ جانے تم کو
غیر سے آپ کو رنجش، کبھی ایسا ہوگا

کہتے ہیں دیکھ کے بے تاب مجھے لوگوں سے
گر یہی حال رہا اس کا تو پھر کیا ہوگا

دم رخصت تو یہ مڑمڑ کے نہ دیکھو مجھ کو
اور یاد آؤ گے غم اور زیادا ہوگا

وعدہ کر کے انھیں کچھ فکر ہوئی ہے ایسی
حال میرا بھی شب وعدہ نہ ایسا ہوگا

وائے ناکامی کہ ہم حال سنائیں اپنا
وہ کہیں کہتے ہو کس سے، کوئی سنتا ہوگا

ہو کے بے بس وہ شب وصل میں کہنا اُس کا
خیر یہ یاد رہے، میں نے بھی سمجھا ہوگا

یہ بھی کہتے ہو کہ کیا گزرے گی تجھ پر شب ہجر
تمہیں پھر فکر عبث ، جاؤ، جو ہوگا ہوگا

صبح تک زیست بھی اپنی نظر آتی ہے مجھے
اُس کا جانا تو ہے کیا ، موت کا آنا ہوگا

وہ بھی دن ہوگا کہ یوں ہم سے ملیں گے وہ نظام
وہ بھی دن ہوگا کہ یوں غیر کو شکوا ہوگا

(۴۶)

رعب ایسا مرے دل پر بہ خدا بیٹھ گیا
کچھ نہ بن آئی جو وہ ہو کے خفا بیٹھ گیا

گالیوں سے تری اب جی کہیں ہوتا ہے برا
دل میں تو وہ ترے بوسوں کا مزا بیٹھ گیا

ہائے وہ چھیڑ کی باتیں وہ لگاوٹ کچھ کچھ
مجھ سے کچھ رک کے، جو وہ محو ادا بیٹھ گیا

دو قدم چل کے ، اس انداز سے بیٹھا وہ صنم
تھام کر ہاتھوں سے دل میں بہ خدا بیٹھ گیا

کوچۂ یار سے اُٹھنا نہیں ممکن میرا
اب تو میں صورت نقش کف پا بیٹھ گیا

میرے ملنے سے جو یوں ہاتھ اُٹھا بیٹھا تو
نہیں معلوم کہ دل میں ترے کیا بیٹھ گیا

چھوڑ کر دونوں جہاں کوچے میں اُس کافر کے
سیکڑوں بیٹھ گئے ، ایک میں کیا بیٹھ گیا

یہ خبر کس کو تھی وہ آ کے قریں بیٹھیں گے
ہائے محفل میں نہ میں غیر کی جا بیٹھ گیا

دل ترے کوچے سے اٹھنے کو کسی کا ہوگا
اب تو کچھ ہو ، میں جہاں بیٹھ گیا، بیٹھ گیا

کچھ گراں باریِ غم میں نے جو لکھی تھی نظام
بوجھ نامے کا نہ قاصد سے اٹھا ، بیٹھ گیا

(۴۷)

تیری فرقت میں مری جاں نہ ہوا تھا سو ہوا
دل تجھے دے کے پشیماں نہ ہوا تھا سو ہوا

وہی میں ہوں کہ ہر اک بات میں تھا دخل مرا
کبھی منّت کشِ درباں نہ ہوا تھا سو ہوا

یہ ستم ، ربطِ عدو کا ہے اب اقرار انھیں
صاف کہتے ہیں کہ ہاں ہاں نہ ہوا تھا سو ہوا

اب خوشی ہے مجھے کس بات کی ، فرمائیں تو آپ
غمِ فرقت سے ہراساں نہ ہوا تھا سوا ہوا

روز[۱] دو چار تمنّاؤں کا خوں ہوتا ہے
دل مرا گنجِ شہیداں نہ ہوا تھا سو ہوا

دمِ مردن بھی نہ تم اپنی خوشی سے آئے
آج تک غیر کا احساں نہ ہوا تھا سو ہوا

میں اور اغیار کی منّت یہ خدا کی قدرت
اب تو اے دشمنِ ایماں نہ ہوا تھا سو ہوا

---

۱ ۔ نسخۂ مطبوعہ (ص ۳۸) میں ''اور'' بہ ظاہر بے معنی ہے''روز'' تصحیح قیاسی ہے ۔ (فائق)

عشق میں آئینہ رخسار کے حیراں تو میں تھا
صورت زلف پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

دردِ دل ، سوز جگر ، گریۂ شب ، آہ سحر
یوں ہم عشق کا ساماں نہ ہوا تھا سو ہوا

تیرا ملنا تو ہے مشکل مگر اتنا تو ہوا
اپنا مرنا مجھے آساں نہ ہوا تھا سو ہوا

آفریں دیدۂ گریاں ہوا طوفان بپا
مرحبا نالۂ سوزاں نہ ہوا تھا سو ہوا

ہم سے وہ بھی نہ ہوئی بات جو ہوسکتی تھی
تجھ سے اے دشمن ایماں نہ ہوا تھا سو ہوا

ناتوانی ہے یہ زوروں پہ کہ اٹھتا ہی نہیں
مسکن اپنا در جاناں نہ ہوا تھا سو ہوا

نئی رنجش ہے تو کیا کیا ہیں نئے غم دل پر
اور تو کیا میں کہوں ، ہاں نہ ہوا تھا سو ہوا

اے نظام اب تو ہوئی آپ کے دل کو تسکیں
ربط اغیار کا پیماں نہ ہوا تھا سو ہوا

(۴۸)

کیا جذب دل نے ، اثر تھوڑا تھوڑا
ہوا مہرباں وہ ، مگر تھوڑا تھوڑا

الٰہی غم ہجر بھی اک غضب ہے
کوئی سہہ بھی لے، ہو اگر تھوڑا تھوڑا

دم بوسہ وہ پیار بھی کچھ جتانا
وہ غصّہ بھی اس میں مگر تھوڑا تھوڑا

ابھی شام ہے دور ہے صبح وصلت
ابھی سے ہے درد جگر تھوڑا تھوڑا

بس اک بار کہہ دے جو کہنا ہو تجھ کو
نہ رک رک کے کہہ نامہ بر تھوڑا تھوڑا

یہ قسمت نکالے گئے بزم سے ہم
ہوا دل میں جب آس کے گھر تھوڑا تھوڑا

ستم شوخیاں اور حیا تھوڑی تھوڑی
غضب دیکھنا وہ ادھر تھوڑا تھوڑا

ذرا تھام لوں دل کو ھاتھوں سے قاصد
تو کہہ حال واں کا مگر تھوڑا تھوڑا

دم شکوہ باتیں بہت یوں بنائیں
ہوا دل میں وہ فتنہ گر[1] تھوڑا تھوڑا

شب وصل ھر بات پر وہ جھجھکنا
وہ بیٹھا ہوا دل میں ڈر تھوڑا تھوڑا

نظام آگے آگے خدا جانے کیا ہو
ابھی تو ہے دردِ جگر تھوڑا تھوڑا

(۴۹)

اعدا کی شوخیاں تھیں حسد کا ظہور تھا
اب کہیے تم جو روٹھے تھے کس کا قصور تھا

میں نے ھی تو کچھ آپ سے اپنا کہا تھا حال
میں ھی تو تھا وہ رات جو نشّے میں چور تھا

---

۱ - "مگر" مطبوعہ (ص ۹۳) غلط ، 'گر' تصحیح قیاسی - (فائق)

اس کا گلا نہیں جو رکے بے سبب رہے
یہ بھی کھلا کچھ آپ کو کس کا قصور تھا

وہ لطف انتظار ، وہ سامان وصل ہائے
دل کو غم فراق میں بھی اک سرور تھا

کیوں دیکھتے فراق کا دن اور یہ سختیاں
ہم کو شب وصال میں مرنا ضرور تھا

ہم مر کے کیا نہ چھٹ گئے درد فراق سے
بس اتنی بات پر تمہیں اتنا غرور تھا

آئینہ لے کے آپ ہی دیکھیں یہ کیا سبب
کل بھی تو یہ ہی حسن تھا اور یہ ہی نور تھا

ایسا نہ ہو کہ آئی شکایت پھر اُن کو ہو
کچھ اُن سے اپنا حال تو کہنا ضرور تھا

کیا کیا قلق وصال میں بھی تا سحر رہے
گھٹتی تھی رات اور غموں کا وفور تھا

اب ہو یہ حال آپ سے ایسا جدا رہا
وہ ہی تو ہے نظامؔ جو دائم حضور تھا

(۵۰)

توبہ ابھی نہ کی تھی ارادا بدل گیا
پھر جائیں واں خیال یہ اچھا بدل گیا

پھر کہتے ہو زبان بدلتا ہے یاں یہ کون
اتنے ہی میں وہ آپ کا وعدا بدل گیا

اب تم سے کیا کسی سے شکایت نہیں مجھے
تم کیا بدل گئے کہ زمانا بدل گیا

راضی ہوئے تھے صلح پہ پھر ضد پہ آگئے
شاید مرے نصیب کا لکھا بدل گیا

اتنے ستم سہے کہ وفا کی طلب نہیں
میں کیا کروں وہ حال ہی میرا بدل گیا

قاصد کو دیر ہو مجھے تسکیں ہو ہم دمو
دل کو ہراس کیوں نہ ہو، وہ کیا بدل گیا

تقصیر گر معاف ہو ویسے ہی ہم تو ہیں
پہلے سے کچھ مزاج تمھارا بدل گیا

بیٹھے ہیں ہم تو ضبط ہنسی کو کیے ہوئے
کہتے ہیں وہ یہ کس سے دوپٹا بدل گیا

اس بت کے ظلم سہتے کہاں تک نظام ہم
شکر خدا کہ یہ دلِ شیدا بدل گیا

(۵۱)

شام سے بھول گئے صبح تک اس کا جانا
وصل کی شب کو شب وعدۂ فردا جانا

گر کہوں آپ کی رنجش کا سبب ہے کچھ اور
کہتے ہیں خیر جو تم نے یوں ہی جانا جانا

کبھی کچھ سن کے وہ کچھ آنکھیں ملا کر کہنا
کبھی کچھ کہہ کے وہ کچھ آپ ہی شرما جانا

کسی حیلے سے تو جاتے تھے غنیمت تھے وہ دن
ہائے یوں ترک ہو اس بزم کا آنا جانا

نہ سہی کوئی سبب یہ کہو ہم کیا سمجھیں
بیٹھے بیٹھے ترا بے وجہ یہ گھبرا جانا

کیا سناتے ہو کہ کچھ آج طبیعت ہے اداس
مدعا آپ کا اس بات سے جانا جانا

ہم دموں کو مرے جینے کی توقع ہی نہیں
دم مردن مرے بالیں پہ ذرا آ جانا

کس کا شکوہ کریں دل بھی تو ہمارا ہے غضب
یہ بھی تو ایک ہی آفت ہے اسے کیا جانا

یہ تو سمجھو یہاں آیا ہوں میں کس مشکل سے
ایسا کیا سہل ہے اس کوچے سے میرا جانا

آپ سے حال دل زار نہ کس روز کہا
کب سنا تم نے نہ کب شکوۂ بے جا جانا

کس نے سمجھایا نہ کچھ کون نہ مانع آیا
مگر اس کوچے کا ہم نے بھی نہ چھوڑا جانا

کیوں نظام اب تو نصیحت ہوئی اب بھی سمجھے
سہل سمجھے تھے مگر دل کا کہیں آ جانا

(۵۲)

آتا ہی مرے پاس وہ کیوں کر نہیں آتا
قاصد ترا جانا مجھے باور نہیں آتا

بن آتی نہیں کوئی بھی تدبیر خدایا
کچھ ہم کو علاج دل مضطر نہیں آتا

منہ پھیر کے ہنس ہنس کے وہ اقرار کی باتیں
اس طور سے کرتے ہیں کہ باور نہیں آتا

اے قسمت بد خیر نہ آئیں ، وہ نہ آئیں
کیوں وقت ہمارا بھی برابر نہیں آتا

کیا پوچھتے ھیں آپ ، میں کچھ کہہ نہیں سکتا
جو حال ھے دل کا وہ زباں پر نہیں آتا

اس پیار سے وہ اور قسم کھائیں کسی کی
کیوں اب بھی یقیں اے دل مضطر نہیں آتا

وہ ھائے کسی کا طلب بوسہ میں کہنا
کیا قرض ھے کچھ فرض تو مجھ پر نہیں آتا

ھاں آپ کے جانے کو میں خوش ھو کے کہوں گا
ھاں جانے کا صدمہ مرے دل پر نہیں آتا

ھم جانتے ھیں غیر کو ، تم کیا اسے جانو
گو ھم کو فریب اس کے برابر نہیں آتا

ھمسائے میں دشمن کے عبث جا کے رھا میں
ضد سے مری وہ اس کے بھی اب گھر نہیں آتا

کہتا بھی نہیں اس سے حقیقت کوئی میری
مرتا ھوں میں، کیا یہ بھی وہ سن کر نہیں آتا

کیا بوسہ کہ دشنام بھی ھم کو نہیں ملتی
کیا رحم کہ غصّہ بھی تو ھم پر نہیں آتا

ھم نے بھی کسی سے نہ سنی کوئی شکایت
یہ سچ ھے تمھیں جور ، مقرّر نہیں آتا

قاصد کو عبث ناز ھے ، کیا جا کے کہے گا
اس شوخ سے باتوں میں تو میں بر نہیں آتا

اس بت کا دم شکوہ وہ الٹا مجھے کہنا
ان باتوں سے اللہ تجھے ڈر نہیں آتا ؟

جو بس میں نہ ہو بات ، نظام اُس کا عبث غم
اب کچھ کرو پاس آپ کے قیصر[۱] نہیں آتا

(۵۳)

عدو کو تم سے گلا بھی تو دوستانہ ہوا
نہ میں کہ میری مصیبت کا اک نشانہ ہوا

یہ دیکھتے ہوئے مجھ کو تو اک زمانہ ہوا
جو عہد تم نے کیا ، وہ کبھی وفا نہ ہوا

۱- ''قیصر'' نظام کے مرحوم بچے کا نام ہے جو بہ قول سید قیصر شاہ (خلف نظام) تین سال کی عمر میں داغ جدائی دے گیا تھا - اس کے بعد جو لڑکا ہوا اُس کا نام بھی ''قیصر'' رکھا ، اور ان سے میری ملاقات تیس سال پیش تر ہوئی تھی- (۱۹۳۵ع) جب نظام کا انتقال ہوا تو قیصر شاہ ساڑھے تین سال کے تھے- اس حساب سے ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ع) میں ان کی ولادت ہوئی تھی- ''قیصر'' جس کا مقطع میں ذکر ہے ، اس سے پہلے داغ مفارقت دے چکا تھا- نظام نے ایک قطعے میں اصغرعلی خاں سے اپنے بیٹے یا بیٹی کی شادی کے سلسلے میں مالی امداد چاہی ہے - قیصر شاہ نے اپنے علاوہ کسی اور اولاد کا ذکر نہیں کیا ہے - اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو بھی اولاد (علاوہ قیصر شاہ کے) نظام کی تھی ، وہ نظام کی حیات میں فوت ہوچکی تھی - وہ شعر یہ ہے:

گلہ کیا کیجیے شادی ہے اس عاجز کے بیٹے کی
عنایت ہو تری تو سہل ہے اس غم سے چھوٹ جانا

(کلیات نظام ، ص ۲۷۰) (فائق)

جو شب ہوئی تو وہی دن کا غم رہا دل پر
جو دن ہوا تو وہی گریۂ شبانہ ہوا

مجھی پر آفتیں نازل ہیں چرخ سے صدہا
یہ میں ہی تیر محبّت کا اک نشانہ ہوا

وہ بد گماں ہوں ، تسلّی نہ ہو قسم پر بھی
عبث علاج کہ یہ درد ، جاودانہ ہوا

ہمیں تھے ایک ملامت کو، دیکھ اے ناصح
کہ سجدہ گاہ خلائق وہ آستانہ ہوا

تمھارا غیر سے ملنا کسی سبب سے سہی
ہماری جان گئی لوگوں کو بہانہ ہوا

گئے یہ ہوش نہ کچھ کہہ سکا ، نہ روک سکا
سحر کو پاس سے میرے جو وہ روانہ ہوا

یقین اب تو سہی اُس کے عہد کا کچھ ہو
تسلیٔ دل مضطر کو اک بہانہ ہوا

وہاں کے جانے میں اک لطف تھا سو وہ بھی گیا[۱]
عدو کا گھر بھی اب ان کے قریب خانہ ہوا

گلے کی جا ہے کہ سو شکر ہے اس ایذا پر
ہوئے وہ دوست کہ دشمن مرا زمانہ ہوا

وہی ہے شام سے تقریر آپ کی اب تک
تمام رات ہوئی کچھ بھی فیصلا نہ ہوا

۱- نسخۂ مطبوعہ پر ''سو وہی بنا ہے''۔ صحیح لفظ پڑھا نہ گیا ، اس لیے '' وہ بھی گیا '' تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)

کلام بعد ہے، لب پر ہے آہ پہلے نظام
سبب یہ ہے جو سخن میرا عاشقانہ ہوا

(۵۴)

تمہیں اپنی خوشی سے کام، کیوں غم ہو مرے غم کا
یہی رنجش ہے کچھ روزوں مٹے جھگڑا تو ہر دم کا

عجب کیا ہے جو ظلموں کی ترے کچھ انتہا بھی ہو
مگر پایاں نہیں ظالم ہمارے رنج پیہم کا

گو وہ آئیں گے کل کو نامہ بر کل کس نے دیکھی ہے
سہی سب کچھ، مگر دشوار ہے گھٹنا شب غم کا

وہاں دے دے کے قسمیں غیر کو ہر دن وہ رکھتے ہیں
یہاں یہ حال ہے میرا کہ مہماں ہوں کوئی دم کا

کہاں آئیں کہ لینا سانس بھی دشوار ہے اب تو
کہاں رونا کہ آنکھوں میں نہیں اب نام بھی نم کا

سبب ہے کچھ تو جو پیش نظر ہے آئینہ ہر دم
نہیں بے وجہ یہ پھروں بنانا زلف پرخم کا

ادھر کچھ وہ سمجھتے ہیں، ادھر کچھ ہم سمجھتے ہیں
کوئی کیا سمجھے ان باتوں کو یہ جھگڑا ہے باہم کا

ہمیں تو وصل کی شب میں بھی کیا کیا وہم ہوتے ہیں
ترقی ہے وہی درد و الم کی، ذکر کیا کم کا

شب وصل اُس کا وہ گھبرا کے اُٹھ اُٹھ کر یہ کہہ دینا
سحرؔ اب تو ہوئی، نکلا یہ دن، خورشید بھی چم کا

نہ جیتے بات بھی پوچھی، موئے پر کب یہ قسمت تھی
کسی کا سوگ ہے اُن کو بہانہ میرے ماتم کا

کسی نے دوستی کچھ کی ، کہا قاصد نے سچ کس دن ؟
نظام اُس کا گلا کیا ہے ، یہی نقشہ ہے عالم کا

(۵۵)

جی میں کچھ اپنے نہ شک لائیے گا
شوق سے آپ یہاں آئیے گا
بے ملے اُن سے تو ممکن ہی نہیں
دل کو کس طرح سے بہلائیے گا
خیر جو ہوگا وہ ہوگا ہم پر
شوق سے آپ چلے آئیے گا
ہائے کیا ذکر یہ چھیڑا ہم دم
اُس کی بس یاد نہ دلوائیے گا
باعث رنج نہ پوچھو ہم سے
اپنے ہی جی میں سمجھ جائیے گا
غیر کا ذکر بھی آنے کا نہیں
یاں تو آپ ایسے ، نہ گھبرائیے گا
اس کو میں چھوڑ دوں ناصح کیا خوب
یہ کسی اور کو سمجھائیے گا
اُس کے ملنے کی بھی امّید نہیں
دل کو کس طرح سے بہلائیے گا
اب یہ حالت ہے کہ ہم دم میرے
کہتے ہیں ، کیا اسے سمجھائیے گا
غیر سے کچھ نہیں الفت تم کو
اُس کے سر کی تو قسم کھائیے گا

کہتے ہیں یاد رہے گا تا زیست
ہم سے مل کر وہ مزا پائیے گا
آج کل آپ سے باہر ہے نظام
کہیں محفل میں نہ بلوائیے گا

(۵۶)

ترے آگے عدو کو نامہ بر مارا تو کیا مارا
نہ مارا جاں سے جس دم، اُس کو گر مارا تو کیا مارا
اگر دل مارتے اپنا تو کیوں یہ ذلتیں پاتے
تری خواہش میں ظالم ہم نے سر مارا تو کیا مارا!
وہ ماریں قہقہہ ، سن کر مری سینہ زنی کا حال
ادھر مارا تو کیا مارا ، اُدھر مارا تو کیا مارا
تمھارے ہاتھ تو لے لیتا اپنے ہاتھ سے (کذا) ہیہات
دوپٹے سے جو پھونچے باندھ کر مارا تو کیا مارا
نہ دیکھو دور سے ہی مجھ کو ان ٹیڑھی نگاہوں سے
کسی کو تیر تم نے پھینک کر مارا تو کیا مارا
صبا یہ کب جلی ہوتی جو شام ہجر گل ہوتی
طپانچہ شمع کو وقت سحر مارا تو کیا مارا
ہوا ہے میری رسوائی سے تیرے حسن کا شہرہ
جو مجھ کو جاں سے اے "بے دادگر" مارا تو کیا مارا
تری دوری میں بے تاثیر گر روئے تو کیا روئے
تری فرقت میں نعرہ بے اثر مارا تو کیا مارا
کبھی ہوتا ہے دل کا جوش سودا کم، عبث رگ زن
رگوں میں میری تو نے نیشتر مارا تو کیا مارا

نظام اس نفس امّارہ کی گردن بھی کبھی توڑی
جواں مردی کا دم تم نے اگر مارا تو کیا مارا

(۵۷)

دیکھیے تو خیال خام مرا
آپ سے اور برائی کام مرا
کبھی اس بزم تک رسائی ہو
پھر کوئی دیکھے اہتمام مرا
شب کی باتوں پر اب بگڑتے ہو
آنکھ اٹھا کر تو لو سلام مرا
نام اک بت کا لب پہ ہے واعظ
ہے یہی ورد صبح و شام مرا
غیر یوں نکلیں اس کی محفل سے
جس طرح اے نظام نام مرا

(۵۸)

راضی جو وصل پر بت پیماں شکن ہوا
وہ بدگماں ہوں اور بھی رنج و محن ہوا
اچھا نشانی اپنا دوپٹہ نہ دیجیے
سن لیں گے آپ دفن کوئی بے کفن ہوا
گو اور کچھ نہ شکووں سے حاصل ہوا مجھے
اس بات کا ہے شکر کہ وہ ہم سخن ہوا
جو بات دل میں ہوگی وہ کب لب پہ آئے گی
سو بار ذکر غیر سر انجمن ہوا
نادم ہوا میں پیار کی نظروں سے دیکھ کر
شرمندہ اپنے دل میں وہ پیماں شکن ہوا

چپ وہ اُدھر کو بیٹھے رہے اور ادھر کو میں
مطلب کی کوئی بات ، نہ کوئی سخن ہوا

اے دل یہ کیا کیا کہ بلا اپنے سر پہ لی
کیوں مبتلائے زلف شکن در شکن ہوا

رنجش کی باتیں چھوڑو، نہ کھلواؤ منہ مرا
کہتا ہوں میں بھی یاد مجھے اک سخن ہوا

یہ ظلم دیکھیے وہ عیادت کو آئے کب
مرنے کے جب قریب کوئی خستہ تن ہوا

واعظ کبھی تو کوے بتاں کی بھی سیر کر
کیا میں ہی بد طریق ہوا ، بد چلن ہوا

پیر مغاں کے کہنے سے توبہ نہ توڑتا
زاہد یہ شکر ہے کہ نہ میں دل شکن ہوا

وعدہ کیا تھا آنے کا ، دن ہو گیا تمام
دشمن ہماری جان کو چرخ کہن ہوا

کیا خوب گالیوں پہ تو کھولا ہے تم نے منہ
اور اور باتوں کے لیے عذر دہن ہوا

اک تو ہی رہ گیا تھا ملامت کے واسطے
ناصح ہماری جان کو جہاں طعنہ زن ہوا

یوں باتیں کرتے کرتے خموشی کا کیا سبب
کیا حیلہ کوئی بھولے، کوئی یاد فن ہوا

افسوس اضطراب مرا مانع آ گیا
آمادہ قتل پر جو وہ ناوک فگن ہوا

کعبے کا قصد چھوڑ کے کوے بتاں نظام
اللہ اب بڑھاپے میں تو بد چلن ہوا

(۵۹)

ہم کو شب وصال بھی رنج و محن ہوا
قسمت، خلاف طبع ہوا، جو سخن ہوا

پھر آنے کی ہوس میں سحر کس خوشی کے ساتھ
ہمراہ نالہ، درد جگر بھی معن[1] ہوا

گردش بھی اُس کے کوچے میں ہے اور قرار بھی
قسمت تو دیکھیے کہ سفر میں وطن ہوا

قاتل ادائے شکر کو (کذا) یا شکووں کے لیے
جو زخم جسم پر ہوا گویا دہن ہوا

ثابت قدم ہوا نہ رہ عشق میں کوئی
مجنوں کوئی ہوا تو کوئی کوہ کن ہوا

کچھ مجھ سے شب کو غیر کے اظہار کے لیے
یہ عشق بازی کی تھی کہ اپنا یہ فن ہوا

دشمن سے اور ہوتیں بہت باتیں پیار کی
شکرِ خدا یہ ہے کہ وہ بت کم سخن ہوا

لب پر ہنسی وہ آئی وہ چین جبیں گئی
کہتا تو ہوں خصّ عوضِ تیولہ بن ہوا

آئینہ دیکھ دیکھ کے، کیا دیکھتے ہو تم
چھونا بھی یاں نصیب تمھارا بدن ہوا

اب بوسہ دینے میں تمھیں کس بات کے ہے عذر
گالی کے دینے سے ہمیں ثابت دہن ہوا

حق بات تو یہ ہے کہ اُسی بت کے واسطے
زاہد کوئی ہوا تو کوئی برہمن ہوا

۱- معن : معاً - (فائق)

تقدیر کی یہ بات ہے اب کیا کرے کوئی
راضی ہوئے وہ بوسے پہ تو گم دہن ہوا

پھر میرے اضطراب میں کیوں شک ہے آپ کو
اُلفت کا جب یقیں تمہیں اے جانِ من ہوا

لب تک نہ آیا حرف تمنا کبھی نظامؔ
گویا مرا سخن بھی تمہارا دہن ہوا

(۶۰)

آپ سن لیں گے کوئی دم میں جو کچھ یاں ہوگا
پھر جو آئے بھی تو دشمن ہی پہ احسان ہوگا

غیر[۱] بھی میری طرح تابعِ فرماں ہوگا
ایسی باتوں کا یقیں آپ کو ہی ہاں ہوگا

یا خدا ہجر کے دن بھی کبھی کٹ جائیں گے
وہ بھی دن ہوگا، شبِ وصل کا ساماں ہوگا

پوچھتے کیا ہو کہ کیوں وصل میں بھی تو ہے اداس
دل میں باقی مرے بھی کوئی تو ارماں ہوگا

سہی وحشت ترا وعدہ کہیں جانے دے گا
اب مرے واسطے گھر ہی مرا زنداں ہوگا

صرف کہنے سے ترے میری تسلی ہوگی
غیر سے کیا نہ ترا وعدہ و پیماں ہوگا

۱- ''کلیات نظام'' کے مرتب، قدرت کو اشعار ۲ تا ۶ بعد میں دستیاب ہوئے تھے جو صفحہ ۲۶۵ اور ۲۶۶ پر طبع ہوئے تھے۔ میں نے یہ اشعار جو غزل نمبر ۶۰ کے تھے، شامل غزل کر دیے ہیں۔ (فائق)

ہوگیا جان کا رکھنا تو ابھی سے مشکل
دیکھیے آگے کو کیا کیا، غم ہجراں ہوگا

کہتے ہیں موت کا ہے درد اٹھانا مشکل
آپ کے ہجر کے جینے سے تو آساں ہوگا

قاصدا! گر تو وہاں سے نہ پھرے گا جلدی
بے قراری سے عجب حال مرا یاں ہوگا

شکر قاصد کہ ہوئی عرض تمنّا مقبول
پر یقیں ہے تجھے، وہ گھر مرے مہماں ہوگا

کیا نہ کی وصل میں ضد، کون سی کی میری خوشی
اور کیا اس سے زیادہ شب ہجراں ہوگا

جی سے جانا تو مجھے ہجر میں آساں ہوگا
پر۱ یہ مشکل ہے کہ تو سن کے پشیماں ہوگا

مرتے ہیں ایک نظر دیکھ ہی لیں جی بھر کے
اب بھی آ جاؤ گے اے جان تو احساں ہوگا

دیکھو اتنا نہ ستاؤ، نہیں کیا دو گے جواب
گر کوئی تم سے مرے حال کا پرساں ہوگا

آئنہ دیکھ کے اے جان تجھے حیراں ہے کیا
آئنہ کیا، جو تجھے دیکھے گا۲ حیراں ہوگا

صاف تو مجھ سے نہ کہیے کہ ملوں گا ہی نہیں
دل مرا اور بھی اس غم سے ہراساں ہوگا

۱۔ ''پھر'' نسخہ مطبوعہ (ص ۵۷) میں با معنی نہیں، ''پر'' تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)

۲۔ ''دیکھ کے'' مطبوعہ کلیات نظام (ص ۵۷) میں ہے جو بے معنی ہے، ''دیکھے گا'' تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)

سن کے کیا جانیے ، کیا کیا نہ کریں گے تاویل
حال دل میرا وہاں ، خواب پریشاں ہوگا
کس کو کم فہموں کی خاموشی کا شکوہ ہے نظام
داد دے گا وہی جو کوئی سخن داں ہوگا

(۶۱)

قطع اُمید کا شیوہ ہے بھلا یاں کس کا
اس میں کیا شک ہے ہوا ہے، تو مری جاں کس کا
کہہ چلو تم تو سبھی کچھ مری تسکیں کے لیے
ایسا دل لاؤں گا پر میں شب ہجراں کس کا
چھپ کے ملنے کا یہ احسان نہیں مانتے ہم
صاف کھلواتے ہو ، ہے خوف تمھیں یاں کس کا
ایسا کچھ مجھ کو وہ لکھتے، یہ کسے تھی اُمید
نامہ قاصد نے خدا جانے دیا واں کس کا
آپ ظالم سہی پر ہم کو ستانا کیا ہے
ایسی باتوں سے یہاں دل ہے ہراساں کس کا
یوں چلے جائیں وہ رہ جاؤں میں حیران سا یوں
تھا مرے ہاتھ میں یا رب ابھی داماں کس کا
جان و دل دیتے ہیں ہم ایک نگہ کے بدلے
فائدہ کس کا ہے اس بات میں نقصاں کس کا
میری کچھ اور ہی وحشت ہے کہوں کیا مجنوں
وسعت دل ہے یہاں ، تنگ بیاباں کس کا
چھیڑنے کو مرے کہتے ہیں وہ مجھ سے شب وصل
آج سرگرمِ فغاں ہے دلِ نالاں کس کا

ہاتھ میں لیتے ہی، یوں رکھ دیا پیمانے کو
آ گیا یاد یہ اس دم تمھیں پیماں کس کا
قتل تو کرتے ہو کہنے سے عدو کے مجھ کو
یہ تو سوچو کہ ہوا مجھ پہ پھر احساں کس کا
کہیں واعظ کی نہ آ جائیو باتوں میں نظام
بت کے بندے ہوئے تو خطرۂ ایماں کس کا

(۶۲)

مری خاطر سے واں تک دوستو جاتے تو کیا ہوتا
کسی ڈھب سے جو یاں تک اُس کو لے آتے تو کیا ہوتا
ٹھکانے دل نہیں اب تک لگاوٹ کی بھی رنجش سے
میں حیراں ہوں جو تم یوں روٹھ ہی جاتے تو کیا ہوتا
ذرا تسکیں نہیں ہوتی کسی ہم دم کے کہنے سے
مرے حق میں اگر کچھ وہ بھی فرماتے تو کیا ہوتا
مرے سمجھانے کو تو ناصحا تشریف لائے ہو
اُسے جا کر اگر کچھ آپ سمجھاتے تو کیا ہوتا
نہ تم آتے تو ہم کو چین آتا ہی نہیں ہر گز
ہزاروں طور سے گر دل کو بہلاتے تو کیا ہوتا
بھلا ناحق کے مجھ کو وہم میں کیوں آپ نے ڈالا
مرے آگے نہ غیروں کی قسم کھاتے تو کیا ہوتا
نظام اُن کو سحر ہوتے چلا جانا ہی جب ٹھہرا
ٹھہرتے کب، اگر ہم لاکھ ٹھہراتے تو کیا ہوتا

(۶۳)

غم میں تیرے مجھے رسوائے جہاں ہونا تھا
یوں ہی قسمت میں مری اے مری جاں ہونا تھا

جا کے قاصد وہاں کچھ بات نہ کی، کچھ تو کہی
میرا مضمون تجھے سب ورد زباں ہونا تھا

بخشواتا ہے کوئی کچھ، کوئی کچھ کہتا ہے
مرتے ہیں ہم، تمھیں اس دم تو یہاں ہونا تھا

دیکھ لیتے دم رخصت تو نظر بھر اُن کو
کیا اسی دم تجھے بھی اشک رواں ہونا تھا

سچ ہے تم غیر سے میرے ہی سبب سے روٹھے
ہاں جی ہاں آپ سے ایسا ہی تو ہاں ہونا تھا

کہتے ہیں نکلے تھے شب گھر سے وہ جانے کو کہیں
ہائے اُس دم مجھے موجود وہاں ہونا تھا

سہتے سہتے غم دوری (سے¹) مرا میں تو نظامؔ
وصل ہونا تجھے اُس کا نہ یہاں ہونا تھا

(۶۴)

اب تو آ ظالم بھلا کیا وقت ہے تکرار کا
دم لبوں پہ آ کے ٹھہرا ہے ترے بیمار کا

ہے² غضب ہر بات پر کرنا ترا تکرار کا
کچھ زیادہ لطف ہے اقرار سے انکار کا

۱- ”سے“ اصل میں نہیں ہے، تصحیح قیاسی کی گئی (فائق)

۲- شعر ۲، ۱۲، ۱۳، ۱۴ وہ ہیں جو قدرت کو بعد میں دست یاب ہوئے۔ صفحہ ۲۶۲ کلیات نظام پر نو اشعار کی پوری غزل درج ہے، لیکن اشعار ۶ تا ۹ اور مقطع وہی ہیں جو مطبوعہ غزل ۶۳ میں صفحہ ۵۹ کلیات نظام میں موجود ہیں، اس لیے صرف چار شعر شامل کیے گئے ہیں۔ (فائق)

ہائے کن اٹکھیلیوں سے چال چلتا ہے وہ شوخ
ہر قدم پر اور ہی انداز ہے رفتار کا

مجھ کو یہ ڈر ہے خفا ہی تم نہ ہو جاؤ کہیں
ہوسکے تو چھوڑ دیجیے روٹھنا ہر بار کا

تو جو ہو ہم سے خفا ، جائیں بھلا پھر ہم کہاں
اے صنم کس جا ٹھکانا ہے خدا کی مار کا

یا الٰہی ہم تو اس کوچے میں بھی جانے نہ پائیں
بزم ہو اور وہ ہو اور مجمع رہے اغیار کا

ہائے جس دم یاد آتا ہے اچٹ جاتی ہے نیند
سوتے سوتے وہ لپٹ جانا بت عیّار کا

ایک دل ہے کیا کروں میں دونوں صدمے ہیں غضب
رشک دشمن کا سہوں یا غم فراق یار کا

جو کہ ناداں ہے وہ کیا جانے تری چاہت کی قدر
اے پری دیوانہ بنتا کام ہے ہشیار کا

ق

کیا ندامت ایک دن گزری کہ سوتا جان کر
ایک سے کچھ شکوہ کرتا تھا میں اس عیّار کا

چپکے چپکے سن رہا تھا وہ بھی کچھ کہنے لگا
واہ کیا کہنا ہے صاحب آپ کی گفتار کا

جی میں کہتے ہیں کہ یہ یہ کچھ کہیں گے اب کی بار
سامنا پر ہو سکے ہے کس سے اس طرّار کا

ق

اشتیاق دید میں اور خوف جاناں کے سبب
یہ طریقہ ہوگیا ہے اب تو مجھ ناچار کا

ڈرتے ڈرتے اس کے کوچے کی طرف جا کر کبھی
دور سے نظارہ کر آنا در و دیوار کا

وصل تو ممکن کہاں یہ بھی نہ چھٹ جائے نظام
دیکھ لینا ہی غنیمت ہے مجھے دل دار کا

(۶۵)

ابھی آتے ہی جو گھر یاد آیا
کوئی صاحب کو مگر یاد آیا

ابھی لائے ہیں جہاں سے مجھے دوست
پھر وہی گھر ، وہی در یاد آیا

سوچ میں کٹ گئی سب وصل کی شب
شام سے وقت سحر یاد آیا

عمر گزری ہمیں کرتے فریاد
نہ کوئی سننے کو فریاد آیا

سن کے پھر کس سے کہوں گا قاصد
کچھ اگر بار دگر یاد آیا

یاد مجھ کو نہ کیا تو نے کبھی
ہمیں تو آٹھ پہر یاد آیا

ہچکیاں کیوں چلی آتی ہیں مجھے
زہے قسمت انہیں گر یاد آیا

لو چلو جھوٹی نہ کھاؤ قسمیں
مجھے دیکھا مرا سر یاد آیا ؟

خود[۱] فراموشی پہ بھی ہے تری یاد
بس ادھر بھولے اُدھر یاد آیا

توبہ واں جانے سے کرتے ہو نظام
کیا کرو گے وہ[۲] اگر یاد آیا

(۶۶)

سوچ دیکھو یہی اب ہے یہ طریقا کیسا
میں کہوں حال دل اپنا ، کہو تم "کیا؟ کیسا؟"

ستم و جور سوا آپ سمجھتے نہیں کچھ
کیسے ہوتی ہے تسلی ، ہے دلاسا کیسا

چپ بھی وہ بیٹھنے دیں بزم میں اس پر بھی ہیں تنگ
لب ہلا سکتے نہیں ، بات کا کہنا کیسا

گو کہ مرتا ہوں مگر ہے وہی اُمیّد وصال
اپنے جینے کا ہے مجھ کو بھی بھروسا کیسا

اب تو اغیار بھی آتے ہیں مرے دیکھنے کو
آپ تو دیکھیں کبھی حال ہے ، میرا کیسا

آ گیا کس بت بے رحم کے بس میں افسوس
مری قسمت میں یہ ہونا تھا خدایا کیسا

۱- صفحہ ۳۶۶ کلیات نظام مطبوعہ سے یہ شعر شامل کیا گیا۔ (فائق)

۲- "جو وہ گر" مطبوعہ نسخے میں بے معنی ہے ، کتابت کا سہو معلوم ہوتا ہے - "وہ اگر" تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

کیسے کیسے سہے غم آپ کی خاطر میں نے
یہ بھی پوچھا نہیں اب حال ہے تیرا کیسا
دم مرگ اُس کو جو بالیں پہ نہ دیکھا میں نے
ہائے اُس وقت مجھے یاد وہ آیا کیسا
''جاؤں ، جاؤں'' تو نہ کہہ کہہ کے مرے ہوش اڑاؤ
ابھی آتے ہی یہ فرمائیے جانا کیسا ؟
یاد تو کیجے یہی قول یہی وعدے تھے
اپنے دل سے مجھے صاحب نے بھلایا کیسا
کیا نظام اُس بت بے رحم سے پھر بگڑی ہے
کچھ تو کہہ حال ہے یہ تو نے بنایا کیسا

(٦٧)

ربط دشمن سے ہے انکار ، تو کرنا پھر کیا
فیصلہ ہے ابھی سب ، آپ سے جھگڑا پھر کیا
نامہ بر لانے کی تو اُس کے کرے گا تدبیر
اور اگر اُس نے نہ مانا تو کرے گا پھر کیا ؟
پہلے یہ کہہ لو کہ مانوں گا میں تیرا کہنا
آپ کا پوچھنا کیا اور مرا کہنا پھر کیا ؟
مجھ کو اُلفت ہے وہ کچھ ، آپ کو نفرت یہ کچھ
یہ تو فرماؤ کہ اس باب میں ہونا پھر کیا
جب یہی ٹھہرا کہ غم کھانا ، بلا سے مرنا
کیجیے اُس سے گلا رنجش بے جا پھر کیا
مری تسکین کی پھر کون سی صورت کہیے
نہ کسی بات کا اقرار نہ وعدا پھر کیا

کہتے ہیں کیا مرا ذمّہ ہے کسی کی تسکین
مل گیا ہی اگر اک بار، تو اچّھا، پھر کیا

وہی باتیں، وہی وعدے، وہی صاحب، وہی میں
اب نہ ...وں گا مجھے دیتے ہو دھوکا پھر کیا

واں نہ جاؤں گا اگر سب کی یہی مرضی ہے
دل بے تاب کی تدبیر کروں گا پھر کیا

اُن سے ملتے ہی ابھی حال یہ کچھ ہے میرا
ابھی یہ حال ہے تو دیکھیے ہوگا پھر کیا

ایسی باتیں بھی ہوا کرتی ہیں اُلفت میں، **نظام**
بے سبب گر وہ خفا تجھ سے ہیں شکوا پھر کیا

(۶۸)

یہ تو بتلا دے تو قاصد سامنا کیوں کر ہوا
مدّعا دل کا مرے تجھ سے ادا کیوں کر ہوا

بھول جانے کا تمھارا عذر تو اک بات ہے
ہے یہی عادت تو پھر وعدہ وفا کیوں کر ہوا

جی میں کہتا ہوں کسی ڈھب سامنا تو اُس سے ہو
پھر یہ کہتا ہوں کہ یا رب سامنا کیوں کر ہوا

وہ خفا ہوتے تو ہوتے غیر تو ہوتا نہ خوش
ہائے یہ مشہور قصّہ جا بہ جا کیوں کر ہوا

بے وفائی بھی کرو پھر با وفا کیوں کر ہو تم
میں جفائیں بھی سہوں پھر بے وفا کیوں کر ہوا

اُس کے وصل و هجر پر خود مجھ کو حیرت ہے **نظام**
مل گیا تھا مجھ سے کیوں کر پھر جدا کیوں کر ہوا

(۶۹)

فراق میں تو ستاتی ہے آرزوے وصال
شبِ وصال میں کیوں درد دل دوچند ہوا
خدا ہی جانے کہ کیا دل پہ چوٹ لگتی ہے
تمھارے پاس جو آیا وہ درد مند ہوا
نہ کیوں کہ جان دیں اس رشک سے بھلا اپنی
ہمارا آج سے جانا وہاں پہ بند ہوا

(۷۰)

تصور ہے ہمیں ہر دم تمھارے روے تاباں کا
رہا کرتا ہے ہم کو ہر گھڑی اب ورد قرآں کا
مجھے دو شانہ، تم خاموش بیٹھو، آئینہ دیکھو
بنانا آپ کو آتا نہیں زلف پریشاں کا
کہیں اور آنے جانے کی نہیں عادت رہی، ہم تو
جو نکلے کوے جاناں سے لیا رستہ بیاباں کا
روٹھا دینا ، رلا دینا ، منا لینا ، لگا لینا
یہ ہردم شغل ہے، اک کھیل ہے اس آفتِ جاں کا

(۷۱)

یہ[1] ہی اُلفت ہے تو یہ اے تندخو ہوجائے گا
تجھ سا میں ہو جاؤں گا اور مجھ سا تو ہو جائے گا

۱- یہ غزل ''تذکرۂ نادر'' مصنفہ کلب حسین خاں نادر- مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب مطبوعہ سرفراز پریس لکھنؤ ۱۹۵۷ع صفحہ ۱۶۶ پر ہے، البتہ شعر نمبر ۵ نہیں۔ ''کلیات نظام'' (صفحہ ۶۲) میں صرف پانچواں شعر اور مقطع ہے - (فائق)

کیا شکایت کیجیے یاد آئیں گے بھولے ستم
اور کیا ہو گا خفا وہ تندخو ہو جائے گا

ہو انھیں انکار ملنے کا وہاں لے تو چلو
فیصلہ میرا اور اُن کا رو بہ رو ہو جائے گا

ہم شکایت سے تری باز آئیں لیکن کیا کریں
صبر تو ممکن ہے پر تو ظلم‌خو ہو جائے گا

دل تو ایسا بدگماں ہے ہو چکی تسکیں مری
صلح پر راضی بھی گر وہ جنگ جو ہو جائے گا

وہ ہی سب باتیں ہوئیں کیوں ہم نہ کہتے تھے نظام
مل کے اُس عیّار سے بدنام تو ہو جائے گا

(۷۲)

ہائے میں بے ساختہ کہہ بیٹھتا ہوں آپھی آپ
لے دل بے تاب اب ملنے کا ساماں ہوگیا

لطف کیا کیا ہیں تصور میں بھی رہنا یار کا
گاہ مشکل ہوگیا اور گاہ آساں ہوگیا

جاں بہ لب سن کر عیادت کو مری وہ آ گئے
درد ھی دردجگر کا میرے درماں ہو گیا

میں تو مرتا ھی تپ ھجراں سے اس کا کیا ہے غم
آپ خوش ہوں آپ کا دشمن پہ احساں ہوگیا

وائے قسمت جو تمنّا تھی ہمیں اک عمر سے
واں عدو سے آج اُن کا عہد و پیماں ہوگیا

(۷۳)

یہ ہی اک دل کی ہوس ہے وہ اگر آ جائے گا
کیا مزہ یہ پائے گا غش دیکھ کر آ جائے گا

یہ سمجھتا ہوں وہ کب آئے مگر اُس کا ہے دھیان
کیا غضب ہوگا یقیں مجھ کو اگر آ جائے گا

کیا ہمیں شہرت سے اعدا کی خوشی منظور تھی
یہ توقع تھی کہ وہ بھی نفس پر آ جائے گا

تم چلے جاؤ گے دل کی حسرتیں رہ جائیں گی
باتوں باتوں میں وہی وقت سحر آ جائے گا

(۷۴)

غیر سے بھی کبھی کچھ ذکر مرا کرتے ہو
گو وہ ہم راز ہوا میرے برابر نہ ہوا

میرے کہنے کا یقیں آپ کو پھر کیا ہوگا
مجھ پہ ہوتا ہے ستم وہ جو کسی پر نہ ہوا

دن ہی مشکل ہے مگر کیونکہ بسر ہوگی رات
اُس سے گر آج بھی ملنا دل مضطر نہ ہوا

(۷۵)

جب یہ سنا کہ وہ ادھر آ کر اُلٹ گیا[1]
اس صدمے سے مرا دل مضطر اُلٹ گیا

برگشتہ بخت اپنے ہیں قاصد جو تیرے ساتھ
در تک جو میرے آکے، وہ دل بر اُلٹ گیا

---

(۱) ''الٹ گیا'' ردیف اس مقام پر صحیح نہیں بیٹھی۔ فائق

یا ہم سے وہ تپاک تھے ، یا اب یہ رنجشیں
حیران ہوں کہ دل ترا کیوں کر اُلٹ گیا

یہ لا رہا ہے زلزلہ یاں اضطراب میں
ہردم یہی گماں ہے کہ اب گھر اُلٹ گیا

قسمت اُلٹ گئی مری قاتل کا کیا قصور
میرے گلے پہ رکھتے ہی خنجر اُلٹ گیا

گو جھوٹے وعدے تھے ولے تسکینِ دل تو تھی
اب وعدے ہی سے صاف ستم گر اُلٹ گیا

تم اُلٹی سیدھی کہہ کے مجھے اب کہاں چلے
دیکھو تو ، دم بھی میرا ، یہاں پر اُلٹ گیا

تدبیر راست آئی نہ اپنی کبھی نظامؔ
جو اپنا مدّعا ہوا اکثر اُلٹ گیا

(۷۶)

دل تجھ سے بے وفا کو دیا ، میں نے کیا کیا
آپ اپنی جاں پہ ظلم کیا ، میں نے کیا کیا

دل پر جو گزرتی تھی کہتا تھا اُن سے کیا
وہ اور مجھ سے بگڑے ، گلا میں نے کیا کیا

اب اور بھی کریں گے تغافل وہ جان کر
کیوں اُن سے اپنا حال کہا ، میں نے کیا کیا

جس بات کا ہے رنج تمھیں جانتا ہوں میں[1]
ہوتے ہیں آپ مجھ سے خفا ، میں نے کیا کیا

۱۔ مصرع ناموزوں تھا۔ ''ہوں'' کے بعد ''میں'' کا اضافہ تصحیحِ قیاسی ہے۔ (فائق)

تم سے برائیاں مری کرتے ہیں گو کہ غیر
انصاف کیجیے تو بھلا ، میں نے کیا کیا

وہ میرا حال کہتے ہیں ، لوگوں سے دیکھ کر
یہ تیری چاہ کی ہے سزا ، میں نے کیا کیا

وہ روٹھ کر چلے گئے ، اب کیسی ہوئے گی
جاتے ہوئے منا نہ لیا ، میں نے کیا کیا

دیکھو ستا ستا کے نہ مارو ، ہیں ہم بھی کچھ
یہ ہی کہا کرو گے سدا ، میں نے کیا کیا

کہنے کو ایک کے بھی نہ لایا خیال میں
کہنے پر اپنے دل کے چلا ، میں نے کیا کیا

مجھ کو نہ تم ستاتے نہ کہلاتے بے وفا
جو کچھ کیا سو تم نے کیا ، میں نے کیا کیا

میں مر گیا تو غم میں مرے کہتے ہیں نظام
سیّد کا خون سر پہ لیا ، میں نے کیا کیا

(۷۷)

غم تو تمھارے ہجر کا ، جی پہ مرے کمال تھا
مر نہ گیا میں ، یہ بھی کچھ آپ ہی کا خیال تھا

وصل کی رات بھی کٹی ، کیا ہی نیاز و ناز سے
اُس کے تو تھی، نہیں نہیں ، لب پہ مرے سوال تھا

برسوں میں وصل کی شب آئی، ھجر کے جاگے سو رھے!
آنکھ کھلی تو کچھ نہ تھا، خواب تھا، نہ خیال تھا

روز فراق کی کہوں تم سے میں کیا درازیاں
ایک گھڑی تھی ایک پل، ایک دن ایک سال تھا

آتے ھی مجھ سے روٹھنا ، کوئی خطا ، قصور بھی
میں تو نہ مانوں ، آپ کو اور ھی کچھ خیال تھا

یہ بھی عجب طلسم ھے ، دست نگار یار میں
مہندی لگی تو سبز تھی، پنجہ کھلا تو لال تھا

دیکھتے ھی کسی کی شکل، ھوش یہ کچھ اڑے نظام
دل میں ھزاروں شکوے تھے ، کہنا مگر محال تھا

(۷۸)

بے مروّت تو یار ھے کس کا
سوچ تو دل میں پیار ھے کس کا

جب ھوا تیرے اختیار میں دل
ھم پہ پھر اختیار ھے کس کا

غیر باتیں یوں ھی بناتے ھیں
اُن کے آگے وقار ھے کس کا

میں تو ناصح کی بات پر غش ھوں
تذکرہ بار بار ھے کس کا

---

۱ - مصرع اول نسخۂ مطبوعہ (ص ۲۶۱) میں اس طرح ھے جو ناموزوں ھے:
''برسوں میں آئی وصل کی شب ، جاگے تھے ھجر کے سو رھے''
بعد حذف اور تقدیم و تاخیر الفاظ ، مصرع قیاساً اس طرح درست کیا گیا ھے:
''برسوں میں وصل کی شب آئی ، ھجر کے جاگے سو رھے'' (فائق)

آس کے آئے پہ بھی یہ بےچینی
جانے اب انتظار ہے کس کا

جذب الفت سے بزم میں بولے
دل یہاں بے قرار ہے کس کا

آگے ہم اس گلی میں رہتے تھے
جانے اب واں گزار ہے کس کا

لو تمھیں دل پہ ہاتھ رکھ دیکھو
ایسا دل بے قرار ہے کس کا

حال اپنا نظام کہنا کچھ
پر تمھیں اعتبار ہے کس کا

(۷۹)

شب وصال بھی ہم سے وہ بے وفا نہ کھلا
کھلا نہ کس لیے ہم پر یہ ماجرا نہ کھلا

نہ کچھ خطا ہے، نہ کچھ بات پر ہے رک رہنا
کچھ اس رکاؤ کا صاحب کے مدّعا نہ کھلا

ہمیں نہ ایک بھی بن آئی سامنے اس کے
ہزار شکر کہ باتوں میں دل ربا نہ کھلا

ترے ستم کی شکایت کبھی کسی سے نہ کی
کسی پہ حال ہمارا کبھی ذرا نہ کھلا

میں جان بوجھ کے ایسے سے دوستو ملتا
ملے پہ بھی جو بہت روزوں بے وفا نہ کھلا

دل شکستہ کا مضموں لکھا تھا ہائے نصیب
سو پرزے پرزے ہوا اس سے خط مرا نہ کھلا

جو کہیے آپ پہ بھی کچھ کھلا ہمارا حال
تو کہتے ہیں وہ یہاں ایک ہے کھلا نہ کھلا
تمہارا کس لیے ایسا عتاب رہتا ہے
ہمیں قصور تمہارے نظام کا نہ کھلا

(۸۰)

کب بھلا مجھ کو قضا نے مارا
مجھے تو تیری جفا نے مارا
ہم کہیں حال، کہو تم، ہاں کیا
ہمیں اس آپ کی "کیا" نے مارا
وہ ہوا کھانے گیا غیر کے ساتھ
مجھے بن آئے ہوا نے مارا
ہائے کس رنج میں ڈالا ہے مجھے
اس دل رنج رسا نے مارا
آپ کے ظلموں سے مرتا نہیں میں
ہاں جی ہاں مجھ کو خدا نے مارا
وصل میں بھی تو نہ کچھ حال کہا
مجھے اپنی ہی حیا نے مارا
کوئی بچنے کے نہیں طور نظام
ہجر کے رنج و اذا نے مارا

(۸۱)

وہ تو یوں ہی کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
میرا یہ مقولہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کہہ جاتا ہے وہ صاف ہزاروں مجھے باتیں
پھر اُس پہ یہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

اے دوستو ، اُس شوخ کا میں کیا کہوں عالم
کچھ آج وہ دیکھا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

یوں غیر ستائیں مجھے اور[1] کچھ نہ کہوں میں
منہ مجھ کو تمھارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ہر بات پہ کیا کیا ہمیں کہتا ہے وہ ظالم
گر کہیے تو کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

بس اور کیا چاہتے ہو مجھ پہ ستم کیا
سوچو تو ، یہ تھوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا حال بنایا ہے ، غم غیر میں اپنا
وہ آپ کا نقشا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

جز میرے کسی اور کو تو آپ ستائیں
ہاں آپ نے سمجھا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ایسا ہمیں کہتے ہو کہ بس جانتے ہیں ہم
یہ آپ کو دھوکا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا کیا مجھے تم کہتے ہو انصاف تو کیجے
یہ حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

دعویٰ کریں گو اور نظام اپنے سخن پر
پر مجھ کو یہ دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

---

۱ - "اور" بر وزن "فع" - (ناشر)

(۸۲)

مجھ سے کچھ روٹھ کر جو یار اٹھا
ساتھ دل سے مرے قرار اٹھا

دل پکڑ کر میں اپنا بیٹھ گیا
اس ادا سے وہ کچھ نگار اٹھا

اب کوئی ہم یہاں سے اٹھتے ہیں
اپنے کوچے سے تو ہزار اٹھا

دل لگاتے ہی ہو گئے بے بس
دل سے بھی، اپنا اعتبار اٹھا

کون بیٹھا ہے تیرے پاس نظام
دیکھا[1] تو چشمِ اشک بار اٹھا

(۸۳)

اب تو فراق یار مرا کام کر گیا
سن لو گے ایک دن، کوئی جاں سے گزر گیا

خوبی مرے لکھے کی، کسے یاں سے بھیجیے
ان کا ہی ہو رہا، جو وہاں نامہ بر گیا

اب ہے یہ حال، نام سے تھی یا تو ان کے عار
اللہ وہ غرور ہمارا کدھر گیا

میں آپ جانتا ہوں کہ غیروں کی چھیڑ تھی
کیوں کہتے ہو کہ دل سے تو میرے اتر گیا

۱۔ "دیکھو" "کلیات نظام" (ص ۲۶۳) میں ہے۔ "دیکھا" تصحیح قیاسی ہے، اس لیے پہلے مصرع میں "تیرے" استعمال کیا گیا۔ روز مرہ چاہتا ہے کہ دوسرے مصرع میں "دیکھا" ہو۔ (فائق)

اپنے لیے تو وصل بھی اُس کا رہا غضب
گر منتوں سے آیا بھی تو روٹھ کر گیا

یاں تک تو میرے ساتھ ہے اُس حیلہ گر کو ضد
یاں درد دل اُٹھا تو وہاں درد سر گیا

مرنے کی میرے سن کے خبر، بولے، اُف نظام
ہم ایسا جانتے نہ تھے تو ہائے مر گیا

(۸۴)

شکوۂ رشک دشمناں کیسا
روٹھنا اُلٹا میری جاں کیسا

راز دل بھی کسی سے کہنا ہے
غیر ہے تیرا راز داں کیسا

یاں سے اُٹھنے کو کس کا دل ہوگا
دل نشیں ہے ترا بیاں کیسا

قاصدا! دیکھ لے مری حالت
چھوڑے جاتا ہے مجھ کو یاں کیسا

حال دل مجھ سے کچھ نہیں کہتا
ہوں میں تیرا مزاج داں کیسا

سن کے تو بھی تو ہوے گا غم گیں
غم فزا ہے مرا بیاں کیسا

اور کیا ظلم چاہیے مجھ پر
ہر گھڑی کا ہے امتحاں کیسا

یاں تو رو دھو کے عمر کاٹی نظام
دیکھیے حال ہو وہاں کیسا

(۸۵)

کیا[1] آپ کے نام کا اثر ہے
مشکل تھا جو کام دم میں نکلا

(۸۵)

۱

اُدھر[2] سے ناز ، ادھر سے نیاز مندی ہے
وہ لیں ، نہ لیں ہمیں جھک کر سلام کر لینا

ردیف ب

(۸٦)

دشمن سے پوچھتے ہو مری بات کا جواب
یہ بات ہی کچھ اور ہے ، اب اس کا کیا جواب

پھر اور واں کا حال سنوں گا میں نامہ بر
پہلے تو تو یہ کہہ کہ کچھ اُس نے دیا جواب

بس بس نہ آپ پوچھیں مرے دل کی آرزو
بھولا نہیں میں ، یاد ہے اُس روز کا جواب

---

۱ - منقول از صفحہ ۲٦٦ ''کلیات نظام'' مطبوعہ - (مرتب)
۲ - منقول از صفحہ ۲۷۰ ''کلیات نظام'' مطبوعہ - (مرتب)

ہم مبتلائے وہم ، تلوّن مزاج وہ
ہر دم ہے یاں سوال نیا ، واں نیا جواب

قاصد کو جتنی دیر لگی ہے ، یہ خوب ہے
تسکین دل تو ہے کہ کچھ اب لائے گا جواب

رکھا امیدوار مجھے اب تک آپ نے
انصاف ہے کہ آج یہ مجھ کو ملا جواب

جاتا کوئی بھی واں نہیں سب کو ہے مجھ سے بحث
اچّھا وہ کچھ تو دیتے برا یا بھلا جواب

بے ساختہ نہ کہیے جو آئے زباں پر
یہ عرض ہے کہ سوچ کے دیجے ذرا جواب

ناصح یوں ہی سہی کہ مزا کیا ہے عشق میں
واقف ہی تو نہ ہو تو تجھے دوں میں کیا جواب

نازاں تھے ہم بھی کس قدر اپنے کلام پر
منہ سے نہ نکلی بات بھی ، واں وہ سنا جواب

وہ پوچھتے ہیں غیر سے کیوں رشک ہے تجھے
اب کچھ نہ کچھ ضرور ہی دینا پڑا جواب

یہ ذلّتیں ، یہ رشک ، یہ لکھا نصیب کا
وہ غیر کو دکھائیں مرے نامے کا جواب

اب کیا علاج ہوسکے ، تدبیر اس کی کیا
تیرے مریض غم کو سبھی نے دیا جواب

تحریر[1] آپ کی بھی تو ہوگی کسی کے پاس
دکھلاتے آپ کیا ہیں مجھے غیر کا جواب

---

۱ - اشعار ۱۴ تا ۱۶ قدرت مرتب ''کلیات نظام'' کو بعد میں دست یاب ہوئے تھے صفحہ ۲۶۷ (کلیات نظام) پر درج تھے - اس غزل میں شامل کیے گئے - (فائق)

اچھا یہی کہو کہ ملیں ہم کسی سے کیوں
حجّت مرے لیے ہے یہی آپ کا جواب

کچھ میں نے بھی کہا ہو کسی بات پر کبھی
ہر دم دلاتے یاد ہیں مجھ کو مرا جواب

قاصد کو اُس طرف کو[1] ہے بھیجا خوشی خوشی
اب ہے یہ غم کہ دیکھیے لاتا ہے کیا جواب

قطع اُمید ہم سے تو ہوتا نہیں نظام
گو یوں دیا کرے ہمیں وہ بے وفا جواب

(۸۷)

دن کی بھی وصل یار میں ، ہم نے بنائی شب
پوچھا جو اُس نے صبح کو تو کچھ بتائی شب

دن تو شب فراق میں جوں توں گزر گیا
پھر وہ ہی ہم ہیں ، وہ ہی الم ، وہ ہی آئی شب

دن نکلے تک رہی وہی رنجش کی گفتگو
کیا جانے اُن کے دل میں تھی کیا کچھ سمائی شب

کچھ بات بھی تو کرنے نہ پائے کہ صبح تھی
کیا صاف باتوں باتوں میں اُس نے اُڑائی شب

اُس دم نہ مجھ سے لپٹے ، کہیں دور تو نہ تھا
کروٹ بدل کے سو رہے جو نیند آئی شب

۱۔ ”کو“ کے بعد ”تو“ زائد تھا ، مصرع غیرموزوں ہو جاتا تھا ، اس لیے حذف کیا گیا ہے ۔ (فائق)

اب صبح ہوتے مجھ کو مناتے ہو کس لیے
کیجے تو یاد کرتے تھے کیسی لڑائی شب
سوئے ہوئے نصیب تو دیکھو وصال میں
ایسی خوشی میں شام ہی¹ سے نیند آئی شب
جو دل کی آرزو تھی سو دل ہی میں رہ گئی
جھپکی ذرا بھی آنکھ ، تو پھر کچھ نہ پائی شب

قطعہ

عیاریوں سے وصل میں بھی چوکتے نہیں
سب میں نے اپنی بات کچھ اُن کو سنائی شب
یا چاہا کچھ تو کیا ہی لگاوٹ سے بول اُٹھے
شب تو پڑی ہے اپنی ، نہیں کچھ پرائی شب
دعوا بہت کلام کا تھا تم کو تو نظام
اک بات بھی نہ سامنے اُس کے بنائی شب

(۸۸)

حال دل سن کر نہ دینا اس ستم گر کا جواب
اک خموشی ہوگئی ، دفتر کے دفتر کا جواب
میں نے جو تجھ سے کہا تھا وہ تو تو نے کہہ دیا
نامہ بر مجھ سے نہ کہنا اُس ستم گر کا جواب
تم بھی پوچھو اشک دامن سے نہ جب بھی خشک ہو
کب ہے بارش میں ہمارے دیدۂ تر کا جواب

۱- ''ہی'' تصحیح قیاسی ہے ورنہ مصرع موزوں نہ رہتا ۔ (فائق)

حال دل کہنا بھی تھا تو اس قدر کہنا نہ تھا
کہتے تھے وہ کون دے دفتر کے دفتر کا جواب

دل کی کچھ خواہش ، دم تحریر اپنی کچھ ہوس
ہوگیا دشوار لکھنا خط دل بر کا جواب

یہ نئی تقریر ہے اور یہ نیا انداز ہے
اپنی کہنا اور نہ سننا اپنے مضطر کا جواب

قاصد جاناں کی تو ہمراہ آ جانا قضا
اتنی مہلت دے کہ کچھ سن لوں میں دل بر کا جواب

کس لیے خاموش ہو ، ناحق رکے بیٹھے ہو کیوں
کچھ تو کہیے ، کچھ سنوں تو ، بندہ پرور کا جواب

اُس صنم کی مثل بھی للہ کہہ دے ، ہے کوئی
تو نے زاہد کعبہ تو ٹھہرایا اُس گھر کا جواب

آپ تو شکووں کا اک دفتر کا دفتر کہہ گئے
گر سنوں تو میں بھی دے سکتا ہوں اکثر کا جواب

دل میں رکھنا بات کا ، یہ بات تو اچھی نہیں
کہہ بھی دو آیا ہوا روکو نہ لب پر کا جواب ؟

اے دل اب کس آرزو پر وصل کا خوہاں ہے تو
یاد ہے وقت سحر ، وہ اُس ستم گر کا جواب

آئنے کو دیکھ کر ہاں منہ بناؤ شوق سے
یہ برابر کی ہے چوٹ ، اور ہے برابر کا جواب

قتل گر اعدا بھی ہوں میری طرح تو لطف ہے
پھر نہ ہو دنیا میں قاتل تیرے خنجر کا جواب

لاجواب ایسی تو ہر صنعت ہے تیری اے خدا
پر شب فرقت ہے میری ، روز محشر کا جواب

کیوں بدلتے ہو زباں ، دل تو بدل سکتے نہیں
سن لیا میں نے جو تھا میرے مقدر کا جواب

پھر کہوں تجھ سے میں اپنی خواہش دل نامہ بر
پھر سنا تو مجھ کو وہ ہی اس ستم گر کا جواب

تو ہی[1] بد قسمت ہے اے دل ، وہ نہیں ہے بدمزاج
رو بہ رو قاصد کے لکھا اس نے اکثر کا جواب

دل کی تسکیں کے لیے باتیں بناتا ہے عبث
بے کہے معلوم ہے پیغام اور کا جواب

ہے عبث شکوہ کسی کا ، اپنی قسمت کا قصور
جو سوال اپنا ہے ، وہ ہے اس ستم گر کا جواب

ہم سے بھی گر ہوتی کچھ الفت تو ہنگام قسم
یہ ہمارا سر بھی ہوتا ، غیر کے سر کا جواب

آرزوے دل ابھی کہنی نہ تھی تم کو نظام
ہوگئی تسکیں ، سنا کچھ اس ستم گر کا جواب

(۸۹)

ساقیا آج پلا دے کسی تدبیر شراب
پر وہ ہو تیز کہ دل پر لگے جوں تیر شراب

جی کے بہلانے کی صورت شب غم میں ہے یہی
تم کہو نیکی ، مرے حق میں اکسیر شراب

واں کو جانا ہی نہ تھا ، عالم بے ہوشی میں
سچ ہے انسان کی کھو دیتی ہے توقیر شراب

۱- یہ شعر صفحہ ۲۶۷ ''کلیات نظام'' (مطبوعہ) سے شامل کیا گیا ہے - (فائق)

چشمِ مے گوں کا کسی کی جو میں لکھتا کچھ وصف
میرے خامے سے ٹپکتی دم تحریر شراب

منہ کو تکتے رہے ، قطرہ نہ دیا ایک کو بھی
رات پیتا رہا تو ، او بت بے پیر شراب

شمع کی رال ٹپکتی تھی ، کبھی جام کو دیکھ
مانگتا تھا کبھی منہ کھول کے گل گیر شراب

آئنے میں تو ذرا آنکھوں کا دیکھو عالم
پیتے ہی آپ کے تو کر گئی تاثیر شراب

ایک دم گر نہ ملے مجھ کو تو مر جاؤں نظام
قتل کرنے کو مرے ایک ہے شمشیرِ شراب

ردیف پ

(۹۰)

جب میں کہتا ہوں کب ملیں گے آپ
ہنس کے کہتے ہو، جب ملیں گے آپ

میں تو کہتا ہوں اب ملیں گے آپ
دل یہ کہتا ہے کب ملیں گے آپ

یوں ہی روٹھے رہو گے غیر سے تم
کون کہتا ہے اب ملیں گے آپ

قہر ہے درد انتظار کا لطف
کیا غضب ہوگا جب ملیں آپ
ہے خوشی انتظار کی ہر دم
میں یہ کیوں پوچھوں کب ملیں گے آپ
وعدہ بھی وہ کہ جو وفا ہی نہ ہو
جب خوشی ہوگی ، جب ملیں گے آپ
ایسا بھی ہوگا دن ، نہ ہوگا ہجر
ایسی بھی ہوگی شب ، ملیں گے آپ
کیوں نہ اس غم کی ہو خوشی مجھ کو
بعد رنج و تعب ملیں گے آپ
شکوے باہم نبٹ ہی جائیں گے
دیکھ ہی لیں گے ، جب ملیں گے آپ
غیر کے شکوے اور سنتا کون
مجھ سے اور بے سبب ملیں گے آپ
کیوں ہے انکار میرے ملنے سے
نہ ملوں گا میں جب ملیں گے آپ
ایک دم کو ملے تو خاک ملے
جان کر جاں بہ لب ملیں گے آپ
غیر سے آپ ہی تو روٹھیں گے
یوں ہی حیلے ہیں سب ملیں گے آپ
پھر ذرا پھر کے دیکھتے جاؤ
پھر خدا جانے کب ملیں گے آپ
لطف سو سو طرح کے دیکھو گے
گر یوں ہی روز و شب ملیں گے آپ

ایک سے دن کسی کے رہتے ہیں ؟
ایک دن بے طلب ملیں گے آپ

سچ کہو ، جھوٹ تو نہیں کہتے
آپ سے ہے عجب ملیں گے آپ ؟

روٹھنا بھی ہے اُن کا ایک ستم
اور پھر یہ غضب ملیں گے آپ

تم تو ہر بار یوں ہی کہتے ہو
میں یہ کیوں سمجھوں ، اب ملیں گے آپ

دیکھیں قسمت بھی ایسی ہوتی ہے
برسوں میں ایک شب ملیں گے آپ

یاد وہ رنج ہے کہ بھول گئے
پھر نظام اُس سے اب ملیں گے آپ

ردیف ت

(۹۱)

کہتے ہیں جائیں گے وہ غیر کے گھر آج کی رات
جذب دل کھینچ تو لا ، اُن کو ادھر آج کی رات

شام ہی سے دل بے تاب کی یہ حالت ہے
یا خدا ہووے گی کس طرح سحر آج کی رات

شب وعدہ ھی یہ شاید انھیں آ جائے خیال
کوئی دم جان حزیں اور ٹھہر آج کی رات
یہ بھی کچھ بات ہے منہ پھیر کے کروٹ لینا
کیا غضب ہوگا نہ سوؤ گے اگر آج کی رات
کیا سبب، کیا کسی دشمن سے ملے وہ ھم دم ؟
یوں تو ھر ایک غضب کٹتی تھی، پر آج کی رات؟
آپ جاتے تو ھیں یوں چھوڑ کے بے تاب مجھے
پر کسی وقت تو لینا ھی خبر آج کی رات
اور سو دن جو کہا تم نے وہ مانا میں نے
جانے دوں گا نہ تمھیں ایک مگر آج کی رات
یہی بے تابی یہی ، دیکھنا ہے اٹھ اٹھ کر
پھر بھلا کیا لگے بستر پہ کمر آج کی رات
نامہ بر کچھ سہی یہ بات بھی سن رکھنا ہے
ھم گئے جاں سے وہ آئے نہ اگر آج کی رات
کہہ کے قاصد ھی سے سن لیں گے خوشی کی کچھ بات
ھو ھی جائے گی کسی طرح بسر آج کی رات
باتوں باتوں میں کٹی ایسے شب وصل نظام
سمجھے ھم شام سے بجتا ہے گجر آج کی رات

(۹۲)

یاد آ گئی ہے آج مجھے وہ کبھی کی بات
پہچانتے ھیں آپ بھی کیا میرے جی کی بات
سچ کہتے تھے نہ روٹھ کے جاؤ، پھر آؤ گے
آیا پھر آپ ھی میں، ھوئی آپ ھی کی بات

میرا ہی ذکر کرتے تھے وہ اہل بزم سے
پوچھا جو میں نے کیا تھا، کہا، تھی کسی کی بات

وہ اور میرے واسطے دشمن سے روٹھتے
قاصد یہ تو نے خوب سنائی خوشی کی بات

وہ بات کیا تھی جس پہ کہ ہم سے رکے ہیں آپ
انصاف کچھ تو کیجیے یہ منصفی کی بات

تسکین دل نہ ہوئے تو کیا کیجے نامہ بر
کہتا ہے گو کبھی ہوئی یہ تو اسی کی بات

مجھ سے ہی کیوں نہ پوچھے پھر میرا حال زار
کیا قابل اعتماد کے ہے مدّعی کی بات

الفت بتوں کی چھوڑ کے یاد خدا کریں
ناصح نے یہ تو آج کہی دوستی کی بات

کہتے ہو پھر کہ رشک عدو ہے تجھے عبث
کیا کہہ رہے تھے، یاد تو کیجے ابھی کی بات

ہم نے تو ذکر غیر کا بھی سن کے رو دیا
اور یہ بھی آگے آپ کے تھی اک ہنسی کی بات

کیوں اے نظام کیسا زمانہ یہ آ گیا
آتی نہیں نظر کوئی اب دل لگی کی بات

(۹۳)

خوشی کیا جو وصلت کی آئے گی رات
سحر کو بھی ہمراہ لائے گی رات

یہ بے جاں لیے، غم کی جائے گی رات
قیامت کا دن لے کے آئے گی رات

ستم ہے اُدھر بڑھتی جائے گی ضد
غضب ہے ادھر گھٹتی جائے گی رات

ذرا شام ہونے دو پھر دیکھنا
مری بگڑی باتیں بنائے گی رات

دلا وصل میں تو نہ بےتاب ہو
ابھی ہجر کی آزمائے گی رات

شب وصل اور دل میں ارمان ہیں
نہ جانا کہ یہ پھر نہ آئے گی رات

ترے ہجر میں خواب کا ذکر کیا
نصیبوں کی ہی نیند اڑائے گی رات

شب وصل شرما کے ہر بات پر
وہ کہنا ، یہ کیا پھر نہ آئے گی رات

ترا ساتھ سونا جو یاد آئے گا
سوا دن سے مجھ کو ستائے گی رات

سحر کی دعائیں نہ مانگو ابھی
نہ گھبراؤ ، باتوں میں جائے گی رات

وہاں سوتے ہوں گے وہ آرام سے
سحر تک ہمیں یاں جگائے گی رات

اگر میری باتوں میں جائے گی نیند
تو ضد میں تمھاری نہ جائے گی رات

اگر زندگی ہے تو اب لے سحر
ستا لے ، کہاں تک ستائے گی رات

خطا کیا تمھاری ، وہ بد بخت ہوں
جو وعدہ کرو گے نہ آئے گی رات

اگر تم بھی ہوتے تو کچھ دیکھتے
ہمیں لطف کیا کیا دکھائے گی رات

فلک آج تو ہم سے بے فکر رہ
ترے بدلے ہم کو ستائے گی رات

ڈراتے ہو کیا تم شبِ ہجر سے
ملوگے بھی ، ایسی بھی آئے گی رات ؟

عنایت کا دن بھی کبھی آئے گا
مگر روزِ غم کی نہ آئے گی رات

شبِ ہجر سے دل ہے نالاں عبث
میں خوش ہوں کہ غم سے چھڑائے گی رات

کبھی اپنے وعدے پہ تم آؤ گے
مری قسمت ایسی دکھائے گی رات

وہ اُس بت کا گھبرا کے کہنا نظامؔ
الٰہی یہ کس طرح جائے گی رات

(۹۴)

خواہش نہ وصل میں بھی بر آئی تمام رات
تھی چھیڑ ہر گھڑی ، تو لڑائی تمام رات

وہ بے اثر سمجھ کے خوشی سے سنا کیے
دل کی حکایت اُن کو سنائی تمام رات

باتوں میں پیار کی وہ اُلجھ پڑنا اُس کا ہائے
باہم تھی کس مزے کی لڑائی تمام رات

کچھ سمجھے وہ تو پڑ گئے منھ کو لپیٹ کر
پھر ضد سے شکل بھی نہ دکھائی تمام رات

آئینہ اور شانہ تھا اور زلف اور وہ
گاھے بگاڑی ، گاھے بنائی تمام رات

غم تھا ادھر، اُدھر تھی سحر ھونے کی خوشی
کیا مجھ کو اُن کو نیند نہ آئی تمام رات

اب صبح دم جتاتے ھو کیوں جھوٹی اُلفتیں
اُلفت کی کوئی بات سنائی تمام رات؟

اب ذکر کیا ھے شام کا جو کچھ ھوا ھوا
اُس بات کی سزا بھی تو پائی تمام رات

اللہ پھر تو تو نہ دکھانا شب فراق
تکلیف میں نے کیسی اُٹھائی تمام رات

تسکیں کو میری ، اپنی تسلی کے واسطے
کرتے رھے عدو کی برائی تمام رات

اب صبح کو تمھیں کہیں کیا ، ھم کو دیکھیے
مطلب کی بات لب پہ نہ آئی تمام رات

اللہ ناز ھم کو تو سو سو طرح کا تھا
اُس بت کے آگے کچھ نہ بن آئی تمام رات

کام آئی وصل میں تپش دل بھی خوب ھی
سینے پہ تھا وہ دست حنائی تمام رات

سمجھے نہ وصل میں بھی کسے کہتے ھیں خوشی
دل سے گئی نہ فکر جدائی تمام رات

کیوں ایسے وہ کشیدہ رھے ، کیا سبب **نظام**
کیوں دل کی آرزو نہ بر آئی تمام رات

(۹۵)

ہر اک غضب تھی یوں تو شب اُس فتنہ گر کی بات
پر دل ہی لے گئی مرا ، وقت سحر کی بات

کچھ ہم نے تو سنا ہے ، خدا جھوٹ ہی کرے
یوں تو کہاں نکلتی ہے دشمن کے گھر کی بات

انکار وصل پر بھی یہ کہتا ہوں دل سے میں
کب قابل اعتماد کے ہے نامہ‌بر کی بات

تم کو تو یاد ہو نہ ہو ، ہم بھولتے نہیں
وہ لطف بادہ نوشی کے وہ بام پر کی بات

انکار تو ہزار تھے ، اقرار بھی تھا کچھ
اب یاد ہو نہ ہو تمہیں وقت سحر کی بات

اُمید تھی وفا کی وہ معلوم آپ سے
سن کے ہنسی میں ٹالو نہ مجھ نوحہ‌گر کی بات

اب کچھ نہیں ہے پہلے نہ کیا کیا تھے مجھ پہ لطف
یہ کل کا ذکر ہے ، نہ سہی پیش‌تر کی بات

قسمت تو دیکھو ایک نہیں کی ہوئیں ہزار
لکنت کی خوبی آکے نہ پھر لب سے سر کی بات

دیکھو وہی ہوا ہمیں جس بات کا تھا خوف
کب مانتے ہو تم کسی خستہ جگر کی بات

اچھّا یقیں میں لایا ، جو کچھ آپ نے کہا
ہے سامنے تمہارے قسم میرے سر کی بات

کچھ کہہ دے میرے دل کی تسلی کے واسطے
تاثیر کی زباں ہے تری اور اثر کی بات

آندھی کا ورد ہے مری آہوں کا تذکرہ
باراں کا ہے وظیفہ مری چشم تر کی بات

ہم دم میں کیا کہوں وہ ہیں کس بات پر رکے
کچھ ہے ادھر کی بات تو کچھ ہے اُدھر کی بات

اقرار وصل سے مرے دل کو خوشی بھی ہے
اور کچھ بھی جانتا نہیں اُس فتنہ گر کی بات

کس کس ادا سے کہنا ، کبھی ہاں ، کبھی نہیں
شوخی وہ شب کے پیار کی ، وقت سحر کی بات

یوں تم بھی ہو نظام مصاحب حضور کے
چلتی ہے اُس کے آگے کہیں زور و زر کی بات

ردیف ٹ

(۹۶)

نہ کہنا پھر کہ مری تیغ کی بچائی چوٹ
لواب توخوش ہوئے دل پر ہی ہم نے کھائی چوٹ

بگڑ بگڑ کے ستم گر نے تو لگائی چوٹ
یہ قسمت اپنی جو آئی وہ اوچھی[1] آئی چوٹ

۱- ''اچھی'' مطبوعہ ''کلیات نظام'' (ص ۱۰۷) میں غلط ہے - ''اوچھی'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

نگاہ ناز کا بسمل وہ مجھ کو جان گئے
ہزار ضبط کیا ، سو طرح چھپائی چوٹ

یہ کیا ستم ہے نہ دزدیدہ نظروں سے دیکھو
کہ دل کے ٹکڑے ہوں ظاہر نہ دے دکھائی چوٹ

اشارے اُن کے ستم ، چشمکیں عدو کی غضب
ہماری جان پہ چاروں طرف سے آئی چوٹ

مرے نصیب میں یہ داغِ رشک سہنا تھا
تمہاری بزم میں یہ مجھ کو کھینچ لائی چوٹ

کبھی تو دل کے کیے ٹکڑے ٹیڑھی باتوں سے
کبھی وہ پیار کی تقریر کی ، مٹائی چوٹ

شبِ قلق تپشِ دل کا حال کیا کہیے
کبھی زمیں کی ، کبھی آسماں کی کھائی چوٹ

ہمارے لب پہ ہے ہر وقت نالۂ سوزاں
ہمارے دل پہ ہے ہر دم لگی لگائی چوٹ

خفا ہوں غیر سے تو بھی عتاب ہو ہم پر
ہماری جان پہ آجاتی ہے پرائی چوٹ

مرے لبوں پہ اگر آہ سر رگڑتی ہے
تو چاک سینہ پہ کرتی ہے جبہہ سائی چوٹ

وہ آئے پوچھنے کو یہ کسے توقع تھی
یہ لطف دیکھو مرے دل کی راست آئی چوٹ

چلو یہ شکر ہے دشمن سے تم سے ربط ہوا
بلا سے آپ کی ، گو ہم نے غم کی کھائی چوٹ

ہمارے دل کی حقیقت کے سننے کے لیے
بیان کرتے ہیں وہ بھی سنی سنائی چوٹ

تمھیں ھو ایسے کہ ھم تڑپیں اور رحم نہ آئے
ھمارا دل تو دکھا دیتی ھے پرائی چوٹ

انھیں پتہ ہیں ھے یہ کب اپنے زور بازو پر
جو دیکھا زخم جگر اور کی بتائی چوٹ

ھے اپنے قتل کی مانع، نزاکت قاتل
جو چوٹیں کیں بھی تو مجھ تک کوئی نہ آئی چوٹ

وہ ھائے سینے میں چبھنا نکیلی پستاں کا
کہ یاد آتی ھے جس کی جگر پر آئی چوٹ

عوض عدو کے مجھے قتل تم کرو تو سہی
میں ایک جانتا ھوں اپنی اور پرائی چوٹ

میں کیا کروں مرا اب دل پہ اختیار نہیں
وگرنہ برسوں ترے عشق کی چھپائی چوٹ

جو روتے دیکھا کسی کو تو ھم بھی روئے ساتھ
جو زخم دیکھا کوئی، اپنی یاد آئی چوٹ

جو چاک چاک جگر ھے تو ٹکڑے ٹکڑے دل
ھزاروں چوٹ کی ھے اک غم جدائی چوٹ

عدو کے ضبط کی تعریف اور مرے آگے؟
مری طرح کوئی ایذا سہی؟ اٹھائی چوٹ؟

جو درد دل میں مزا ھے وہ کوئی کیا جانے
دعا ئیں مانگی ھیں برسوں جب ایسی آئی چوٹ

یہ کس کو قتل کرو گے، یہ کیا ارادہ ھے؟
جو پہلے تیغ کی مجھ پر ھے آزمائی چوٹ

غضب ھے سامنا تیر قضا کا ھے ھر دم
نظر میں ناوک مژگاں کی ھے سمائی چوٹ

الٰہی میرے ہی دل کے لیے بنا ہے درد
مرے ہی واسطے دنیا کی ہے بنائی چوٹ

تمہارے تیر نظر پر ہے جان بھی قرباں
لیا جگر پہ نہ کب ، اور کب بچائی چوٹ

ہمارے لب پہ ہے گویا بنی بنائی آہ
ہمارے دل پہ ہے ہردم لگی لگائی چوٹ

کبھی جو روئے بھی تو غم میں ان حسینوں کے
جو چوٹ کھائی تو ناز و ادا کی کھائی چوٹ

نہ تاب ضبط ، نہ یارائے صبر کیا کیجے
جو آہ سرد بھری ، اور ابھر کے آئی چوٹ

سبب یہ درد کی اور درد زندگی کا سبب
خدا کرے ، نہ کرے ہم سے بے وفائی چوٹ

ہمارا حال جو ہنس ہنس کے پوچھتے ہیں آپ
سوا ہے درد جگر ، اور ہے سوائی چوٹ

کسے دماغ جو ہر وقت آہ آہ کرے
یہ کیا غضب ہے ، قضا کو نہ ساتھ لائی چوٹ

خدا کو مانو ، نہ ایسا تو دل مرا توڑو
میں کیا کہوں گا جو دیکھے گی اک خدائی

جو چپ رہا میں تو ، بس دل میں چٹکیاں کیا کیا
جو لب پہ بات کوئی آئی ، منہ کی کھائی چوٹ

تمہاری رنجش بے جا کا کون شاکی ہے
ہزار بار کی ہے یہ تو آزمائی چوٹ

عدو کی باتیں بہت آپ نے سنیں ہوں گی
ہماری طرح کسی نے بھی دل پہ کھائی چوٹ ؟

نہ سانس لینے کی فرصت دی ہم کو قاتل نے
سہے ستم پہ ستم ، چوٹ پر اٹھائی چوٹ

بقیں ہوا انہیں دشمن کی جھوٹی باتوں کا
یہ کیا غضب ہے کہ اس وقت کیوں دکھائی چوٹ

نظام تم تو ابھی آہ آہ کرتے ہو
بگاڑی اس سے کہ دل کے لیے بنائی چوٹ

ردیف ث

(۹۷)

ہائے یہ میں نے کیا کیا ، اُن سے گلا کیا عبث
روؤں گا کس کی جان کو ، سمجھے اگر جفا عبث

خوبی مرے نصیب کی ، سنتے ہی میرا حال دل
آنکھیں چرا کے شرم سے ، پھیر کے منہ ، کہا عبث

ایسا جواب صاف دو ، ایسی مجھے نہ تھی امید
ہائے وفا کا آپ سے مجھ کو گماں تھا عبث

روٹھتے بھی اسی سے ہیں جس سے کہ کچھ ملاپ ہو
تذکرہ میرے سامنے رنجش غیر کا عبث

اور کا خط سمجھ کے وہ کس لیے پھر نہ دیکھتے
نامہ‌بر اُن کے سامنے ، نام مرا لیا عبث

رشکِ عدو کے وہ ستم بھول گیا کہ یاد ہیں
کوچۂ یار میں دلا ، کیوں مجھے لے چلا عبث

صبح شب وصال ہے ، جاتے ہیں اپنے گھر کو وہ
آج بھی گر نہ آئے تو ، آئے گی پھر قضا عبث

بن گئی یاں تو جان پر اُن کو خیال ہی نہیں
ناحق اُٹھائیں آفتیں ، رنج و الم سہا عبث

حال دل اُن سے نامہ بر کہہ سکے یا نہ کہہ سکے
کہنے کو ہم نے کہہ دیا ، کام مگر کیا عبث

اور اُمیدیں رہ گئیں ، اور ارادے ہو گئے
ہائے یہ تم نے کیا کیا ، عذرِ ستم کیا عبث

آپ کا وعدہ اور وفا ، میرے نصیب اور خوشی
تم نے جو کچھ کہا کہا ، میں نے وہ کیوں سنا عبث

دل بھی ہمیں ملا تو وہ جس میں ہزاروں خواہشیں
شکوہ ہے اپنے بخت کا ، آپ کا ہے گلا عبث

سن کے وہ میری آرزو ، کہتے ہیں کس ادا کے ساتھ
اب نہ ملوں گا تم سے میں ، مجھ سے یہ کیوں کہا عبث

میرے نصیب یہ کہاں باتیں کسی طرح سنوں
اُن سے کوئی یہ کیوں کہے ہوتے ہو تم خفا عبث

آنکھیں اُٹھاؤ کھولو منہ ، اپنی کہو ، مری سنو
آج تو بے حجاب ہو ، وصل میں ہے حیا عبث

عادتیں آپ کی جو ہیں کس لیے اُن کو چھوڑیے
خوگر ظلم ہم تو ہیں ، کیوں کرو تم وفا عبث

مجھ کو سنا سنا کے وہ کہنا کسی کا غیر سے
کس کو غرض ، کسی سے ہم وعدہ کریں وفا عبث

کیوں کریں ہجر کا گلا ، کیوں کریں خواہش وصال
ملنا تمھارا آج سے ، ہم نے سمجھ لیا عبث

میرے معاملے میں کیا تم سے کہا نہ ہوگا کچھ ؟
مجھ سے جواب پوچھنا غیر کی بات کا عبث

دل کے لگانے کے مزے یہ ہی تو میری جان ہیں
عذر ستم ترا عبث اور مرا گلا عبث

اُن سے نہ کہتے اپنا حال اور نہ سنتے یوں جواب
دل میں جو اک خیال تھا وہ بھی یوں ہی گیا عبث

ناز عبث ہی تھا ہمیں اُس پہ ذرا اثر نہیں
گریہ عبث ، تپش عبث ، آہ عبث ، بکا عبث

ہم سے قسم لو اور کچھ دل میں بھی ہو اگر ہوس
بوسے کے دینے میں ہے کیا ، اس میں تو ہے حیا عبث

دل میں ہم اپنا حال زار اُس کو سناتے تھے نظام
دل میں کہیں نہ سمجھے وہ ناز عبث ، ادا عبث

(۹۸)

دل[۱] ہے کیوں بے قرار ، کیا باعث
کس کا ہے انتظار ، کیا باعث

ایسا غیروں سے پیار ، کیا باعث
ہم سے ہے تم کو عار ، کیا باعث

کیا کوئی اُس طرف سے آنے کو
دیکھنا بار بار ، کیا باعث

۱- یہ غزل ''کلیات نظام'' (ص ۲۶۷) کے آخر میں درج تھی ، شامل ردیف ''ث'' کی گئی - (فائق)

کچھ سکھائے کسی کے آئے ہو
روٹھنا بار بار کیا باعث
کوئی تقصیر بھی نظام کی ہے
کیوں ستاتا ہے یار، کیا باعث

ردیف ج

(۹۹)

دل ہاتھوں میں تھامے ہوئے وہ آئیں ادھر آج
اے جذب محبت مجھے دکھلا دے اثر آج
پھر آ چکے، برسوں میں تو آئے ہو نظر آج
کچھ کہیے، نہ مانوں گا، نہ چھوڑوں گا مگر آج
ناداں ہوں میں زاہد جو کروں خوف و خطر آج
جو گزرے گی، گزرے گی، کسے کل کی خبر آج
اے جان حزیں اور کوئی دم تو ٹھہر آج
قاتل نے مرے قتل پہ باندھی ہے کمر آج
سو دن ہیں شکایت کے وہ سو بار ملیں گے
بے تابیٔ دل مجھ کو پشیماں نہ کر آج
میں نے شب ہجراں میں جو مانگیں تھیں دعائیں
برگشتگیٔ بخت ہے ان کا ہے اثر آج

آنکھوں میں بسا ہے جو شب وصل کا عالم
ساماں وہی ڈھونڈتی پھرتی ہے نظر آج

وہ دیکھنے آئے ہیں، دکھاؤں انھیں کیا کیا
اللہ دعاؤں سے کروں درد جگر آج

گو لب پہ ہے انکار مگر بات ہے دل پر
صد شکر محبّت نے کیا کچھ تو اثر آج

کچھ یاد ہے کل روٹھ کے آئے ہیں کہیں سے
بے تابیٔ دل لے کے چلی مجھ کو کدھر آج

ہنس ہنس کے رلا مجھ کو نہ ظالم دم وعدہ
گو 'کل' ہے لبوں پر، ترے دل میں ہے، مگر آج

یہ شام سے سونے کا عبث حیلہ بنایا
ہم جانتے ہیں، جاؤ گے تم غیر کے گھر آج

وہ تو گئے گھر غیر کے، یہ خوبیٔ قسمت
دھوکے سے خوشی دوڑتی آئی مرے گھر آج

اس یاس کے صدقے کہ تمنّاؤں سے چھوٹے
رنجش نہ ادھر ہے نہ شکایت ہے ادھر آج

دن نکلے تک اس شوخ کو گھر جانے نہ دوں میں
سو جائے عوض میرے اگر مرغ سحر آج

فرمائیے اس بات کو اب کیا کوئی سمجھے
کیوں مجھ کو سناتے ہو کہ دکھتی ہے کمر آج

شاید مرے غم ناموں کو یہ پھیر کے لایا
بھاری نظر آتی ہے جو قاصد کی کمر آج

گر اب نہ سنو گے تو سنو گے مری کس دن
کس روز کہوں گا، نہ کہوں گا میں اگر آج

کیوں آنکھیں چراتے ہو ، رکاوٹ ہے عبث کیوں
کچھ کہیے تو ، کیا تم کو ہے منظور نظر آج ؟
مرغان چمن ، میں بھی قفس لے ہی اڑا تھا
کام آ ہی گئے تھے مرے کترے ہوئے پر آج
بنی تو ہوس یہ کہ جو کچھ ہو ، وہ ابھی ہو
اور لب پہ اُدھر اُس کے ، ادھر کل ہے اُدھر آج
تقدیر لڑی کس کی ، بنی جان پہ کس کی
بندھتی ہے کبھی اور کبھی کھلتی ہے کمر آج
ٹکرانا یہ سر کا ہے تو گھر خاک رہے گا
ثابت نہ رہے گی کوئی دیوار ، نہ در آج
کل پھر وہی فرقت ہے ، وہی نالہ ، وہی آہ
اے دل تجھے جو کچھ کہ ہے منظورِ نظر آج
میں سمجھا کہ اڑنے پہ کمر بندھتی ہے میری
صیاد نے کس کس کے جو باندھے مرے پر آج
شب کو بھی نہ وہ آئیں گے ، دن کو بھی نہ آئے
افسوس ہے رونا ہی رہا آٹھ پہر آج
کیوں منتظر وعدہ شب و روز رہوں میں
ہو جائے مرا دل مرے کہنے میں اگر آج
کل بھی تو یہی دن تھا ، یہی رات تھی یا رب
کیا قہر ہوا ، ہوگئی باتوں میں سحر آج
کیوں چپ ہو جواب ایک بھی کیا بن نہیں آتا
باتوں کو مری مان گئے تم بھی مگر آج
کل کی وہ خوشی وعدوں کی اب بھول گئے ہم
کچھ اور ہی کہتی تھی تری ترچھی نظر آج

میں خوگر الطاف ابھی کب ہوں ستم گر
ہو جاتا غضب ، گھر مرے رہتا تو اگر آج ؟
منظور گر اعدا کا دکھانا ہے تو کہہ دو
کچھ خیر ہے کیوں مجھ پہ ہے الفت کی نظر آج
دشمن کی محبّت ہے تو کیا کیا نہ سہو گے
کل آپ کو ہوگا وہی ، جو مجھ کو ہے ڈر آج
منظور اگر قتل ہے تو کھینچیے شمشیر
انکار یہاں کس کو ہے ، سینہ ہے سپر آج
اس کوچے میں جانے کا بڑی اب خاک رہا لطف
در بند ہوئے ، چھاپے گئے ، روزن در آج
گر اب بھی نہ تم آئے تو پھر دیکھیے کیا ہو
بے تابیٔ دل اور ہی رہتی ہے مگر آج
دیکھو مجھے یوں چھوڑ کے بے تاب نہ جاؤ
پچھتاؤگے پھر ، میری نہ مانوگے اگر آج
رحم آئے گا کب اُن کو ، ہنسی مفت کی ہوگی
یوں رونے کو سو دن ہیں ، نہ اب دیدۂ تر آج
یا آپ کے زانو کا بنا کرتا تھا تکیہ
یا وہ ہی میں ہوں غیر کے قدموں پہ ہے سر آج
ایسا نہ ہو کل کو ہو تمھیں اُلٹی شکایت
ہوجائے گا کچھ اور ، نہ آؤ گے اگر آج
تم اُٹھ کے چلے جاؤ گے ، رہ جاؤں گا تنہا
کیا گزرے گی دل پر مرے ہنگام سحر آج
کیا کرتے اگر ہم غم ہجراں سے نہ مرتے
اقرار تھا کس روز کا ، لی تم نے خبر آج

آرام ترے عشق میں اک دم بھی نہ پایا
کل دل میں جو سوزش تھی تو ہے درد جگر آج

جھوٹا نہیں کہہ سکتا ہوں، ہاں یہ تو کہوں گا
کل اور ہی کچھ باتیں تھیں، ہے نوع دگر آج

اس سر کی قسم مجھ کو وہی پاس قسم ہے
بے تابی[1] دل کھینچ کے لائی ہے ادھر آج

آنکھوں میں نہ آنسو ہیں نہ لب پر ہے ابھی آہ
رسوا نہ کرے مجھ کو کہیں درد جگر آج

گھبراتے ہو کس واسطے، پھر کچھ تو سبب ہے
کچھ کہیے تو کس بات کا ہے آپ کو ڈر آج ؟

شرما کے سحر کو وہ کسی شوخ کا کہنا
پھر آؤں گا سو بار، میں جاؤں گا اگر آج

دیکھو تو نظام جگر افگار کہیں ہے
کہتے ہیں کسی نے کیا دنیا سے سفر آج

(۱۰۹)

بیماری[1] تپ غم ہجراں کا کیا علاج
یہ وہ مرض ہے کہتے ہیں جس کو کہ لاعلاج

کیاا جانے کس کے ہاتھ پہ موقوف ہے شفا
تیرے مریض غم کا سبھی نے کیا علاج

کب تک ہمارے دیکھنے کو آئیں جائیں لوگ
یاں اک مرض ہے مجھ کو سدا ایک سا علاج

۱- یہ اشعار ۲ تا ۴ قدرت مرتب کلیات کو بعد میں دست یاب ہوئے تھے، ردیف ج میں شامل کیے گئے - (فائق)

کس کس کا اب علاج نہ ہم نے کیا بھلا
پر درد ہجر کا نہ کسی سے ہوا علاج
کیا ہوسکے ، یہی مجھے کہنے کے آپ ہیں
کیوں ہم سے دل لگایا ، یہی تھا ترا علاج
وہ سچ بھی گر کہیں تو مجھے بھی یقیں نہ ہو
میں تو ہوں بد گماں ، پھر اس کا ہے کیا علاج
دیکھا بھی ہو کسی کو تو آنکھیں ہی پھوٹ جائیں
اس وہم کا تمہارے کہیں ہے بھلا علاج ؟
میں کیوں کسی سے حال کہوں جانے کیا کوئی
تیرا ہی میں مریض ہوں ، تو ہی بتا علاج
تدبیر اس کے لانے کی کرتا نہیں کوئی
ناحق کا کرتے پھرتے ہیں ، سب اقربا علاج
دشمن سے اپنا حال کہیں گے نظام اب
یہ ہم نے درد دل کا نکالا نیا علاج

(۱۰۱)

شب غم کی درازی اس قدر آج ؟
نہ ہوگی یا الٰہی کیا سحر آج ؟
بھٹک[۱] کر غیر کی رہ وہ یہاں آئیں
دکھا دے جذب دل اپنا اثر آج

۱- اشعار ۲ ، ۳ قدرت مرتب ''کلیات نظام'' کو بعد میں دست یاب ہوئے تھے - اس لیے اس غزل میں شامل نہ ہو سکے تھے - ترتیباً شامل غزل کیے گئے - (مرتب)

بہت پچھتاؤ گے ، پھر کہہ چکے ہم
مریض غم کی لے اپنے خبر آج
بہت راتیں جگا ، پائی ہے یہ شب
نہ سونے دوں گا تم کو ، تا سحر آج
خدا ہی جانے تم آؤ گے کس دن
بنی ہے یاں ہماری جان پر آج
شب وصل اک نہ اک کرنا بہانہ
نہ کیسے آپ کے ہو درد سر آج
گیا ہے جب سے قاصد ہے یہی غم
خدا جانے کہ کیا لائے خبر آج
وہ کل کی رنجش بے جا بھی ہے یاد ؟
لگاوٹ کس لیے ہے اس قدر آج ؟
بھلا کچھ جھوٹ کہنے سے ہے حاصل
لو سچ کہہ دو ، گئے تھے کس کے گھر آج ؟
یہ شرمائی ہوئی سی کیوں ہے چتون
ملاتے کیوں نہیں ہم سے نظر آج
نظام اس بزم کا کیا حال کہیے
غضب آیا ہوں کچھ میں دیکھ کر آج

(۱۰۲)

کچھ کل سے کیا نئی ہے شب انتظار آج
کیوں اس قدر قلق ہے دل بے قرار آج
ظالم شب وصال ہے ، پھر یہ کہاں نصیب
سن لے مری زباں سے مرا حال زار آج

بس بس تمھاری جھوٹی محبّت بھی دیکھ لی
کل وہ رکاوٹیں تھیں، جتاتے ہو پیار آج

منظور اور ظلم ہے تو پوچھنا ہے کیا
کیوں حال پوچھتے ہو مرا بار بار آج

میں تم سے اپنا حال نہ کہتا کبھی مگر
منہ سے مرے نکل گیا بے اختیار آج

آنکھوں کے آگے پھرتے ہیں ساماں وہ ہائے ہائے
کل تھی شب وصال، شب انتظار آج

کوچے میں اپنے دیکھ تو یہ کون شخص ہے
روتا ہے اک مریض ترا زار زار آج

وعدہ خلاف روز کی تم پر بھی بار ہے
موقوف کیجیے وعدۂ لیل و نہار آج

کیا اُس کی عادتوں سے یہ آگاہ ہوگئے
سمجھاتے ہیں کچھ اور طرح دوست دار آج

فرمانا آپ کا ہے بجا پر غضب یہ ہے
دشمن کے روز ہو، مرے ہو دوست دار آج

رشک عدو تو وصل میں بھی دل کے ساتھ ہے
لیتا ہے کیوں پھر اس کے عوض روزگار آج

یا تھے ہمیں کہ ایک کو یہ دن نہ تھا نصیب
بیٹھے ہیں اُن کی بزم میں یا بے وقار آج

اب تو ہو میرے بس میں، یہ تقریر ہے عبث
کب مانتا ہوں میں جو کہو تم ہزار آج

اللہ یاد ہیں اسے کیا کیا لگاوٹیں
کیا میرا حال سن کے ہوا شرمسار آج

کہنا یہ اُس کا ہائے شب وصل میں نظام
کیوں کیسے آ گیا ترے دل کو قرار آج

ردیف چ

(۱۰۳)

میں تو دامن کھینچوں تو شمشیر کھینچ
پھر گلے پر میرے بے تقصیر کھینچ
پہلے قاتل نعرۂ تکبیر کھینچ
سر مرا حاضر ہے پھر شمشیر کھینچ
جب کھنچے گی مجھ سے وحشی کی شبیہ
اے مصوّر ، پہلے تو زنجیر کھینچ
آہ کی تاثیر کے تو دن گئے
اے دل ! اب تو نالۂ شب‌گیر کھینچ
غیر کے لب بند ہوں گے کس طرح
ہاں زباں میری دم تقریر کھینچ
دور کھنچ کر اُس کا یہ کہنا ستم
شوق سے اب آہ بے تاثیر کھینچ
ساتھ پیکاں کے نکل آئے گا دل
زخم سینہ سے نہ ظالم تیر کھینچ

میری قسمت میں نہیں جب وصل یار
اک قلم اے منشیٔ تقدیر کھینچ
گر مری دل بستگی کا ہے خیال
اور بھی جوڑے کو او بے پیر کھینچ
بات مطلب کی ابھی کہنی نہ تھی
اب ندامت اے دل دلگیر کھینچ
دل بھٹکتا ہے مرا کس کس طرح
اپنی جانب مجھ کو اے بے پیر کھینچ
خود چلے آئیں گے وہ اک دن نظام
کوئی چلّہ تو پئے تسخیر کھینچ

ردیف ح

(۱۰۴)

اللہ مجھ کو نیند ھی آئے کسی طرح
یہ دل کا اضطراب تو جائے کسی طرح
وہ بھی ھیں ایسے، کہتے ھیں کچھ اپنے دل کا حال
قاصد کبھی بھی سچ نہ بتائے کسی طرح
جو آپ کی خوشی ہے وہ منظور ہے ھمیں
مطلب ھمارے دل کا بر آئے کسی طرح

کیسا بتوں کے دام محبّت میں پھنس گیا
اللہ اس بلا سے چھڑائے کسی طرح

اے دل کوئی تو سوچ کے تدبیر تو نکال
اُس کا لحاظ وصل میں جائے کسی طرح

در پر کھڑے ہیں اس اپے سیّد نظام شاہ
محفل میں اپنی ہم کو بلائے کسی طرح

ردیف خ

(۱۰۵)

بہ شوخی چھوڑ دے او بے وفا شوخ
نہیں مشہور تو ہو جائے گا شوخ

یوں ہی ہر روز ہم کو کہتے گذرا
مقرّر آج تو وہ آئے گا شوخ

شکایت کیا کریں اُن شوخیوں کی
وہ کہتے ہیں، مجھے پھر کیوں کہا شوخ

تمھیں کیا دوستو، کیوں کچھ کہو تم
مجھے تو ہے پیارا[۱] وہ مرا شوخ

۱- رام پور کے روزمرہ میں دھلی اور لکھنؤ سے قدرے اختلاف ہے اس لیے کہ شہری آبادی میں اکثریت ایسے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

یہی تو شوخیاں تیری غضب ہیں
تجھے اغیار کہتے ہیں بجا شوخ

ہنسے غیروں سے ہو گے ہاں مجھی پر
ستانے سے تجھے کیا فائدا شوخ

نہیں پھر کیوں، تھا خوبوں میں جو تجھ سا
غضب یہ ہے کہ تو ہے اک ذرا شوخ

بری صحبت بری ہوتی ہے سچ ہے
تو ایسا کس کی صحبت میں ہوا شوخ

نظام اس میں ہے اپنی اپنی قسمت
ہمیں[۱] ہر مرتبہ ہو مبتلا شوخ

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۱۲۳)
مہاجرین کی تھی جو سابق صوبۂ سرحد اور صوبۂ پنجاب سے تعلق رکھتے تھے ۔ زبان کی تبدیلی کے بعد بھی پنجابی اور پشتو کے الفاظ بول چال میں باقی رہ گئے ۔ نظام نے ''پیارا'' بر وزن فعولن مقامی بول چال کے مطابق صحیح استعمال کیا ہے ۔ (فائق)

۱۔ مصرع ثانی کا مفہوم واضح نہیں ۔ شاید کتابت کی غلطی ہو ۔ (فائق)

ردیف د

(۱۰۶)

اب کہاں کی خبر ، کہاں قاصد
غیر سے مل گیا وہاں قاصد
مجھے کیا کیا کہا ترے آگے
پھر ذرا وہ ہی کہنا ، ہاں قاصد
یاد رہ جائے گا تجھے کچھ تو
سن لے سب میری داستاں قاصد
اور اک بات مجھ کو کہنا تھی
ہائے پہنچا ہو اب کہاں قاصد
دیکھ کے وقت ، خط انھیں دے گا
ہے کچھ اُن کا مزاج داں قاصد
کچھ نہ کچھ تو سمجھ گیا میں آپ
باعث رشک دشمناں قاصد
کہہ بھی دے اُس نے جو کہا ہو تجھے
تو تو ہے میرا راز داں قاصد

دیکھیے آگے کیا سنائے نظام
مجھ سے زائد ہے بد گماں قاصد

(۱۰۷)

تم دل آزار ہو تو ، ہم ہیں دل آزار پسند
تمھیں جو کار پسند ہے ہمیں وہ کار پسند

اب ذرا دیکھو ادھر ، دیکھو گے کب تک صاحب
کیا مرے گھر کے کچھ آئے در و دیوار پسند

ہر قدم دیکھتا چلتا ہے وہ خود مڑ مڑ کر
آپ اپنی اسے اس درجہ ہے رفتار پسند

رنج و راحت ہوئے تقسیم جو کچھ روز ازل
کی مرے بخت نے ہجراں کی شب تار پسند

یہ غضب دیکھو کہ اب بات ہے ہم سے موقوف
سن لیا ہے کہ اسے ہے مری گفتار پسند

روٹھنا وصل کا ، رنجش وہ لگاوٹ کی غضب
دل کو ازحد ہیں یہ باتیں تری عیّار پسند

کچھ زمانے سے نرالی ہے طبیعت میری
آپ کا پیار بھی ہے ، آپ کی تکرار پسند

جان کر حال مرا مجھ سے وہ فرماتے ہیں
کرلیا آج کوئی اور طرح دار پسند

دو قدم ساتھ جنازے کے نہ آیا وہ مرے
جانتا تھا کہ اسے ہے مری رفتار پسند

حسب حال اپنے کبھی شعر جو پڑھتا ہوں نظام
تو وہ کہتے ہیں ، نہیں یہ ہمیں اشعار پسند

ردیف ذ

(۱۰۸)

میں تو دیکھوں اسے ، کیا ہے کوئی میرا کاغذ؟
یہ ابھی آپ نے تکیے میں جو رکھا کاغذ

دم تحریر مضامیں کے یہ تبدیل رہے
الغرض بھیج دیا یار کو سادا کاغذ

دیکھتا ہوں کہیں گر ڈاک کے ہرکارے کو
میں سمجھتا ہوں مجھے یار کا آیا کاغذ

کیوں نہ قاصد کو یہ بیمار مسیحا سمجھے
بن گیا زخم جگر کے لیے پھاھا کاغذ

سب مرے ناموں کا یہ ایک دیا اُس نے جواب
''کیا غرض تھی مجھے میں کیوں تمھیں لکھتا کاغذ''

قاصد اس حیلے سے دینا تو مرے نامے کو
دیکھیے تو یہ پڑا پایا ہے کیسا کاغذ

ہے عادت ہے خط اُن کے لیے لکھنا ہر روز
اور پھر یہ بھی کبھی اُن کو نہ بھیجا کاغذ

نامہ بر کچھ تو زبانی بھی تو کہنا اُن سے
میرا مطلب ہے بہت، اور ہے تھوڑا کاغذ

نہ دوپٹے سے چھپاؤ نہ چھپاؤ ہم سے
کہیں رکھا ہوا ہم کو نظر آیا کاغذ

ناتوانی کے سبب پائی گناہوں سے نجات
پاس سے کاتبوں کے گم ہوا میرا کاغذ

کرکے پرزے مرے نامے کے کہا قاصد سے
ایک کاغذ کے عوض سیکڑوں لے جا کاغذ

نامۂ یار کو آنکھوں سے لگایا ایسا
تل سیاہی بنے اور بن گیا پردا کاغذ

بے پڑھے جان گئے ہم جو لکھا ہے اس میں
دیکھتے ہی ہمیں گو تم نے چھپایا کاغذ

ہوں وہ مشتاق کہ دھوکے میں ترے نامے کے
پڑھ کے چھوڑا اُسے جو سامنے آیا کاغذ

نامہ بر کہہ تو تجھے اتنی ندامت کیوں ہے
اُس نے کیا کہہ کے مجھے پھاڑ کے پھینکا کاغذ

ہائے اُس نامے کو کیوں دیدۂ تر پر رکھا
دھل گئے حرف، فقط رہ گیا سادا کاغذ

خط تو ہو غیر کا اور نام لفافہ میرے
یہ لکھا اپنا، کبھی آئے تو ایسا کاغذ

خیر یوں ہی سہی کچھ ہم نے نہ لکھا ہوگا
پاس میرے بھی کوئی آپ کا ہوگا کاغذ

دم مردن مرے بالیں پہ جو یٰسین پڑھی
میں یہ سمجھا کہ یہ پڑھتا ہے کسی کا کاغذ

خوف تحریر عدو سے تو تسلّی ہوئی اب
میری ضد سے نہیں پڑھتے وہ کسی کا کاغذ

یہ لکھا اپنا کہ اوروں کو تو ناموں کا جواب
اور مجھے لاکے دے قاصد وہی میرا کاغذ

غیر کا ذکر تو ہے گو کہ شکایت ہی سہی
بعد مدّت کے جو بھیجا تو یہ بھیجا کاغذ

ہائے اک ہم ہیں کہ نامے کے ہوں پرزے پرزے
ہائے اک وہ ہیں کہ تعویذ ہو اُن کا کاغذ

حال تو اُن کی عنایت کا کسی پر نہ کھلا
تیرا احسان ہے قاصد جو گرایا کاغذ

نہ وہ لکھ سکتے ہیں کچھ ہم کو، نہ اُن کو کچھ ہم
یہ خطر ہے کہ کہیں جائے نہ پکڑا کاغذ

مدّعا آپ نہ سمجھے تو بھلا کیا سمجھے
حرف مطلب کو نہ پہنچے تو پڑھا کیا کاغذ

کچھ زبانی کہیں تو کون کہے گا اُن سے
لکھ کے کچھ بھیجیے تو کون پڑھے گا کاغذ

دل کو دیتا ہوں تسلی یہی کہہ کہہ کے نظامؔ
شاید اُس شوخ تلک کوئی نہ پہنچا کاغذ

———

ردیف ر

(۱۰۹)

ہوں پشیماں دشمنوں سے آن کے پیماں دیکھ کر
مضطرب ہوتا تھا کیوں میں شام ہجراں دیکھ کر

یہ تغافل تو کبھی ہم سے نہ دیکھا جائے گا
منہ پھرا لینا ادھر سے اے مری جاں دیکھ کر

واں تو آن کے رعب سے کچھ بھی نہ بن آئی مجھے
آتے ہیں ارماں یہاں اب دل میں ارماں دیکھ کر

دوستو تم واں لیے چلتے تو ہو مجھ کو ولے
دل مرے بس میں نہ ہوگا روے جاناں دیکھ کر

دل میں خوش ہوتا ہوں کیا کیا ابھرا کیا کیا ہیں غم
چپکے چپکے آن کا ہنسنا مجھ کو گریاں دیکھ کر

یوں میں گھبراتا ہوں تیرے غم میں ہرسو دیکھ دیکھ
جیسے چونک آٹھے کوئی خواب پریشاں دیکھ کر

توبہ کرتا ہوں ترے کہنے سے میں تو ناصحا
پر مجھے کیا کچھ کہیں گے مے پرستاں دیکھ کر

گو نہ کچھ عرضِ تمنا پر کہا پر دیر تک
پیار سے دیکھا مجھے¹ با یاس و حرماں دیکھ کر
ایک دو ساعت کی گر رنجش ہے تو کچھ غم نہیں
خوگرِ غم ہو گیا ہوں غم فراواں دیکھ کر
یوں ہی ناحق کا گماں ہے آگے سچ ہو یا نہ ہو
پھٹ گیا دل ، چاک اُس بت کا گریباں دیکھ کر
ہائے کس ظالم کو تو نے بھی دیا ہے دل نظام
سوچ کر کرتا ہے اپنا کام انساں دیکھ کر

(۱۱۰)

ہوا نادم میں حالِ دل سنا کر
جو اُس نے مجھ کو دیکھا مسکرا کر
نہ مجھ سے رشکِ دشمن کا گلا کر
کبھی منصف بھی تو ظالم ہوا کر
خدا! جانے نظر آؤ گے پھر کب
ذرا پھر دیکھ لینا! منہ پھرا کر
نہ کیوں کر درد اُٹھے میرے دل میں
عدو بیٹھا ترا پہلو دبا کر
کسی سے اب نہیں کہنے کا کچھ حال
کہا کچھ تھا ، کہا کچھ اُس نے جا کر

۱- شعر ۳ ، ۴ قدرت کو بعد میں ملے تھے، شامل غزل نہ کر سکے تھے ، اس لیے شامل غزل کیے گئے - (فائق)

جفا سے بھی تو ظالم باز آ تو
تجھے یہ کون کہتا ہے وفا کر
نہ پوچھو میرے آنے کا سبب تم
میں خود حیراں ہوں[1] اس محفل میں آ کر
عدو پر رحم بھی آتا ہے مجھ کو
تری وہ جھوٹی اُلفت یاد لا کر
دم بوسہ وہ اُس بت کا جھجکنا
سمٹنا کسمسا کر منہ چھپا کر
مری سی باتیں واں کرتے ہیں اغیار
مری دو چار باتیں سن سنا کر
یہی تھا قول چپ بیٹھے ہو کیسے
ذرا اُوپر تو دیکھو منہ اُٹھا کر
بہت کی دیر یاں آنے میں اُس نے
توقّف اب قضا تو بھی ذرا کر
تم ایسے کس لیے مغرور ہوتے
غضب ہم نے کیا الفت جتا کر
تری عیّاریاں میں جانتا ہوں
نہ مجھ سے اس طرح عذر جفا کر
نکل جائے تمنّا یہ بھی دل کی
زبانی میری سن لو کچھ بلا کر

۱۔ "ہوں" تصحیح قیاسی ہے ورنہ مصرع نا موزوں تھا۔
(فائق)

غضب وہ دیکھنا نیچی نظر سے
ستم وہ منہ پھرانا مسکرا کر
شرارت سے یہ کچھ خالی نہیں ہے
ترا چھپ بیٹھنا گردن جھکا کر
میں اُن سے حال دل کہتا ہوں اپنا
وہ کہتے ہیں یہی ہوگا ، کہا کر
میں کہتا ہی نہیں مطلب کی کچھ بات
مری کیا تو کسی کی مت سنا کر
خدا کے واسطے یاد بتاں چھوڑ
نظام اب کچھ دنوں یاد خدا کر

(۱۱۱)

اُس کے ملنے میں کچھ مزا ہے اور
جس کو دل ہم نے دے دیا ہے اور
اپنا کچھ سب سے مدعا ہے اور
میرا اُس کا معاملا ہے اور
دوستو ، تم سے کیا کہوں احوال
کچھ نہ پوچھو یہ ماجرا ہے اور
لوگ کچھ اور ، اور کہتے ہیں
میں نے کچھ آپ سے سنا ہے اور

۱- اشعار ۲ تا ۲ قدرت مرتب ''کلیات نظام'' کو بعد میں ملے تھے اس لیے بے ترتیب درج کردیے تھے ، میں نے شامل غزل کر دیے ہیں - (فائق)

تو جو کچھ ہے وہ جانتا ہوں میں
تجھے ہر کوئی جانتا ہے اور
دور ہی سے سلام ہے سب کو
اپنا ہادی و رہ‌نما ہے اور
جس سے چاہے وہ آپ مل جائے
اُس کا مِلنا نہ اس سوا ہے اور
جان کھونا ہے موت سے مرنا
عاشقوں کے لیے فنا ہے اور
کبھی تو کچھ ہے اور کبھی کچھ ہے
دل بھی کچھ اپنا ہوگیا ہے اور
تیرا بندہ نظام کیوں کہ نہ ہو
تو ہی پھر کہہ کوئی خدا ہے اور

(۱۱۲)

تم پہ کیا جان نہ دے گا کوئی اچّھا ہوکر
اتنا بیمار سے پرہیز مسیحا ہوکر
یا خدا خیر ہو، کیوں دیر ہوئی قاصد کو
مجھ سے تو کہہ کے گیا تھا ''ابھی آیا ہوکر''
تم سے ملتے ہی ابھی سے یہ ہے حالت میری
حال کیا ہوگا مرا ربط زیادا ہوکر
دیکھتے دیکھتے آنکھوں نے تو اک سحر کیا
دل مرا پھانس لیا زلف نے پھندا ہوکر
کس دن آہٹ پہ نہ یاں کان لگے تھے اپنے
پھر گئے آپ بھلا کب شرف افزا ہوکر

حال دل اس لیے ہر ایک سے کہتا ہوں میں
کان تک آن کے پہنچ جائے گا چرچا ہو کر

ہے قیامت کہ عیادت کا بھی وعدہ ہو غلط
مر گیا آپ کا بیمار غم اچھا ہو کر

مجھ سے کہتے ہیں کہ مجھ کو تو نہ کیجے بدنام
ہوئے مشہور جہاں آپ تو رسوا ہو کر

کچھ تسلّی دل بے تاب کی گریے سے ہوئی
حسرتیں دل کی نکل جائیں گی نالا ہو کر

تمھیں دشمن سے نہ اُلفت ہمیں اُس سے ہے نہ رشک
گر یوں ہی ہے تو خدا جانے رہے کیا ہو کر

چاہیے کر رکھے یا اپنا کسی کو انساں
یا مری جان رہے آپ کسی کا ہو کر

کاش تقدیر میں ہو جو کہ مرے دل میں ہے
رہوں کوچے میں ترے نقش کفِ پا ہو کر

آج کی شب تو کوئی ذکر نہ چھیڑو ایسا
قہر ہووے گا مری جان پہ جھگڑا ہو کر

کہہ نظام اب ترے کیا جی میں ہے کہہ دے مجھ سے
ہائے پوچھے وہ کبھی مجھ سے یہ تنہا ہو کر

(۱۱۳)

وہ غیر ہوگا جو شب بھر رہا ترے در پر
یہ منصفی ہے اب الزام ہے مرے سر پر

بر آئے کیونکہ تمنّا، تسلّی ہو کیوں کر
نہ زورِ دل پہ ہے اپنا نہ بس ہے ''دل بر'' پر

وہ بدگمان یہ دل ہے کہ کچھ نہیں تسکیں
یقین لاتا ہے اس کا پیام آور پر

وہ آئے اور رہے رات بھر مزے کے ساتھ
تسلّی ہو مری کیا وعدۂ مقرّر پر

ہمارے قتل کی کیوں فکر اس قدر ہے تمھیں
جو حکم ہو تو گلا آپ رکھ دیں خنجر پر

ہوا وہ شب، نہ ہوا تھا جو کوششوں سے کبھی
یہ بات سچ ہے کہ ہر امر ہے مقدّر پر

بسا ہے دل میں تو وہ نطف، ساتھ سونے کا
تمام رات تڑپتا رہا میں بستر پر

قرار پر نہ زباں آپ کی نہ دل میرا
تسلّی ہو مری کیا وعدۂ مقرّر پر

ترے فراق میں کیا جی لگے، خدا کی پناہ!
کہ چار سمت سے وحشت برستی ہے گھر پر

لکھے نصیب کے یوں حرف مدّعا مٹ جائے
خط اُس کا مٹے نہ رکھوں تھا دیدۂ تر پر

تمھیں تو جانے کسی نے نہیں نہیں دیکھا
کسی کو تم نے بھی دیکھا ہے غیر کے در پر

نظام دیکھیے کیوں کر نباہ ہوتا ہے
طبیعت آئی تو آئی بھی اک ستم گر پر

(۱۱۴)

دوستو لاؤ یقیں تم بھی خدا کے نام پر
جان دے بیٹھا ہوں میں اُس بے وفا کے نام پر

غم[1] نے مارا ہے مجھے بدنامیوں کا خوف ہے
مفت تم نے نام رکھوائے وفا کے نام پر

نام اُس کا پوچھتا ہوں شوق سے میں باربار
جس کسی کا نام ہو اُس ''دل ربا'' کے نام پر

یا الٰہی بے حجابی کیوں کہ ہوگی یار سے
شرم آجاتی ہے ان کو تو حیا کے نام پر

ہائے قسمت ہر گھڑی ایسے کا ہم لیتے ہیں نام
نام گن گن کر جو رکھتا ہے وفا کے نام پر

بے وفا ہیں اور بھی معشوق دنیا میں مگر
کان پکڑے ہے ہر اک اُس بے وفا کے نام پر

یہ تو خوبی دیکھو جب اُن سے گلا کرتا ہوں میں
مجھ سے کیا کیا وہ بگڑتے ہیں جفا کے نام پر

(۱۱۵)

ختم ہیں بے رحمیاں اُس سنگ دل عیّار پر
آپ رحم آتا ہے مجھ کو اپنے حال زار پر

اپنی یہ خو دخل دینا اُن کی ہر اک بات میں
اُن کی وہ عادت کہ ہر دم مستعد تکرار پر

۱۔ قدرت یہ شعر شامل غزل نہ کرسکے تھے (صفحہ ۲۶۹ ''کلیات نظام'') میں نے غزل میں شامل کردیا ہے۔ (فائق)

بات کوئی یاد کرکے اک، شکایت چھیڑ دی
رحم تو آهی چکا تھا میرے حال زار پر
انتظار یار میں ایسے حواس اپنے گئے
ھے نظر اپنی کبھی در پر ، کبھی دیوار پر
خبط ھے ، سودا ھے یا دیوانگی ھے یا جنوں
انتظار آنے کا اس کے اس قدر انکار پر

(۱۱٦)

وہ آئی سیدھی کہہ کر ، ناحق مجھے رلا کر
اس بت کا دیکھنا پھر نظریں چرا چرا کر
میری جدائی کا غم ھاں کیوں نہ ھوگا تم کو
یہ دل ھی دل میں ھنسنا رونے کا منہ بنا کر

———

ردیف ش

(۱۱۷)

بھلا ہونے کے ہیں کہیں خاموش
رہے اک بات سے تمہیں خاموش
اُن کے آگے کہے گا کیا قاصد
ہوچلا تُو تو کچھ یہیں خاموش
بات کیوں بڑھتی، گر ہوئے تھے خفا
ہمیں ہوجانا تھا وہیں خاموش
آپ کب تک نہیں سنیں گے مری
میں بھی رہنے کا اب نہیں خاموش
ناصحا! گر کہوں میں اپنا حال
تو بھی ہوئے گا، ہے یقیں خاموش
نہ سنو تم ہمارے کہنے کو
لو ہوئے جاتے ہیں ہمیں خاموش
بات کرنے کی بھی نہیں طاقت
اب تو ہے آپ کا حزیں خاموش

خوف ہے تم کو وصل میں کس کا
کیسے بیٹھے ہو شرم گیں، خاموش
دل میں کیا کیا خیال گزرے نظام
جب ہوا ہے وہ نازنیں خاموش

(۱۱۸)

ستم کی ہے فلک رو سیاہ کی گردش
اثر پذیر ہو کیا دود آہ کی گردش
طواف بیت صنم کی وہاں دعا مانگوں
اگر نصیب ہو بیت اللہ کی گردش
خدا کے آگے ہے اب مثل درد سر، درپیش
ہمیں نہ چھوڑے گی ہائے گنہ کی گردش
الٰہی خیر ہو قاصد کو اتنی دیر ہوئی
مری ہے گردش قسمت کہ راہ کی گردش
ہمیں نہ ہوویں گے اک دن فلک کے ہاتھوں سے
یوں ہی رہے گی سدا سال و ماہ کی گردش
تم آئے ہوتے، شب غم مرے نصیب میں ہے
یہ سچ ہے میرے ہے بخت سیاہ کی گردش
فلک کہاں سے کہاں تو نے ہم کو پہنچایا
کوئی سے بھی جو ہو راہ راہ کی گردش
یہ میں نے دیکھی ہے یہ میرے دل سے پوچھے کوئی
ادا کے ساتھ وہ ترچھی نگاہ کی گردش
گھڑی گھڑی مری حالت بدلتی جاتی ہے
تو دیکھ تو مرے حال تباہ کی گردش

نہ پہنچی منزلِ مقصود کو یہ گردشِ بخت
تمام عمر رہی خواہ مخواہ کی گردش
نظامؔ کوچۂ جاناں کے گرد ہی رہیے
ہمیں پسند نہیں گاہ گاہ کی گردش

ردیف ض

(۱۱۹)

اب جانا ہم نے آپ کو ہو بے وفا، غرض
کوئی مرے جیے، تمہیں کیا کام، کیا غرض
کیا اپنے رازِ دل کو چھپایا ہے ہم نے بھی
تم سے بھی تو کبھی نہ کہا مدعا غرض
کیوں بار بار کہتے ہو کیوں اس کو چھوڑ دوں
میں جانتا ہوں آپ کی بھی ناصحا غرض
ملتے ہو گر عدو سے تو اس پر بھی خوش ہیں ہم
تم سے غرض ہے ہم کو، کسی سے ہے کیا غرض
ناحق کی حجتوں سے ملا کون فائدہ
مطلب بگاڑ آپ کا ہے، روٹھنا غرض
یوں تو سبھی بھلے ہیں زمانے میں اے نظامؔ
ڈالے نہ پر کسی سے کسی کی خدا غرض

ردیف ط

(۱۲۰)

یہ تو سچ ہے بات ہوتی ہے تمہاری کم غلط
کہتے ہو پر اس طرح سمجھیں اُسے تا ہم غلط

آئے وہ وعدے پہ اور ہم نا اُمیدی سے موئے
ہائے قسمت! سچ کہا تھا اُس نے ، سمجھے ہم غلط

آہ سوزاں کا اثر ہو اے دل پر سوز جھوٹ
آن پہ ہو تاثیر گریہ دیدۂ پرنم غلط

منتظر کب تک رہیں ، کب تک نہ ہوں مایوس ہم
ایک، وہ کیا ، سیکڑوں وعدے ہوئے پیہم غلط

نامہ‌بر کی بات کا یوں تو یقیں ہے کب ہمیں
یوں ہی باتیں کرکے کرلیتے ہیں اپنا غم غلط

ہوتی ہے اُلفت بری تم اس کو کیا سمجھو بھلا
سچ ہے درد دل غلط ، شیون غلط ، ماتم غلط

وہ تو کب آتے مگر ہوتا غضب کا انتظار
شکر ہے اس بات کا پہلے ہی سمجھے ہم غلط

تا سحر تم کو اسی باعث نہ آئی نیند سچ
روٹھ جانے کا مرے اور آپ کو ہو غم ، غلط

واں نظام اُن کی وہ عادت یاں یہ اپنا انتظار
کس طرح دل کی خوشی ہو ، کس طرح ہوغم غلط

ردیف ظ

(۱۲۱)

لو مے پیو بھی وصل میں ، ایسا ہے کیا لحاظ
گردن اٹھائیے تو سہی ، ہوچکا لحاظ

ہم نے کہیں بھی ایسا نہ دیکھا سنا لحاظ
اب تو لحاظ توڑ بھی دو تا کجا لحاظ

کچھ اپنا حال کہنے کو تھا آج آپ سے
اب کیا کہوں کہ کہتے ہوئے آ گیا لحاظ

جو چاہتے ہیں آپ وہ کہہ لیتے ہیں ہمیں
ہم کیسے کچھ کہیں ، ہمیں ہے آپ کا لحاظ

رشک عدو کے کہنے کو دل کس کا لاؤں میں
بس بس خطا معاف ہو ، اب ہوچکا لحاظ

اُس بت کو چھوڑنا یہ کوئی حق کی بات ہے
اس بات کا بھی چاہیے کچھ ناصحا لحاظ

آنکھیں ملا کے صاف یوں انکار وصل واہ
ایسے تو بے لحاظ نہیں کیا ہوا لحاظ
اتنے تپاک پر بھی سبب کیا رکاؤ کا
نفرت ہے ہم سے آپ کو منظور، یا لحاظ
ہر طرح کا لحاظ تھا جب تک ملے نہ تھے
اب مل گئے ہم آپ تو کس کا رہا لحاظ
ہم سے یہ دل میں رنج، عدو سے یہ اُلفتیں
منصف ذرا تو ہوجیے، کیجے ذرا لحاظ
محفل میں آنکھ اٹھا کے ادھر دیکھتے نہیں
دیکھو تو اس قدر ہے تمھیں غیر کا لحاظ
ان شرمگیں نگاھوں سے دیکھو نہ اس طرف
یاں کس کے دل میں تاب ہے بس ہوچکا لحاظ
تم کو تو بات بات پہ آتا لحاظ ہے
یہ تو لحاظ کیجیے ایسا بھی کیا لحاظ
ہم تو ستائے جاتے ھیں ایسے لحاظ سے
تم نے ستم کا نام غرض رکھ لیا لحاظ
پھر تو ادھر کو دیکھ کے منہ پھیرنا یوں ھی
دل لے لیا مرا تو غضب ہے ترا لحاظ
بدنام یہ ھوا ہے تمھارے لیے نظام
کرتے ھیں آس سے ملتے ہوئے آشنا لحاظ

ردیف ف

(۱۲۲)

دل ہے اُس شوخ فتنہ‌گر کی طرف
رہا الزام نامہ بر کی طرف

میرے کہنے میں دل ہو گر ناصح
نہ کروں منہ بھی اُس کے گھر کی طرف

ہائے وہ نیچی نیچی نظروں سے
دیکھنا میری چشمِ تر کی طرف

دل بھر آیا جو ہجرِ جاناں میں
درد مائل ہوا جگر کی طرف

کوئی اپنی خطا کا عذر کرے
گر ہو الزام کچھ بشر کی طرف

دیکھتے ہیں چرا کے وہ آنکھ
اپنے اس کشتۂ نظر کی طرف

میری فریاد کون سنتا ہے
کس کا دھیان آہِ بے اثر کی طرف

کھلنا چوٹی کا ایک آفت ہے
دیکھیے تو ذرا کمر کی طرف
دوستوں کو یہ کیا ہوا ہے نظام
ہے رجوعات چارہ‌گر کی طرف

(۱۲۳)

وصل صنم ہوا نہ ہمیں ایک بار حیف
اللہ یہ نصیب ہمارے، ہزار حیف
تو دیکھ تو یہ حال دل زار ہے مرا
منہ سے نکل گیا ترے بے اختیار، حیف
تجھ کو خیال بھی نہ ہو افسوس کچھ مرا
اور مجھ کو ہر گھڑی ہو ترا انتظار حیف
ملنا کہاں کا واں انہیں ہیں اور ہی خیال
یاں ایک لحظہ بھی نہیں دل کو قرار حیف
ناحق خفا بھی مجھ سے ہوں یہ لطف دیکھنا
ٹھہرائیں پھر مجھی کو وہ تقصیروار حیف
کہنا نہ تھا کسی سے بھی دل کا معاملہ
دشمن کے سامنے گلۂ دوست‌دار حیف
پھرجائیں در تک آکے وہ، میں بے‌خبر رہوں
اپنے نصیب میں ہے شب انتظار حیف
یاں بار بار آنے سے نادم تو میں بھی ہوں
پر کیا کروں کہ دل پہ نہیں اختیار حیف
کیا جانے کیسی یاس سے دی میں نے اپنی جان
کہتا تھا بعد قتل کے جو وہ بار بار حیف

پھر غیر سے ملاپ ہو ، ہم سے وہی بگاڑ
یہ ناامیدیاں دل امیدوار حیف
تسکین کوئی دم کو تو ہو جائے اے نظام
اُن کے کلام کا بھی نہیں اعتبار حیف

ردیف ق

(۱۲۴)

نہ چھوٹے ہم کسی صورت سے تجھ سے ہائے فراق
رہا ملے پہ بھی خوف فراق جائے فراق
وصال ہی میں الٰہی وصال ہو میرا
مجھے قبول ہے موت آئے ، پر نہ آئے فراق
الٰہی کیوں کہ میں ایّام ہجر کے کاٹوں
ابھی یہ حال ہے میرا اور ابتدائے فراق
کسی کے کہنے کا مجھ کو یقیں نہیں آتا
مری زبان سے تم سن لو ماجرائے فراق
خدا نے نعمتیں سب اور سب جہان کو دیں
ہماری جان پہ نازل کی یہ بلائے فراق
کوئی بچا بھی اگر اس سے اُس کا نام ہے ''موت''
برائے نام ہی یوں خلق میں کہائے فراق

وصال میں بھی کبھی خوش نہیں ہوئے ہم تو
یہ کس قصور میں ہم کو ہوئی سزائے فراق
رہا یوں ہی غم فرقت تو ہم نہ ہوئیں گے
ہماری جان ہی لے گی یہ بد دعائے[1] فراق
تمہارے لطف یہ رہ رہ کے یاد آئیں گے
خدا ہی جانے کہ کیا قہر اب کے لائے فراق
ستاؤ مل کے ستانا ہے گر تمہیں منظور
مجھے قبول جو کچھ ظلم ہو سوائے فراق
کبھی تو وصل تمہارا مجھے بھی روزی ہو
کبھی تو غیر کو میری طرح ستائے فراق
جو ایک دن کی ہو ایذا تو سہہ بھی لے کوئی
یہ کس طرح سہیں ہر دن کے صدمہ ہائے فراق
عدو بھی آتش فرقت سے بس جلے ہردم
ہمارے واسطے خالق فقط بنائے فراق
یوں ہی نصیب میں تھا کیا گلہ کسی سے نظام
فراق بہرمنست و منم برائے فراق

۱- مصرع ثانی ''ہمری جن ہی لے کی یہ مدعاے فراق'' بے معنی ہے۔ ''مدعاے فراق جان ہی لے گی'' روزمرہ کے خلاف ہے۔ ''مدعاےفراق جان ہی لے گا'' بول چال کے مطابق ہوتا۔ ''لے گی'' کی رعایت سے ''بد دعاے فراق'' تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)

ردیف ل

(۱۲۵)

درد سر کہہ کے ہے بندے کا رلانا شب وصل
اک نہ اک چاہیے تم کو بھی بہانا شب وصل
شب اول تو وہ کچھ مجھ کو رٹھا کر سونا
ہائے پچھلے کو وہ پھر اُس کا منانا شب وصل
آہ و نالہ کا شب غم کے عوض ہے مجھ سے
اے مؤذن یہ ترا شور مچانا شب وصل
ساتھ سونے نہ دیا صبح تک ایسی ضد کی
قہر تھا اُس بت کافر کا جگانا شب وصل
یارب اب فکر ہے، کیا کیا کہوں، کیا کیا نہ کہوں
حال دل ہے مجھے اُس بت کو سنانا شب وصل
کیا شب غم کا گلہ، وہ تو ہیں ایسے عیّار
باتوں باتوں میں مجھے صاف اُڑانا شب وصل
میں تو کہتا نہیں کچھ آپ ہی انصاف کریں
غیر کا ذکر مرے سامنے لانا شب وصل

تم سے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ کیا کہتے تھے
یاد تو ہوگا وہ الفت کا جتانا شب وصل

رات ساری گئی جھگڑوں میں ہی حاصل یہ ہوا
اُن سے کیوں کہتے تھے ہم غم کا فسانا شب وصل

یوں بگڑ بیٹھے کسی بات پہ وہ ضد کر کے
میری قسمت ہی میں تھا رنج اُٹھانا شب وصل

کیوں فلک یہ بھی ہے انصاف وہ طول شب ہجر
بات کہنے میں سحر اتنی گھٹانا شب وصل

اور تو کیا کہوں اک موت کا آنا تھا نظام
روٹھ کر پاس سے اُس شوخ کا جانا شب وصل

(۱۲۶)

اگر کہیے میرے ستانے سے حاصل
تو کہتے ہیں پھر دل لگانے سے حاصل

سنبھالا کرو اب دوپٹہ تم اپنا
نظر آ گیا کچھ چھپانے سے حاصل

جواب اس کا جو لکھو ہاں وہ دکھانا
مجھے غیر کا خط دکھانے سے حاصل

جو منظور ہے یوں ہی چلون اُٹھا دو
یہ در پردہ آنکھیں دکھانے سے حاصل

خدا جانے کیا سمجھے وہ اپنے جی میں
نظام اُس کو الفت جتانے سے حاصل

(۱۲۷)

مرے کہنے میں گر ہوتا مرا دل
میں دیتا تجھ سے ظالم کو بھلا دل
نہ جانے اُس کی محفل میں نہ جانے
نہ سمجھے تھے وہاں رہ جائے گا دل
کل آیا تھا جہاں سے ہو کے بے زار
وہیں پھر آج مجھ کو لے چلا دل
ترے ظلموں سے مجھ کو یہ گماں ہے
پھرے تجھ سے مبادا یہ مرا دل
سہے ہیں کیسے کیسے میں نے صدمے
ترے غم میں اک آفت میں رہا دل
رکھا تھا تھام تھام اب تک تو دل کو
کسی صورت نہیں اب مانتا دل
پھرایا سر تری باتوں نے ناصح
پھرا کچھ بھی نہ اُس سے تو مرا دل
تسلّی تم تو گو کرتے ہو میری
پر اس کو مانتا ہے کب مرا دل
حقیقت دل کے آنے کی نہ پوچھو
نہ سمجھے تھے یہ آفت لائے گا دل
نظام اُس بت کے تو ایسے سہے ظلم
خدا جانے یہ کیسا ہے ترا دل

(۱۲۸)

کہتے ہیں کس ادا سے وہ سن ماجرائے دل
گر ایسا کوئی جانے تو پھر کیوں لگائے دل

سہتے ہیں ظلم غیروں کے ہم تو ترے لیے
کیا ظلم ہے جو تو بھی ہمارا ستائے دل

دل دے کے اس صنم کو یہ صدمے سہے کہ بس
موت آئے پر الٰہی کسی پر نہ آئے دل

واں ہائے ہائے کرتے مجھے پھر تو لے چلا
بے قدر کردیا مجھے تونے تو ہائے دل

ہے اشتیاق تم کو سناؤں میں دل کا حال
سن لو مری زباں سے کبھی ماجرائے دل

نا آشنا سے ہوچلے چاہت جتاتے ہی
فرمائیں آپ ہی کوئی اب کیا لگائے دل

دل جانے کے جو صدمے ہیں دل جانے ہے نظام
یا رب کبھی کسی پہ کسی کا نہ آئے دل

(۱۲۹)

کیا کروں آرام آئے کس طرح
کس طرف جاؤں کہ گھبراتا ہے دل

کیوں نظام ایسا بھی ہوتا ہے بھلا
کیا یوں ہی ہوتا ہے گر آتا ہے دل ؟

ردیف م

(۱۳۰)

جو کہیے آہ کا تم کو اثر نہیں معلوم
تو کہتے ہیں کہو پھر تم ، اگر نہیں معلوم
میں رشک غیر کا کیا آپ سے کہوں باعث
نہ مجھ سے پوچھیے ، تم کو اگر نہیں معلوم
یہ چھیڑ چھیڑ کے مجھ کو جو یوں رلاتے ہو
کچھ اس سے آپ کا مدنظر نہیں معلوم
تمہارا راز کسی پر کھلا نہیں سچ ہے
ہمیں بھی گو کہ ہے معلوم ، پر نہیں معلوم
سنا ہے میں نے جو اوروں سے بس وہی سچ ہے
وہاں کا حال تجھے نامہ‌بر نہیں معلوم
تمہاری ایسی جفائیں ہوں اور گلہ نہ کرے
ہمیں تو کوئی بھی ایسا بشر نہیں معلوم
ابھی وہ پاس ہیں اور ایسی اشک باری ہے
دکھائے دیکھیے کیا چشمِ تر نہیں معلوم

یہاں تک آ کے گیا پھر پلٹ کے قاصد کیوں
چلا ہے کس لیے بار دِگر نہیں معلوم

ہزاروں طرح کے مجھ کو خیال آتے ہیں
خفا ہے کس لیے وہ فتنہ‌گر، نہیں معلوم

سنا ہے غیر کو بھی تجھ سے کچھ شکایت ہے
کہوں میں آپ سے کچھ اس قدر نہیں معلوم

خوشی کی جا ہے کہ وعدہ ہے اُن کے آنے کا
کچھ آج باعث درد جگر نہیں معلوم

ادھر تو دیکھو کہیں میں ہی چھپ کے جاتا ہوں
یہ سچ ہے آپ کو دشمن کا گھر نہیں معلوم

ادھر تو وعدے کی اُمّید پر ہے اپنی حیات
صلاح ٹھہری ہے کیا کچھ اُدھر، نہیں معلوم

یقیں ہے یہ تو ملے گا کبھی وہ ہم سے نظام
ملے گا کون سے دن، یہ مگر نہیں معلوم

(۱۳۱)

ہاں نہ ہوگی مرے دل کی تمھیں حالت معلوم
پر مجھے تو ہے ہر اک آپ کی عادت معلوم

خیر ہے کس لیے ہے ایسی اکاوٹ پھر آج؟
دوستی آپ کی معلوم، محبّت معلوم

دوست کہتے ہیں کہ تجھ سے بھی کچھ اُلفت ہے اُنھیں
میں یہ کہتا ہوں کہ دشمن سے ہے اُلفت معلوم

مجھ کو شکوہ نہ ہو کچھ آپ کے کہنے کی ہے بات
کیا نہیں آپ کو اعدا کی عداوت معلوم

امتحان کیا ہے مرا، میں کسی لائق ہی نہیں
خوب تم کو تو ہے بندے کی لیاقت معلوم
نامہ بر بس تری صورت ہی سے ظاہر ہے جواب
بے کہے تیرے ہوئی ساری حقیقت معلوم
دوستو تم تو لیے چلتے ہو اُس محفل میں
کیا کہوں مجھ کو تو خود اپنی ہے عزّت معلوم
کیوں بھلا کرتے ہو بدنام کسی کو ناحق
جس کسی کی ہے، ہمیں بھی ہے شرارت معلوم
پردۂ غیب میں گر اُس سے ہو ملنا تو ہو
ظاہرا تو نہیں ہوتی کوئی صورت معلوم
اُس کے ملنے کی کیے جاتے ہیں تدبیں مدام
یوں تو ہے خوب ہمیں خوبیٔ قسمت معلوم
چپکا رہنا ترے حق میں بہت اچھا ہے نظام
جب کہوں کچھ تو وہ کہتے ہیں شکایت معلوم

(۱۳۲)

یا خدا کیسے ملیں اُس بت مغرور سے ہم
دیکھ آتے ہیں، جیسے چھپ کے کبھی دور سے ہم
کیا غرض آپ کو، کیوں حال ہمارا پوچھیں
رنج ہے کچھ تو جو رہنے لگے رنجور سے ہم
تمہیں کیا دوستو، پھر دیکھ ہی لیں گے سب کچھ
اُس کی محفل میں پہنچ جائیں کسی زور سے ہم
دل میں منصف ہو ذرا، اُلٹے ہمیں سے شکوے
سچ ہے ہاں ہو گئے ہیں ان دنوں مغرور سے ہم

آپ کی ہے وہی عادت جو ہماری ہے چڑھ
لو کبھو ہوتے ہیں خوش غیر کے مذکور سے ہم
کبھی جی بھر کے جو دیکھا ہو تو آنکھیں پھوٹیں
آپ سے رہتے ہیں ملنے پہ بھی مجبور سے ہم
حال دل تم سے نہ کہتے کبھی، پر کیا کیجے
ان دنوں ہو گئے ہیں عقل سے معذور سے ہم
وہی کچھ پوچھے تو ہم حال کہیں اپنا نظام
دیکھ رہ جاتے ہیں خاموش اسے دور سے ہم

(۱۳۳)

کہتے ہو لگا لینے کے حق میں ہیں بلا ہم
جھوٹی بھی لگاوٹ نہیں کیا جانیں ملا ہم
اس بزم سے اٹھ جاتے ہیں جب ہو کے خفا ہم
رہ رہ کے خیال آتا ہے، کر بیٹھے یہ کیا ہم
اب آپ کے بس میں ہیں جو چاہو ہمیں کہہ لو
دل بھی نہیں کہنے میں، کہیں آپ سے کیا ہم
آ جانے کی یوں دل کے تو ہے بات ہی کچھ اور
اور آپ ہوں منصف تو کجا غیر کجا ہم
وہ کہتے ہیں دل سے تو ذرا پوچھیے اپنے
گر اُن سے کسی بات کا کرتے ہیں گلا ہم
قاصد کی زبانی یہ مزا آتا ہے دل کو
گویا تری باتوں ہی کا لیتے ہیں مزا ہم
برسیں ہوئیں یا دور سے بھی تو نہیں دیکھا
رہتے تھے شب و روز ترے پاس ہی، با ہم

کیا کیجیے اس دل نے ہمیں کردیا ناچار
فرماتے ہیں جو آپ، سمجھتے نہیں کیا ہم؟
ہم سا بھی نظام اور کوئی ہوگا جہاں میں
محروم تمنّا ہی رہے ہائے سدا ہم

(۱۳۴)

اور اب کیا کہیں کہ کیا ہیں ہم
آپ ہی اپنے مدّعا ہیں ہم
اپنے عاشق ہیں، اپنے وارفتہ
آپ ہی اپنے دل‌ربا ہیں ہم
آپ ہی خانہ، آپ خانہ خدا
آپ ہی اپنی مرحبا ہیں ہم
عشق جو دل میں درد ہو کے رہا
خود اسی درد کی دوا ہیں ہم
راز دل کی طرح زمانے میں
تھے چھپے، آج برملا ہیں ہم
کیوں نہ ہو عرش پر دماغ اپنا
کس کے کوچے کی خاک پا ہیں ہم
ہر کوئی آشنا سمجھتا ہے
اور یاں کس کے آشنا ہیں ہم
ابتدا کی بھی ابتدا ہیں ہم
انتہا کی بھی انتہا ہیں ہم
ہم تو بندے نظام اُن کے ہیں
وہ بجا کہتے ہیں، ''خدا ہیں ہم''

(۱۳۵)

جھوٹ کہتے ہو کہ عیّار ہو تم
سچ میں کہتا ہوں کہ طرّار ہو تم

ہائے وہ اس کا منانا مجھ کو
اور یہ کہنا کہ مرے یار ہو تم

کبھی دشمن سے شکایت نہ سنی
ہم نے مانا کہ جفاکار ہو تم

میں ملا غیر سے، تم کس سے ملے
بے وفا میں ہوں، وفادار ہو تم

آپ کیا پوچھتے ہیں، کیا میں کہوں
حال سے میرے خبردار ہو تم

بس کہاں تک یہ نصیحت ناصح
میں تو نادان ہوں، ہشیار ہو تم

مر کے بھی غم سے نہ چھوٹے افسوس
اس قدر درپئے آزار ہو تم

دوست کہتے ہیں وہ کب تم سے ملا
کس حماقت میں گرفتار ہو تم؟

کوئی بھی ایسے سے ملتا ہے نظام
انھیں باتوں کے سزاوار ہو تم

(۱۳۶)

آتے ہی یہ تو نہ کہہ ، جاتے ہیں ہم
ایسی ہی باتوں سے تنگ آتے ہیں ہم

کیا نہ آئیں گے وہ پھر کل کی طرح
شام ہی سے آج گھبراتے ہیں ہم

کیا بتائیں تم کو کہہ سکتے ہیں کچھ
پوچھتے ہو "یاد کیوں آتے ہیں ہم"

اُس سے ملنے کی ٹھہرتی ہے کہاں
دل کو یوں کہہ کہہ کے ٹھہراتے ہیں ہم

یاد کرکے وہ شب عشرت کے لطف
دل کو کس کس طرح بہلاتے ہیں ہم

آپ ہی پھر اُس کو دیتے ہیں بگاڑ
مشورہ جو دل سے ٹھہراتے ہیں ہم

اور اس سے کیا سوا ہوگی قسم
آپ کے سر کی قسم کھاتے ہیں ہم

کچھ جو سمجھے مطلب دل تو کہا
ایسی باتوں میں کہیں آتے ہیں ہم

بات پھر ہم سے چھپاتے ہو عبث
یہ سمجھ لو کچھ سمجھ جاتے ہیں ہم

آتے دیکھا ہوگا تم نے صبح کو
شب کو چھپ چھپ کر کہیں جاتے ہیں ہم

آتے کیا ہیں اس کے کوچے سے نظامؔ
پھیر کر منہ دیکھتے جاتے ہیں ہم

(۱۳۷)

اب نہ آئیں گے تیرے سر کی قسم
اب تو ہے یہ ہی عمر بھر کی قسم
پھر ذرا مڑ کے دیکھتے جاؤ
اپنے اس کشتۂ نظر کی قسم
تیرے کوچے کی گر عوض ہیں ملے
لوں نہ جنت میں تیرے سر کی قسم
شب غم روتے ہی گزرتی ہے
اپنے اس نالۂ سحر کی قسم
دوست کہتے ہیں ''اپنا کہہ احوال
جس کا زخمی ہے اس نظر کی قسم
چاک کیوں دل ہے شق ہے کیوں سینہ؟
اسی مژگاں رخنہ گر کی قسم
آنکھیں کیوں ڈبڈبائی رہتی ہیں ؟
تجھے اپنی ہی چشم تر کی قسم
سرد آہیں ہیں کیوں ترے لب پر ؟
نالہ و سوزش جگر کی قسم''
سب کی سنتا ہوں کچھ نہیں کہتا
پاس تیرا ہے ، تیرے سر کی قسم
آپ اور آئیں اپنے وعدے پر
اور قسم بھی تو میرے سر کی قسم
دل کو کیوں وہم میں عبث ڈالیں
کیوں نہ سچ سمجھیں نامہ بر کی قسم

کبھی تم پر اثر ہوا کچھ بھی
میری اس آہ بے اثر کی قسم
خوب خوش آیا واں سے تو قاصد
واہ اس شوخ حیلہ گر کی قسم
وہ ہوئی صبح اب تو ضد نہ کرو
ہوچکی بس وہ رات بھر کی قسم
سر مٹا اب نظام میں کیا ہے
نام ہے آپ کی کمر کی قسم

(۱۳۸)

کہتے ہو یوں ہی ستائیں گے ہم
اچھا تو ہے لطف پائیں گے ہم
تم بھی نہ جفا سے باز آنا
الفت سے نہ باز آئیں گے ہم
منظور ہے زہر تک بھی کھانا
ملنے کی قسم نہ کھائیں گے ہم
کہتے ہیں وہ اب یہاں نہ آنا
کس منہ سے کہیں نہ آئیں گے ہم
یوں ہم کو نہ دل سے تم بھلاؤ
دیکھو کبھی یاد آئیں گے ہم
کیا گزری جگر پہ وقت رخصت
جب اس نے کہا کہ جائیں گے ہم
کی میری کسی نے جو سفارش
بولے انھیں ہاں منائیں گے ہم

مجھ کو تو ضد ان کی دیکھنی ہے
یاں کہہ گئے ہیں نہ آئیں گے ہم

بے رحمی تمہاری دیکھنی ہے
حال اپنا تمہیں سنائیں گے ہم

ہو خیر نظام کہتے ہیں وہ
الفت تری آزمائیں گے ہم

ردیف ن

(۱۳۹)

جو چپ رہوں تو بتائیں وہ گھنگنیاں منہ میں
جو کچھ کہوں تو کہیں قینچی ہے زباں منہ میں

یہ ایک بات ہے ، قاصد جو بھیجتا ہوں تجھے
وگرنہ دل میں جو ان کے ہے، وہ یہاں منہ میں

زمیں کا کردیا پیوند ہم کو اے ظالم !
نہ اب بھی خاک پڑے تیرے آسماں منہ میں

نہ کان رکھ کے کسی نے سنی ، ہزار افسوس
تمام عمر رہی غم کی داستاں منہ میں

وہ ایسے بگڑے ہوئے ہیں کہ دانت پیستے ہیں
ہم ایسے چپ ہیں کہ گویا نہیں زباں منہ میں

یہ بات کیا ہے جو ہونٹوں میں بڑبڑاتے ہو
کہو نہ شوق سے جو آئے میری جان منہ میں
ڈرو اثر سے خدا جانے کیا ہو، کیا کچھ ہو
گھٹا ہوا ہے ابھی آہ کا دھواں منہ میں
کبھی گرائے نہ دو آنسو حال پر میرے
لو آؤ پانی تو ٹپکاؤ میری جان منہ میں
زبان پر ہے یہ کس کس کی ، تذکرہ اپنا
پڑی ہے بات نہ میری کہاں کہاں منہ میں
پھر ایسے وعدے سے تسکیں ہو کس طرح میری
'نہیں' ہے دل میں تمھارے، اگر ہے 'ہاں' منہ میں
اسی کا دھیان ہے جب تک کہ تن میں جان ہے نظام
اسی کا ذکر ہے جب تک کہ ہے زبان منہ میں

(۱۴۰)

حال دل تم سے مری جان نہ کہا کون سے دن
میرے کہنے کو بھلا تم نے سنا کون سے دن
لذتیں وصل کی کچھ میں نے بیاں کیں تو کہا
آپ کے واسطے دن ایسا ہوا کون سے دن
جب کہا میں نے وہ کیا دن تھے جو ملتے تھے تم
ہو کے انجان، عجب ڈھب سے کہا ''کون سے دن؟''
وصل کی شب ہے ملو آج تو دل کھول کے خوب
اے مری جان یہ جائے گی حیا کون سے دن
رشک آمیز جو کچھ میں نے کہا تو بولے
''غیر کے ساتھ مجھے دیکھ لیا کون سے دن؟''

ہر گھڑی دل میں رہا خوف بگڑ جانے کا
تیرے ملنے میں مزا ہم کو ملا کون سے دن؟
کون سا دن ہے جو بے چین نہیں ہو کے نظامؔ
بے قراری سے نہ اس در پہ گئے کون سے دن؟

(۱۲۱)

دشمنوں سے ان کی پھر ہے دوست داری ان دنوں
پھر لبوں پر ہے ہمارے آہ و زاری ان دنوں
دن میں سو سو بار اس کوچے میں ہو آتا ہوں میں
بے قراری سی ہے میری بے قراری ان دنوں
وہ ہیں اور جوش جوانی، ہم ہیں اور شوق وصال
زاہدا کہہ دے نبھے پرہیزگاری ان دنوں
رات دن رشک عدو، ہر وقت رونا ہجر میں
ہائے کیا وقت کٹتی ہے ہماری ان دنوں
سب کو سمجھاتے تھے ہم، ہم کو سمجھاتے ہیں سب
کیا کہیں کیا ہوگئی وہ ہوشیاری ان دنوں
پہلے کب ہر بات پر مجھ سے بگڑ جاتے تھے آپ
ایسی کب تھی جو کہ ہے عادت تمہاری ان دنوں
ہجر جاناں میں کہوں کیا تیرگیٔ بخت سے
رات دن رہنے لگی اختر شماری ان دنوں
تشنۂ آب دم شمشیر مجھ کو دیکھ کر
تیغ نے بھی ان کی کم کی آبداری ان دنوں
میں تو گنتا ہی رہا گھڑیاں تمہارے ہجر کی
رہتی ہے اب سب کو میری دم شماری ان دنوں

پھر مجھے سودا سا کچھ ہونے کو ہے شاید نظام
یاد آتی ہے وہ صورت پیاری پیاری ان دنوں

(۱۴۲)

جو ہم کبھی بت نا آشنا سے لڑتے ہیں
تو ہوش جاتے ہیں ایسے خدا سے لڑتے ہیں
یہاں یہ دل کی تمنا کہ کہہ نہیں سکتے
مزاج اُن کا وہ کچھ، جو ہوا سے لڑتے ہیں
کسی کے سامنے کیوں دل کا حال کہتے تھے
اگر وہ لڑتے ہیں ہم سے تو جا سے لڑتے ہیں
محبّت اور مرے دل میں بڑھتی جاتی ہے
لڑائی بھی تو وہ کچھ کس ادا سے لڑتے ہیں
جو اُس صنم سے ہے بگڑی تو ہے سبھی سے بگاڑ
دعائیں مانگتے کیا ہیں، خدا سے لڑتے ہیں
یہ میرا حال ہے سب آشنا تو ہیں ساعی
بگڑ کے غیر بھی اُس بےوفا سے لڑتے ہیں
توقع اے دل مضطر! کچھ اس سے ہوتی ہے
وہ یوں تو لڑتے ہیں لیکن حیا سے لڑتے ہیں
یہ لطف ہم کو بھی ملتا ہے ٹیڑھی باتوں میں
کہ چھیڑ چھیڑ کے اُس بے وفا سے لڑتے ہیں
کبھی سنا نہ یہ ہم نے کہ غیر سے لڑے آپ
ہمیں سے آپ تو فضل خدا سے لڑتے ہیں
کسی کے کہنے سے ہم سے لڑو مناسب ہے
جو آشنا ہیں وہ کب آشنا سے لڑتے ہیں

شب وصال بھی تا کچھ نہ کہہ سکے اُن سے
بگڑ کے اس لیے وہ ابتدا سے اڑتے ھیں
نظام آپ کی باتوں کی کیا شکایت ھے
وہ میرے ساتھ تو یوں ھی سدا سے لڑتے ھیں

(۱۴۳)

ھم تو ھر طرح سے تمھارے ھیں
کہیے کچھ آپ بھی ھمارے ھیں
تو تو ظالم ستا ستا کے نہ مار
آپ ھی ھم غموں کے مارے ھیں
آنکھیں ھر بات پر دکھاتے ھو
ھم سمجھتے ھیں جو اشارے ھیں
کچھ نہ ھجراں کی پوچھیے تکلیف
میں نے مرمر کے دن گزارے ھیں
دن نکلنے تو دو ، چلے جانا
آسماں پر ابھی ستارے ھیں
آپ میں جب سے میں نہیں آتا
آپ جس روز سے سدھارے ھیں
اُف ری بیماریٔ غم فرقت
جیتے جی گور کے کنارے ھیں
کچھ نہ بن آئی سامنے اُن کے
اب تو ھوش و حواس سارے ھیں
وہ صنم آپ مل رھے گا نظام
پنڈتوں نے شگن بچارے ھیں

(۱۴۴)

مطلب تو مری بات کا وہ پائے ہوئے ہیں
منہ پھیر کے چپ سنتے ہیں ، شرمائے ہوئے ہیں

کچھ کہنے نہ پایا تھا جو کچھ سمجھے تو بولے
بس بس تری ان باتوں کو ہم پائے ہوئے ہیں

گر اب بھی نہ تم آئے تو پھر دیکھیے کیا ہو
اب تک دل مضطر کو تو بہلائے ہوئے ہیں

منہ پھیر کے کیوں ہاتھ سے جھٹکو گے نہ یوں جام
ہاں آپ تو پینے کی قسم کھائے ہوئے ہیں

جو اپنی محبت سے وہ کم ہوتے (ملتے) ہیں ہم دم
کیا ان کا گلہ ، غیر کے بہکائے ہوئے ہیں

مرنے کے لیے چاہیے ہاں کوئی بہانہ
اس جینے سے ہم آپ ہی اکتائے ہوئے ہیں

اللہ شب وصل بھی کیا بات بنے گی
وہ پہلے ہی بگڑے ہوئے ، جھنجلائے ہوئے ہیں

قسمت سے رہا وصل میں بھی ہجر کا عالم
ہاں ہوش کسے دیکھیے کہ وہ آئے ہوئے ہیں

ہر کھٹکے پہ کیوں[۱] چونکتے یہ کچھ تو سبب ہے
پھر کچھ تو ہے یوں آپ جو گھبرائے ہوئے ہیں

مرنے کی بھی فرصت نہیں یاں ہجر میں اس کے
کیوں جان کے خواہاں مری سب ہائے ہوئے ہیں

۱- ''یوں'' مطبوعہ ''کلیات نظام'' میں ہے ، مطلب واضح نہیں ہوتا اس لیے ''کیوں'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

اب کہیے کچھ ایسی کہ تسلی ہو ہماری
یہ قول سدا آپ کے فرمائے ہوئے ہیں
تنگ آ کے نظام اُس کا شب وصل یہ کہنا
خیر آج تو بس میں ترے ہم آئے ہوئے ہیں

(۱۴۵)

حال اُس شوخ سے اظہار کروں یا نہ کروں
کروں اظہار ، تو تکرار کروں یا نہ کروں
وہ یہ کہتے ہیں کہ ہر دم نہیں آنا اچھا
دل بے تاب ! میں اقرار کروں یا نہ کروں
یہ لگاوٹ ، یہ کرشمہ ، یہ ادا ، یہ شوخی
تمھیں منصف ہو ، تمھیں پیار کروں یا نہ کروں
حسرتیں دل میں بہت ، رات ہے تھوڑی ، یہ فکر
سوتے ہیں وہ ، اُنھیں بیدار کروں یا نہ کروں
تمھیں دیکھوں بھی نہ میں، بات بھی تم سے نہ کروں
کچھ بھی تسکین دل زار کروں یا نہ کروں
کیا اجازت فقط آنے کی یہاں تک ہے مجھے
تم سے باتیں بھی میں دو چار کروں یا نہ کروں
آپ کی اور میں شکایت کروں ، کیا میری مجال
گلۂ چرخ جفا کار کروں یا نہ کروں
مجھ پہ تو مفت کے الفاظ ہزاروں رکھے
میں بھی کچھ شکوۂ اغیار کروں یا نہ کروں
وہ جھروکوں میں جو آ جائیں تو اتنا پوچھوں
بستر اپنا پس دیوار کروں یا نہ کروں

تو بھی اُس شوخ سے واقف ہے بتا کچھ تو نظام
مجھ سے دل مانگے تو انکار کروں یا نہ کروں

(۱۴٦)

اچّھا سہی نہ دل کی بیاں آرزو کریں
تم سے بگاڑ کی بھی نہ کچھ گفتگو کریں

جس پر ستم ہو پھر وہ شکایت نہ کیوں کرے
ہم ایسے ہوں ہماری شکایت عدو کریں

میں نے تو کچھ کہا نہیں اچّھا عوض سہی
مشہور آپ سب میں مجھے تند خو کریں

تمہید مدّعا کو سمجھتے ہی یہ کہا
بس بس نہ آپ مجھ سے سوا گفتگو کریں

مے وصل میں جو پی تھی، اب اُس کی سزا ہے یہ
کھا کھا کے غم فراق کا، دل کو لہو کریں

یوں ہم کسی سے کب کہیں، پوچھا کرے کوئی
اظہار کچھ کریں تو ترے رو بہ رو کریں

کیا کیا ستم کیے ہیں کبھی گر ملا ہے تو
دل بس میں ہو تو ہم نہ تری جستجو کریں

جب آپ کو لحاظ کسی بات کا نہیں
ہم بھی نہیں پھر ایسے کہ رشک عدو کریں

کب تک نظام اُن سے چھپائیں ہم اپنا حال
آتی ہے جی میں آج تو کچھ گفتگو کریں

(۱۴۷)

موت آئے اگر جدائی میں
کیوں ہو غم اس قدر جدائی میں
گر یہی اپنے بخت ہیں یا رب
عمر ہوگی بسر جدائی میں
وہ سماں بس رہا ہے آنکھوں میں
خاک آئے نظر جدائی میں
ہائے کیا کیا ہیں انتظار میں کیف
لطف ہیں کس قدر جدائی میں
پھروں حسرت سے دیکھتا ہوں میں
گھر کے دیوار و در جدائی میں
ہائے یہ وصل میں نہ سمجھے ہم
ہوگا غم اس قدر جدائی میں
کیوں گلے سے کوئی لگائے تمہیں
کیوں ہو درد جگر جدائی میں
نظر آتی ہے اور ہی صورت
دیکھتا ہوں جدھر جدائی میں
پھر مجھے بھی کسی سے کیا شکوہ
یوں ہی ہوتا ہے گر جدائی میں
کوئی پوچھے تو کیا کسی سے کہیں
کسے اپنی خبر جدائی میں
جان دینا یہ سچ ہے سہل نہیں
نہیں مشکل مگر جدائی میں

موقوف اک اور بات کا ہے نظام
جان کا کس کو ڈر جدائی میں

(۱۴۸)

صدمہ بھی رہا تو سحر تک بھی ہم نہیں
سچ ہے تمہارے ہجر کا کچھ ہم کو غم نہیں

کچھ تو سمجھ لیا ہے جو مرتے ہیں آس پہ ہم
کچھ ایسے اپنی جان کے دشمن تو ہم نہیں

جس دن نہ آپ آتے تھے، آتا تھا کچھ لکھا
یا ہم سے وہ تپاک تھے یا یک قلم نہیں

کم التفاتیاں بھی تمہاری عذاب ہیں
یہ قہر ہے کہ کہتے اسے تم ستم نہیں

اب کہتے ہو کہ ہاں مجھے منظور ہے بگاڑ
ہر بات پر تو کہتے تھے تم دم بہ دم نہیں

یہ جانتے نہیں، کہ نہ ہو وہ تو کیا ہے زیست
سب مجھ کو دیکھتے ہیں یہاں مجھ میں دم نہیں

میرا گمان غلط ہے جو کہتے ہو ہے بجا
بس بس ہر ایک بات پہ اچھی قسم نہیں

کیوں دور کھینچتے ہو اگر بیٹھے پاس ہو
ملنا بھی آپ کا یہ نہ ملنے سے کم نہیں

سن سن کے داستاں مری بولا یہ نامہ بر
وہ بات کون سی ہے جو خط میں رقم نہیں

یوں ہی سہی کسی سے محبت نہیں تمہیں
کچھ میں ہی تو تم سے شاکیٔ لطف و کرم نہیں

دل میں تو خوش وہ ہیں دم رخصت، پہ ظاہرا
رونے کا منہ بناتے ہیں آنکھوں میں نم نہیں
یہ سچ ہے غم سے آپ کے مرنے کےہیں قریب
سب کچھ سہی پر آپ سے ملنے کے ہم نہیں
دل میں نہ آج درد، نہ آنکھوں میں اشک حیف
سامان غم بھی مجھ کو تو یا رب بہم نہیں
یہ تو نہ کہہ سکوں گا کہیں شب کو تم رہے
سچ دھج نہیں وہ آج، وہ کاکل کے خم نہیں
فرصت یہاں کسے کہ کریں یاد اور کچھ
وہ کون سی گھڑی ہے کہ یاد صنم نہیں
کیا بدگماں ہیں حال مرا سن کے کہتے ہیں
ہاں مر تو جاتے تم، تمہیں ملتا ہی سم نہیں
دشمن سے وہ ملیں گے الم ہے تو اک یہی
یوں ان کے روٹھ جانے کا ایسا الم نہیں
ہم جانتے تھے یہ ترے کوچے کا نام ہے
دوزخ سے اب تو کم ہمیں باغ ارم نہیں
اچھا کیا کسی سے نیا واسطہ کیا
اس بات کا نظام کو کچھ رنج و غم نہیں

(۱۴۹)

یا یہاں ہوں میں یا وہاں ہوں میں
پاس تیرے ہی ہوں، جہاں ہوں میں
کچھ تو مجھ سے بھی ہوگا تو راضی
کچھ ترا تو مزاج داں ہوں میں

ھائے کیوں میں وھاں سے آیا تھا
کیا پشیماں اب آکے یاں ھوں میں

تو ھی جنت میں جائیو ناصح
ساکن کوچۂ بتاں ھوں میں

کیا کہوں مجھ پہ جو گزرتی ھے
کس مصیبت میں الاماں ھوں میں

جان آئے گی تیرے آنے سے
اب بھی آجا کہ نیم‌جاں ھوں میں

جس میں تو خوش رھے، خوشی میری
خوش بس اس میں ھی میری جاں ھوں میں

تیرا کچھ کچھ بیاں جو کرتا ھوں
سب میں مشہور خوش‌بیاں ھوں میں

کون حال اپنا تم سے کہتا ھے
کچھ سنانے کو داستاں ھوں میں

میری باتوں پہ ھنس کے بولے نظام
جانتا تیری شوخیاں ھوں میں

(۱۵۰)

دل میں کیا اس کو ملا جان سے ھم دیکھتے ھیں
بلکہ جاں ھے وھی، جب دھیان سے ھم دیکھتے ھیں

چپکے بیٹھے ھوئے حیران سے ھم دیکھتے ھیں
تم تو دیکھو تمھیں کس شان سے ھم دیکھتے ھیں

دل نکل جاتا ھے بےساختہ اس دم اپنا
در میں جس دم تجھے دالان سے ھم دیکھتے ھیں

کہتے ہیں ، ایک تمہیں تو نہیں ہم پر مرتے
سیکڑوں جاتے ہوئے جان سے ہم دیکھتے ہیں
واں سے مایوس چلے تو ہیں نہ پوچھو پھر کچھ
پیچھے پھر پھر کے کس ارمان سے ہم دیکھتے ہیں
کیا گلہ آپ کا ، جو ہم کو دکھائے قسمت
آج کچھ اور ہی سامان سے ہم دیکھتے ہیں
کچھ رکا سا جو انہیں دیکھتے ہیں محفل میں
منہ کو ایک ایک کے حیران سے ہم دیکھتے ہیں
اللہ اللہ رے اے بت تری افزائش حسن
تجھ کو ہر لحظہ نئی آن سے ہم دیکھتے ہیں
ہائے قسمت کہ عدو کہنے کو اپنا مطلب
منہ لگاتے ہیں ترے کان سے ، ہم دیکھتے ہیں
کبھی جانے کا ارادہ جو وہ کرتے ہیں نظام
ہائے اس وقت کس ارمان سے ہم دیکھتے ہیں

(۱۵۱)

وہ بگڑے ہیں، رکے بیٹھے ہیں، جھنجلاتے ہیں، لڑتے ہیں
کبھی ہم جوڑتے ہیں ہاتھ ، گاہے پاؤں پڑتے ہیں
گئے ہیں ہوش ایسے گر کہیں جانے کو اٹھتا ہوں
تو جاتا ہوں ادھر کو اور آدھر کو پاؤں پڑتے ہیں
ہمارا لے کے دل کیا ایک بوسہ بھی نہیں دیں گے
وہ یوں دل میں تو راضی ہیں مگر ظاہر جھگڑتے ہیں
جو تم کو اک شکایت ہے تو مجھ کو لاکھ شکوے ہیں
لو آؤ ، مل بھی جاؤ یہ کہیں قصے نبڑتے ہیں

آدھر وہ اور آئینہ ہے اور کاکل بنانا ہے
ادھر وہم اور خاموشی ہے اور دل میں بگڑتے ہیں
یہاں تو سب ہماری جاں کو ناصح بن کے آتے ہیں
وہاں جاتے ہوئے دل چھوٹتے ہیں ، دم اکھڑتے ہیں
نہ دل میں گور، نہ جا محفل میں، یاں بھی بیٹھنا مشکل
ترے کوچے میں اب ظالم کب اپنے پاؤں گڑتے ہیں
سحر کو روؤں ، یا اُن کو مناؤں، دل کو یا روکوں
یہ قسمت وعدے کی شب جھگڑے سو سو آن پڑتے ہیں
کبھی جھڑکی، کبھی گالی، کبھی کچھ ہے، کبھی کچھ ہے
بنے کیوں کر کہ سو سو بار اک دم میں بگڑتے ہیں
نظام اُن کی خموشی میں بھی صدہا لطف ہیں لیکن
جو باتیں کرتے ہیں تو منہ سے گویا پھول جھڑتے ہیں

(۱۵۲)

زیست سے ہاتھ اُٹھائے بیٹھے ہیں
عشق کا تیر کھائے بیٹھے ہیں
وہ اشاروں میں اُس کا کہنا ہائے
دیکھو اپنے پرائے بیٹھے ہیں
درد دل میں اُٹھے اور اُف نہ کریں
راز اُلفت چھپائے بیٹھے ہیں
چشم گریاں ! یہ کس نے پوچھے اشک ؟
دیکھ تو کون آئے بیٹھے ہیں
شرم سے بات کر نہیں سکتے
چپ وہ گردن جھکائے بیٹھے ہیں

کوئی مطلب کی بات کہہ نہ سکے
بگڑی صورت بنائے بیٹھے ہیں
دور ہم بیٹھے منہ کو تکتے ہیں
غیر پاس اُن کے آئے بیٹھے ہیں
بزم میں اور سب سے باتیں ہوں
گویا ہم بے بلائے بیٹھے ہیں
آج منظور ہے کیا اُن کو نظام
آستینیں چڑھائے بیٹھے ہیں

(۱۵۳)

اُس کا کہنا "نہیں، نظام نہیں
ایسی باتوں کا مجھ سے کام نہیں"
دل کی تسکیں کی کون سی صورت
کوئی نامہ نہیں، پیام نہیں
آنکھ اُٹھا کر ادھر کو دیکھو تو
نہ دو، گر مجھ کو دیتے جام نہیں
کچھ کہوں تو بگڑ کے کہتے ہیں
آپ سے کچھ مرا کلام نہیں
خفگی سے بھی پھر بھی خوف نہیں
جب عنایت ہی کو قیام نہیں
اُٹھ گیا کیا نظام دنیا سے
آج در پھر وہ ازدحام نہیں

(۱۵۴)

غیر ہم ، دوست آپ کا دشمن
دوست کیا جانے ہم ہیں یا دشمن

جز ترے کیا کسی سے مطلب ہے
ہمیں یکساں ہے دوست کیا دشمن

تمھیں کیا، دوست، جس کو سمجھا دوست
رفتہ رفتہ وہ ہوگیا دشمن

دوست ہو تو ملو نہ دشمن سے
جو مرا دشمن ، آپ کا دشمن

خیر جو کچھ ہوا ، ہوا مجھ پر
سن نہ لے میرا ماجرا دشمن

ہم تو یوں سوئیں بستر غم پر
اور لوٹیں ترا مزا دشمن

کیا سناتے ہو کوئی آئے گا آج
کہہ نہ دو دوست آپ کا دشمن

ہاں تجھی کو میں جانتا ہوں دوست
تو تو ہے میری جان کا دشمن

دشمنوں سے ہوا نہ دشمن ، تو
ہوگیا مجھ سے دوست کا دشمن

دوستی سے نہ باز آئیں گے ہم
دشمنی سے تو ہاتھ آ[1] دشمن

لو جی اب دوست کہتے ہیں مل جاؤ
روٹھ بیٹھے کہ کیوں کہا دشمن

۱- آٹھا ؟ (فائق)

کہہ تو لو پھر ادھر آدھر کو دیکھ
آج ہوں میں نظام کا دشمن

(۱۵۵)

کہاں وہ دن، رہیں گی یاد یہ ہی عمر بھر باتیں
مزے وہ وصل کی شب کے، وہ باہم تا سحر باتیں
مزاج آن کا کہاں ایسا کہ وہ کچھ مجھ کو فرمائیں
بنا لاتا ہے کچھ اپنی طرف سے نامہ بر باتیں
یہ کل کی بات ہے تم کو، نہ ایسی باتیں آتی تھیں
یہ فرماؤ تو سیکھے ہو کہاں سے اس قدر باتیں
لپٹے منہ پڑے رہنا، تری کچھ یاد لا لا کر
بنایا کرتے ہیں اب دل سے ہم دو دو پہر باتیں
کبھی پھر بھی آسے دیکھیں گے ایسا دن بھی پھر ہوگا
الٰہی پھر بھی اس سے ہوئیں گی بار دگر باتیں
مجھے اُلفت ہے تم سے، تم کو مجھ سے روٹھنا کیسا
کبھی ہو جاتی تھیں رنجش کی بھی یوں ہم دگر باتیں
ہمارے حال سے اب تک نہیں کچھ تم کو آگاہی
کچھ ایسی آپ تو کرتے ہیں ہم سے بے خبر باتیں
یہ سب عیاریاں صاحب کی ہوں جانے ہوئے میں بھی
ادھر کرنا اشارے، غیر سے کرنا ادھر باتیں
ترے غصے کی باتیں مجھ میں سننے کی نہیں طاقت
خدا کے واسطے ظالم! نہ ایسی مجھ سے کر باتیں
وہ مجھ سے ہم کلام اس واسطے ہوتے نہیں کاہے
انہیں یہ خوف ہے مجھ پر نہ کر جائیں اثر باتیں

ادا اُس کی ہر اک ہے قہر یوں تو واسطے میرے
لگاوٹ کی غضب کرتا ہے وہ تو خاص کر باتیں
نظام اُس کی رکاوٹ کا سبب ہی کچھ نہیں کھلتا
کئی دن سے نہیں کرتا ہے کچھ وہ فتنہ گر باتیں

(۱۵۶)

میں حال دل اُن سے کہہ رہا ہوں
وہ کہتے ہیں "تجھ سے میں خفا ہوں"
ملنے سے ترے یہ کچھ ڈرا ہوں
دشمن کی بھی خیر مانگتا ہوں
جو چاہے تو ظلم کر، سہوں گا
اے جان! میں تجھ کو چاہتا ہوں
کیوں آنکھ چراتے ہو سمجھ کر
میں بھی تمھیں ہی (تو۱) دیکھتا ہوں
جاتے ہوئے کچھ مجھے تو سونپو
میں تم کو خدا کو سونپتا ہوں
تربت پہ تو آؤ ایک دم کو
دوری میں تمھاری مر رہا ہوں
چاہت میں تری عجب مزا ہے
چاہوں بھی تجھے نہ کیوں کہ چاہوں
تم بھی تو ذرا ادھر کو دیکھو
میں دیر سے تم کو دیکھتا ہوں

۱۔ "تو" تصحیح قیاسی ہے نسخۂ مطبوعہ میں نہیں۔ (فائق)

خود دل میں جو وہ خفا ھیں مجھ سے
اک ایک کا منہ میں تک رہا ھوں

اے جان! کہو پھر اسی ادا سے
"میں آج نظام سے خفا ھوں"

(۱۵۷)

نہ آنے کا اپنے سبب کیا کہوں
ستم غیر کا یا تمھارا کہوں

مجھے قطع امید کا خوف ہے
میں کیا اپنے دل کی تمنا کہوں

نہ پوچھو سبب درد دل کا مرے
برا گر نہ مانو تو اچھا کہوں

ستم میں جب اس کے مزا پائے دل
زباں سے اسے بے وفا کیا کہوں

تمھاری ندامت کا غم ہو مجھے
جو اپنی شب غم کا قصا کہوں

بہت مجھ کو غمگیں بناتے ہو آج
جو تم بھی کہو تو نہ میں کیا کہوں

مجھے کیا کہے اور تمھیں کیا کہے
کسی سے جو میں حال اپنا کہوں

کہہ اے نامہ بر! حال واں کا کچھ اور
نہ کہہ یہ کہ بس اور میں کیا کہوں

کسی غیر ھی نے کہا ھوگا یوں
ذرا سوچیے تو، میں ایسا کہوں

کسی طور پر واں رسائی نہیں
بس اس دل کا کیا میں ارادا کہوں

نہ کہنا عدو سے یہی لطف ہے
میں جو تم سے از راہ شکوہ[1] کہوں

مری تو خطائیں کہیں آپ نے
تمھارا بھی میں کچھ ستانا کہوں

اگر آپ پوچھیں تو کچھ کہہ ھی دوں
کسی سے میں کب حال اپنا کہوں

نظام اب تو چپ دیکھتے ہو مجھے
جو میری سنے وہ تو کیا کیا کہوں

(۱۵۸)

کیوں کہیں تم سے جو کچھ ہے ہم نے دیکھا خواب میں
حسب خواہش اپنی بر آئی تمنّا، خواب میں

آج کچھ سوتے سے اٹھ کر ھو حجاب آلودہ کیوں
کہیے تو کیا خواب دیکھا، کیا ہے دیکھا خواب میں؟

۱- ''از راہ شکوہ'' فارسی ترکیب ہے۔ قافیہ اپنا، ایسا میں حرف روی الف ہے۔ ''قصہ'' اور ''اپنا'' کا قافیہ جائز ہے لیکن فارسی ترکیب ''از راہ شکوہ'' ھاے ھوز کو الف سے بدلنا جائز نہیں اور عیوب قافیہ میں داخل ہے۔

(فائق)

منہ لپیٹے اس لیے ہر دم پڑا رہتا ہوں (میں)[1]
خواب آ جائے مجھے ۔ آئے نظر تا خواب میں

ساتھ ہی اپنے سلا لیتے نہیں پھر کیوں مجھے
دیکھ لینا آپ بھی ہوئیں گے یک جا خواب میں

خواب میں بھی ہم سے بچتا ہی نظر آیا وہ شوخ
کچھ نہ بر آئی کبھی دل کی تمنّا خواب میں

رات دن کا وہ کہاں ملنا ، وہ ہم خوابی کہاں
اب کبھی ہوتا ہے روزی وصل اُس کا خواب میں

ڈال کر سوتوں میں جان اُس کا یہ کہنا ہائے رے
"حال اپنا دیکھو گے ، گر اب کے چھیڑا خواب میں"

خواب کی تعبیر سچّی ہو کہیں تب لطف ہے
کر گیا ہے اپنے ملنے کا وہ وعدا خواب میں

رات دن وہ پاس ہی اپنے رہے تو کیا ہو لطف
دیکھ لیتا ہوں جسے گاہے خدایا خواب میں

غیر سے یوں وصل ہو اور ہم سے یوں فرمائیں آپ
سو رہو گھر جا کے اپنے دیکھ لینا خواب میں

جاگتے میں تو ہمیں ٹک چین لینے دے یہ دل
خواب گر آتی ہے تو آرام آتا خواب میں

رات دن یا ایک ہی جا رہتے تھے ہم تم ملے
ہائے قسمت اب نہ دیکھیں آپ کو یا خواب میں

کیا ہی دن تھے وصل کے ، ہر دم تصور ہی رہے
رات بھر ہی دیکھتا ہوں وہ ہی نقشا خواب میں

۱- "میں" تصحیح قیاسی ہے ؛ مطبوعہ نسخے میں نہیں ۔ (فائق)

ظاهرا ملتے ہوئے ہم سے تمھیں مانع ہیں لوگ
یہ تو فرماؤ کہ ہے پھر خوف کس کا خواب میں ؟
ہے غلط جس دھیان میں ہوئے وہی آئے نظر
برسوں ہم نے دھیان باندھا وہ نہ آیا خواب میں
اپنی یہ صورت بھلا پھر کیسے ملنا ہو نظام
ان کو وہ دعوئی نہ دیکھا ہوگا ہم سا خواب میں

(۱۵۹)

اب لطف بھی کرو تو کچھ احسان ہی نہیں
دل ہی نہیں ، نہ دل میں وہ ارمان ہی نہیں
رکھتے ہماری بات پہ وہ کان ہی نہیں
سن کر نہ رحم آئے یہ امکان ہی نہیں
ناصح یہ سچ ہے پاس ہے ایمان کا ضرور
اُس بت سے جو ملا نہیں ، ایمان ہی نہیں
پاس وصال ، رشک عدو ، جور آسماں
اب اپنی زیست کا کوئی سامان ہی نہیں
جھوٹی تسلیوں سے ہو تسکین کیا مری
چھٹ جائے تم سے غیر یہ امکان ہی نہیں
لطف و غضب سے آپ کے آگاہ خوب ہیں
کچھ ہو کسی پہ ہم کو تو کچھ دھیان ہی نہیں
تم مجھ سے پوچھو حال مرا اور میں چپ رہوں
کیا کہیے آگے آپ کے اوسان ہی نہیں
کس کس طرح سے غیر بھی سمجھاتے ہیں مجھے
اور مجھ کو دیکھ کچھ میں پشیمان ہی نہیں

وان تک گئے بھی گر کسی حیلے سے فائدہ
دشمن ہوئی جان کے دربان ہی نہیں

جو دیکھتا ہے مجھکو وہ کہتا ہے اب نظام
کیا ہوگئے کہ تجھ میں تو کچھ جان ہی نہیں

(۱٦۰)

لے کے دل تم تو آشنا ہی نہیں
آپ سا کوئی بے وفا ہی نہیں

اُس سے آپی[1] ہوں روٹھ کر ہے ہے
کیا کروں دل تو مانتا ہی نہیں

کیسے دوری کا غم اُٹھاؤں میں
دل میں قابو تو کچھ رہا ہی نہیں

جس سبب سے ہے بولنا چھوڑا
وہ بھی اب مجھ سے بولتا ہی نہیں

جھوٹی باتیں عبث بناتا ہے
ہائے قاصد تو واں گیا ہی نہیں

خوب سا ہم نے مل کے دیکھ لیا
بے وفا تجھ میں کچھ وفا ہی نہیں

ہائے ملنسا تیرا لگاوٹ کا
دم میں ایسا کہ آشنا ہی نہیں

آپ ا ہوسکتے ہیں خفا مجھ سے
میں خفا ہوں یہ حوصلا ہی نہیں

---

۱ - "آپ ہی" مطبوعہ میں ہے، لیکن "آپ ہی" وزن سے ساقط ہوتا ہے "آپی" جیسا کہ عموماً بولتے ہیں اسی کے مطابق متن میں رکھا گیا۔ (فائق)

جب سے ملتا نہیں ہے تو ظالم
چین دل کو مرے ملا ہی نہیں
رنج سہنے کو پھر ہے جی میں نظام
دل کسے دیویں دل ربا ہی نہیں

(۱۶۱)

وہ اپنے حسن کو گر تنگ آکے کوستے ہیں
یہ لطف دیکھنا ، مجھ کو سنا کے کوستے ہیں
ہم آپ جینے سے اب ہاتھ اٹھائے بیٹھے ہیں
یہ آپ کس لیے اب ہاتھ اٹھا کے کوستے ہیں
مجھی کو کوسنا[1] مطلب تو آپ کا ہے یہی
سبھوں کو کس لیے صاحب ملا کے کوستے ہیں
خدا بھی کیا ہے تمھاری طرف ، یہ ہے انصاف
جو الٹی آپ ہی مجھ کو سنا کے کوستے ہیں
جو کہیے کچھ کبھی تو منہ مری طرف سے پھرا
عجب ہی پیار سے وہ مسکرا کے کوستے ہیں
جو تم کو غیر سے الفت ہے ہم سمجھتے ہیں
عبث یہ آپ عداوت جتا کے کوستے ہیں
یہ جھوٹی باتوں پہ میری قسم جو کھاتے ہو
تو آپ دوست مجھے کیا بنا کے کوستے ہیں
نظام کیا میں کہوں کیا ہی وہ بگڑتے ہیں
جو غیر کو کبھی ہم رشک کھا کے کوستے ہیں

---

۱ - مطبوعہ نسخے میں ''نہ'' ہے جو صحیح نہیں ؛ ''نا'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

(۱۶۲)

کبھی کیا دل کے ارمان اپنے اب کیوں کر نکلتے ہیں
ترے گھر کی طرف سے روز ہم ہو کر نکلتے ہیں

تمہارا غیر سے چھپ چھپ کے ملنا کھل چلا ہم پر
غضب صاحب کے کچھ اب تو چھپے جوہر نکلتے ہیں

جو تیرے واسطے پہلو سے دل نکلا نہیں جاتا
تو کیوں ہاتھوں سے تھامے ہم دل مضطر نکلتے ہیں

تمہیں کیا خشمگیں ہونا تھا دشمن پر سرے آگے
ہزاروں آپ کے غصے جو اک مجھ پر نکلتے ہیں

عجب کیا دل سے میرے آہ جو گاہے نکلتی ہے
ادھر سے غیر کے ہمراہ وہ اکثر نکلتے ہیں

نہ پوچھو لطف کچھ ملنے[۱] کا بعد اس کے بگڑنے کا
جو پھر دونوں طرف سے شکووں کے دفتر نکلتے ہیں

ہر اک کے دل میں گھر کرتے ہیں دشمن کی خطا کیا ہے
جو دروازے سے وہ اپنے کبھی باہر نکلتے ہیں

دکھانا گر نہیں منظور ان کو حسن کا عالم
تو کیوں وہ مل گجی اوڑھے ہوئے چادر نکلتے ہیں

کنایے سے جو در پردہ کوئی ہم کو اٹھاتا ہے
تو کیا اس بزم سے ناچار ہو کر ہم[۲] نکلتے ہیں

---

۱ - ''کا'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۱۵) میں ہے ''کے'' بہتر معلوم ہوتا ہے - (فائق)

۲ - ''ہم ہو کر'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۱۵) میں تعقید لفظی ہے ؛ بہ ظاہر سہو کتابت ہے ''ہو کر ہم'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

کہوں میں دوست اپنا یا رقیب حیلہ گر سمجھوں
اسے محفل میں جو میرے نصیحت گر نکلتے ہیں
نہ اگلی پچھلی باتیں بس دلاؤ یاد جانے دو
جو ہو انصاف تو الزام کس کے سر نکلتے ہیں
نہیں آنے کا اب کوئی تری جھوٹی لگاوٹ میں
تو وہ آفت ہے تجھ سے لوگ اب بچ کر نکلتے ہیں
چلے آتے ہیں وہ بھی در تک اپنے کچھ ہی کرتے ہوں
جو ہم کرتے ہوئے کوچے میں شور و شر نکلتے ہیں
نئی واں راہ و رسمیں ہیں وہ آمد شد کہاں اپنی
عدو کے گھر کی جانب کو نئے اب در نکلتے ہیں
نظام اپنا گماں ہم کو لیے پھرتا ہے کس کس جا
اور اُن کو جب کبھی دیکھا تو اپنے گھر نکلتے ہیں

(۱۶۳)

بے وہاں جانے بھلا ہم سے رہا جائے کہاں
دل سے اس بزم کے جانے کا مزا جائے کہاں
ہائے وہ دن کہ کبھی حال نہ پوچھا تم نے
اب اگر آپ سنیں بھی تو کہا جائے کہاں
نہ ملے مجھ سے تو اور غیر سے ملتے دیکھوں
اور سب کچھ سہی پر رشک سہا جائے کہاں
جانتے تھے تری محفل میں لگے گا کچھ دل
یاں بھی ایذا ہوئی پھر کوئی بھلا جائے کہاں
اپنی توبہ پہ بھلا ناز کریں کیا ناصح
گر ملے وہ بت کافر تو بچا جائے کہاں

جیتے جی ، میں ترے کوچے سے کوئی اٹھتا ہوں
تو اٹھا لاکھ مجھے مجھ سے اٹھا جائے کہاں
کیا ستم ہے وہ کہے دیکھ کے "پھر آئے یہاں"
مجھ سے اس در کی طرف آ کے پھرا جائے کہاں
آپ کچھ غم نہ کریں مجھ پہ جو گزرے گزرے
تم سے حال دل شوریدہ کہا جائے کہاں
غیر سے ان سے تو بگڑے ہی گی یہ سچ ہے نظام
یوں تو ہونا ہے مگر صبر کیا جائے کہاں

(۱۶۴)

کس کس سے تم ملے، میں کسی سے ملا نہیں
اور بے وفا بھی میں ہی ہوں ، تم بے وفا نہیں
یاں حال یہ کہ دل میں شکایت کی جا نہیں
واں عذر یہ ابھی مجھے آتی جفا نہیں
یوں پوچھیے تو تم سے کہا میں نے کیا نہیں
یہ اور بات ہے کہ سنا اور سنا نہیں
توبہ بتوں کے عشق سے مذہب برا نہیں
ناصح کا جو خدا ہے وہ میرا خدا نہیں
گر کہیے تم کو پاس محبّت ذرا نہیں
تو کہتے ہیں "کسی کو نہیں ، ہم کو کیا نہیں"
آنکھیں چرائے بیٹھے ہو کیوں شرم گیں سے تم
مجھ سے قسم لو میں نے کسی سے کہا نہیں
ملنا تو اس صنم سے کہاں ، یہ کہاں نصیب
امید بھی تو ملنے کی اب اے خدا نہیں

وہ بات کون سی ہے جواب اُن کو میں لکھوں
مضموں وہ کون سا ہے جو پہلے لکھا نہیں

دشمن کو میرے سامنے جب تم برا کہو
پھر کیا کہوں میں کچھ مرے کہنے کی جا نہیں

کیا حال اُس سے کہیے کہ جو سن کے یہ کہے
"کیا کہتے ہو ، یہ بات تو میں جانتا نہیں"

مشکل سے کوئی بات ٹھہرتی ہے گر وہاں
یہ لطف ہے پھر اُس کو یہ دل مانتا نہیں

فرقت کا غم نہ ہو تو مزا ہے وصال کا
اور ہو یہ غم تو زیست کا بھی کچھ مزا نہیں

دل پر جو گزری ، گزری ، جو ایذا ہوئی ، ہوئی
پر شکر ہے کہ تم سے کبھی کچھ کہا نہیں

سچے بھی تم ہو عہد کے میرا یقیں بھی ہے
پھر کیا سبب ہے دل کو تسلی ذرا نہیں

سب کچھ سہی مگر مجھے معلوم یہ تو ہو
منظور مجھ سے آپ کو ملنا ہے یا نہیں

دشمن کے پاس بھی میں اگر بیٹھوں بزم میں
آنکھیں اُٹھا کے پھر بھی ادھر دیکھتا نہیں

پھر آتا اس کو شکل ہے دکھلا کے نامہ بر
تجھ سے ادا ہو ایسا مرا مدعا نہیں

تدبیریں سو ہیں حال سنانے کی واں مگر
پر اُن کو تو یقین مری بات کا نہیں

بدنام کون ہوگا اگر مر گیا نظام
یہ جانتے ہو کوئی ۔ اسے جانتا نہیں

(۱٦۵)

ہر بات پر جو کرتے ہو صاحب ''نہیں نہیں''
ہم نے تو دیکھی ایسی بھی عادت کہیں نہیں
قاصد یہاں وہ آئیں گے، اقرار ہے کیا
تجھ کو یقیں ہوا ہو مجھے تو یقیں نہیں
واں جانے پر بھی چین نہ آیا ہمیں کبھی
بے چین کچھ ہماری طبیعت یہیں نہیں
تجھ کو بٹھا کے پاس سنا میرا حال زار
قاصد ترا کلام مرے دل نشیں نہیں
اب دل میں کیا ہے کس لیے روٹھے ہو آج تم
ہم نے جفائیں آپ کی کیا کچھ سہیں نہیں
بولو، ہنسو، کہاں کا نکلا ہے تم نے غم
آئی ہنسی وہ لب پہ وہ چین جبیں نہیں
اب فائدہ مرے ترے پچھتانے نامہ بر
مطلب کی جو جو باتیں تھیں وہ ہی لکھیں نہیں
ہم کیا کہیں کہ یہ نہیں یا وہ نہیں نظام
اک روز ایسا ہو گا کہ ہوں گے ہمیں نہیں.

(۱٦٦)

آپ کہتے ہیں مجھے کیا کچھ نہیں
پھر یہ کہتے ہو ''میں کہتا کچھ نہیں''
حال دل کچھ اُن سے کہنا، کچھ نہیں
خوف ہے سمجھیں وہ کچھ کا کچھ نہیں

دیکھنا تو غیر کی عیّاریاں
تم سے کہتا ہے کہ ملنا کچھ نہیں

مجھ کو اے ناصح تو سمجھائے گا کیا
میں سمجھتا ہوں تو سمجھا کچھ نہیں

یوں چلے جانا ہمیں تم چھوڑ کر
کیا کریں بس تم پہ چلتا کچھ نہیں

اب نئے ظالموں کا خواہاں تم سے ہوں
یاد مجھ کو حال پہلا کچھ نہیں

دوستو کچھ[1] تم ہی لاؤ راہ پر
ان کے آگے میرا جانا کچھ نہیں

درد کیا، تکلیف کیا، آزار کیا
سب سہی پر تم سے ملنا کچھ نہیں

کہتے ہیں سب اس سے کچھ کچھ اپنا حال
میں کہوں سب کچھ، وہ سنتا کچھ نہیں

روٹھنے میں جان سے جائیں گے ہم
اس میں جائے گا تمہارا کچھ نہیں

مجھ سے کیا تم پوچھتے ہو اپنا حال
دیکھ لو تم سے تو پردا کچھ نہیں

دل کا آنا گو مزا رکھتا ہے کچھ
پر کسی پر دل کا آنا کچھ نہیں

۱- نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۱۷) میں ''تم کچھ'' سہو کتابت ہے،
تعقید پیدا ہوتی ہے ''کچھ تم'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

ہم نے کیوں کر دن گزارے ہجر میں
ایک دن بھی تم نے پوچھا کچھ نہیں

ذکر سے میرے ہو گو بیزار تو
سر گزشت غیر سننا کچھ نہیں

واں انہیں کچھ بھی نہیں اپنا خیال
دل میں یاں ارمان ہیں کیا کچھ نہیں

یہ بھی کہنا کچھ کہا جاتا نہیں
قاصد ان سے اور کہنا کچھ نہیں

غم میں تیرے موت تک آتی نہیں
اور[1] جیوں تو ایسا جینا کچھ نہیں

خوف ہے وہ غیر سے کچھ کہہ نہ دے
حال دل اس کو سنانا کچھ نہیں

روز کہتے ہیں نہ اب جائیں گے واں
یوں ہی کہتے ہیں یہ ہوتا کچھ نہیں

آپ ہی ملتا نہیں میں آپ سے
غیر کا بھی دل ستانا کچھ نہیں

تم ہی منصف ہو، کہاں تک کھائے غم
کہتے ہیں سب زہر کھانا کچھ نہیں

ہوئیں گے دعوے کسی کو اے نظام
کچھ نہیں میں، مجھ کو دعوا کچھ نہیں

۱- ''اور'' بر وزن ''فع'' (فائق)

(۱۶۷)

تصور آپ کا ہے اور میں ہوں
یہی اب مشغلا ہے اور میں ہوں

مری ضد سے ملا پھر دشمنوں سے
بس اب وہ بے وفا ہے اور میں ہوں

وہ ہو اور میں ہوں، اور کوئی نہ ہو غیر
یہی ہر دم دعا ہے اور میں ہوں

تصور میں میں پہروں اُن سے باتیں
شکایت کا مزا ہے اور میں ہوں

تمھاری خو ہے رنجش ہر گھڑی کی
یہ جھگڑا روز کا ہے اور میں ہوں

الٰہی وصل ہے یا خواب ہے یہ
حصول مدّعا ہے اور میں ہوں

ہزاروں غم تو دیکھے اُس سے مل کر
وہی پھر حوصلا ہے اور میں ہوں

سہے کیا کیا ستم اور اب تلک بھی
تمنّاے وفا ہے اور میں ہوں

گئے وہ تو جہاں جانا تھا اُن کو
اب اُن کا نقش پا ہے اور میں ہوں

ہر اک سے حال دل کہتا ہوں اپنا
یہ چرچا جا بہ جا ہے اور میں ہوں

دو عالم کی خوشی سے کچھ نہیں کام
فقط اک غم ترا ہے اور میں ہوں

وہ ہے اور عہد نامے ہیں عدو سے
نصیبوں کا لکھا ہے اور میں ہوں
غم دوری قیامت ہے کہ ہر دم
اجل کا سامنا ہے اور میں ہوں
خدا کی جنتیں ہیں ، اور ہے خلق
صنم کوچہ ترا ہے اور میں ہوں
سحر ہوتے ہی جاتے ہی کسی کے
وہی آہ و بکا ہے اور میں ہوں
نظام اس بت کے غم میں ہو تسلّی
بس اک ذات خدا ہے اور میں ہوں

(۱٦۸)

غم سے کس دن میں بے قرار نہیں
بے قراری میں بھی قرار نہیں
کس گھڑی تیرا انتظار نہیں
کون سے دم میں بے قرار نہیں
موت آجائے ھجر میں شاید
اس کے آنے کا اعتبار نہیں
گر ہو انکار وصل تو کیا ہے
ہمیں اقرار پھر قرار نہیں
رگڑے جھگڑے میں ہی کٹی سب عمر
تیغ قاتل بھی آب دار نہیں
اتنا روٹھو نہ میرے شکووں سے
ابھی میں آزمودہ کار نہیں

یاں ہزاروں خیال ہیں دل میں
واں ذرا عزّت و وقار نہیں
اُن کو طرز وفا سکھاتا ہوں
کوئی دشمن سا دوست‌دار نہیں

ایسی باتوں کو مانتا ہے کون
ہاں ، نہیں ، ایک بھی ، ہزار نہیں
رات تھا وصل ، آج ھجر کا دن
کچھ زمانے کا اعتبار نہیں

دل ربائی کا شوق ہے اُن کو
ھائے ، یاں دل بھی تین چار نہیں
شب فرقت تو ٹھہر ہے یا رب
موت ہے ہم کو انتظار نہیں

باتوں باتوں میں رات جاتی ہے
آج کیوں صبح اشک بار نہیں ؟
جان سے جس لیے گزرتا ہوں
واں کسی طور سے قرار نہیں

پھر اُسی سے تو جا ملے گا نظام
تیری توبہ کا اعتبار نہیں

(۱٦۹)

کیا غضب ہے کہ وہاں آپ میں جا بھی نہ سکوں
اور کسی طرح یہاں اُن کو بلا بھی نہ سکوں
جو جو شکوے ہیں مجھے اُن سے چھپا بھی نہ سکوں
اور جو پوچھیں تو پھر اُن کو سنا بھی نہ سکوں

یاد لاتے ہوئے ڈرتا ہوں کسی کی صورت
اور جو چاہوں بھلا دوں تو بھلا بھی نہ سکوں

پوچھتے ہیں وہ تجھے رنج ہیں مجھ سے کیا کیا
سچ بھی اب کہہ نہ سکوں جھوٹ بتا بھی نہ سکوں

اس کو پروا بھی نہیں کوئی مرے یا کہ جیے
اپنے مرنے سے ستم گر کو ڈرا بھی نہ سکوں

اب تو ظاہر کوئی ملنے کا نہیں طور نظام
آپ جا بھی نہ سکوں، اُن کو بلا بھی نہ سکوں

(۱۷۰)

اب کے بھی ملیے ، ایسے پاس نہیں
پر نصیبوں سے اپنے آس نہیں

اس میں بھی ایک کیف ہے دل کو
غم ہجراں سے کچھ ہراس نہیں

اُلفتیں پچھلی یاد آتی ہیں
بس زیادہ ہجوم یاس نہیں

اُن کے وعدے کی یوں ہے دل کو خوشی
اور یوں چاہتا قیاس نہیں

باتیں کیا کیا تھیں اُن سے کہنے کو
کیا کریں رو بہ رو حواس نہیں

کیسا کوئی اور ظلم یاد آیا
پوچھتے ہو کہ کیوں اُداس نہیں

آپ پھر میرا حال کیا جانیں
دل مرا آپ کے تو پاس نہیں

بے وفائی کا تیری کیا شکوہ
دل لگانا ہی ہم کو راس نہیں

یاں ہوس یہ کہ کچھ نہ کچھ کہیے
پر وہاں ہوتا التماس نہیں

یہ تو سچ ہے تمہارے سر کی قسم
اب تمھیں کچھ ہمارا پاس نہیں

غیر سے شکوہ کیا حصول نظام
کچھ انھیں کو ہمارا پاس نہیں

(۱۷۱)

دل کو میرے اڑائے جاتے ہیں
وہ جو آنکھیں چرائے جاتے ہیں

آؤ بھی، تم کبھی نہ کہتے تھے
دیکھو ہم تس پہ آئے جاتے ہیں

غیر کا غم انھیں ہو تو ہمیں غم
ہر طرح ہم ستائے جاتے ہیں

دل سے اُن کا خیال کیوں کر جائے
وہ تو دل میں سمائے جاتے ہیں

ایسا محفل میں کون آئے گا
آج سب کیوں اٹھائے جاتے ہیں

بس نہیں آتا کچھ مجھے اس دم
پاس سے جب وہ ہائے جاتے ہیں

اُن سے میری کوئی نہیں کہتا
کہنے اپنے پرائے جاتے ہیں

تجھ میں تو کچھ جنون کے سے نظام
سارے انداز پائے جاتے ہیں

(۱۷۲)

وہ آنکھ اٹھا کے ذرا بھی جدھر کو دیکھتے ہیں
تو کیا ہی یاس سے ہم اس نظر کو دیکھتے ہیں
میں۱ دیکھتا ہوں کہ اب وہ ادھر کو دیکھتے ہیں
یہ ضد سے دیکھو مری وہ ادھر کو دیکھتے ہیں
کسی کے جاتے ہی کچھ جی میں سوچ کے ہم
بس آہیں بھرتے ہیں اور اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
رلا کے مجھ کو، پھر اپنے ہی جی میں سوچ کے کچھ
وہ چپکے چپکے مری چشم تر کو دیکھتے ہیں
وہاں نہ جانے کی ٹھہری تو چھپ کے دور سے ہم
عجب ہی شوق سے دیوار و در کو دیکھتے ہیں
جو یہ ہی حال ہے تو جائیں گے وہاں ہم آپ
اک آدھ روز تو درد جگر کو دیکھتے ہیں
یہ کہتے ہو اگر آنا ہوا تو آئیں گے ہم
بھلا ہم آج تمھاری "اگر" کو دیکھتے ہیں
قفس میں ایک تو صیّاد کے میں قیدی ہوں
یہ تس پہ روز مرے بال و پر کو دیکھتے ہیں

۱- یہ مطلع مقطع سے اول (صفحہ ۱۲۲) نسخۂ مطبوعہ میں ہے، اس لیے مطلع اول کے نیچے درج کیا گیا۔ اس میں ایطائے جلی ہے۔ (فائق)

یہ شوق دیکھو کبھی آئے تھے وہ جس رہ سے
گھڑی گھڑی ہم اسی رہ گزر کو دیکھتے ہیں
شب وصال میں احسان کیا جتاتے ہو
یوں ہی نبھاؤ گے تم عمر بھر کو ، دیکھتے ہیں
نہ کیوں ہو جان سے قربان اس ادا پہ نظام
وہ باندھ باندھ کے پٹکا کمر کو دیکھتے ہیں

(۱۷۳)

کچھ مجھ سے مقصد آپ کا ہوتا اگر نہیں
تو مجھ کو تم ستاتے کبھی اس قدر نہیں
یوں ہی سہی میں لائق الطاف گر نہیں
پر ایسی چاہیے تمھیں ہر بات پر نہیں
اس گاہ گاہ کی بھی لگاوٹ سے فائدہ ؟
روٹھے ہی رہتے کیوں نہیں ، ملنا اگر نہیں
قاصد ترے بیاں کا تو مطلب ہی اور ہے
میں تجھ سے کیوں کہوں تجھے اس کی خبر نہیں
باندھی ہے میرے قتل پہ کس واسطے کمر
مجھ کو گماں نہیں کہ تمھاری کمر نہیں
اقرار کو تمھارے غلط کیسے کہہ سکوں
یہ سچ ہے میرے دل کو تسلی مگر نہیں
آ جائے کچھ تو رحم مرے حال زار پر
اس واسطے وہ دیکھتے بھی اب ادھر نہیں
کچھ بات تو خلاف طبیعت نہیں سنی
یہ شکر ہے کہ واں سے بھرا نامہ بر نہیں

کیا خواب میں عدو سے ملو گے شب وصال
میں سونے دوں گا آپ کو بھی تا سحر نہیں

در پردہ کس کو حال سناتے ہیں روز ہم
مرتے ہیں کس پہ ، آپ کو مطلق خبر نہیں

کیا کیا خیال آتے ہیں دل میں ابھی سے ہائے
قاصد ابھی تو یاں سے گیا ہی اُدھر نہیں

رشک عدو کی تم کو شکایت بجا سہی
ہے کون سا ستم جو مری جان پر نہیں

سمجھا نہ میں کہ میری ہی باتیں ہیں بے اثر
ناصح ترے کلام میں کچھ بھی اثر نہیں

گو ہے شب فراق سے یہ کم شب وصال
گھبراتے ہو ابھی سے ، ابھی تو سحر نہیں

ایذائے ہجر وصل میں بھی ہم پہ ہے وہی
کب دل کی وہ دھڑک نہیں، کب چشم تر نہیں

بے پوچھے تیری بزم میں ہم اب تو آگئے
کیا خوف پھر عدو کا جو تیرا ہی ڈر نہیں

گھبرا کے کیوں یہ دیکھنا مڑ مڑ کے ہر طرف
پھر کیا ہراس اگر تمھیں دشمن کا ڈر نہیں

ہاں ایک میرے حال سے واقف نہ ہوں گے وہ
یہ جھوٹ ہے کہ اُن کو کسی کی خبر نہیں

پھر کیوں یہ وصل میں بھی دھڑکتا ہے دل مرا
عیاریوں کا آپ کی گر مجھ کو ڈر نہیں

دشمن سے پوچھتے ہو مرا حال یہ ستم
ہاں سچ ہے میری آپ کو کچھ بھی خبر نہیں

شاید کبھی اُمید ہے اُس کو، کبھی ہے یاس
رہتا ترا مریض جو اک حال پر نہیں

غصّے ہی ہو کے آئے، پر آئے تو تم یہاں
پھر بھی کہو گے جذبۂ دل میں اثر نہیں

آرام یہ تو ہے شبِ ہجرِ دراز میں
جانے کا اُن کے غم نہیں، خوفِ سحر نہیں

مجھ کو خیالِ خام یہ بندھتے ہیں کس لیے
اُس بے وفا کو مجھ سے محبّت اگر نہیں

معلوم کچھ بھی حال وہاں کا نہیں نظامؔ
اُس راہ میں بھی اب تو ہمارا گزر نہیں

(۱۷۴)

تصویر آپ ہی کی کسی سے کھچاؤں میں
تم ہی کو پھر دکھا کے تماشا دکھاؤں میں

یہ بھی عجب حیا ہے نگاہیں جہاں ملیں
دل تو چرائیں آپ اور آنکھیں چراؤں میں

کیا اُس گھڑی بھی لطف ہو ناز و نیاز کا
کچھ کچھ وہ مجھ سے روٹھے ہوں اور پھر مناؤں میں

کیا یاد ہے کہ یاد ہی آتی ہے ہر گھڑی
ہر چند چاہتا ہوں کہ اُس کو بھلاؤں میں

کہتے ہو تم کہ مجھ کو بھی اُلفت ہے تجھ سے کچھ
لو آج ایک بات یہ تو آزماؤں میں

یا آکے آپ گھر میں مرے رات کو رہیں
یا حکم ہو تو شام سے محفل میں آؤں میں

تو مسکرا کے کہتے ہیں وہ کیا ہی ناز سے
''کیا جانے اور کیا کہو گر منہ لگاؤں میں''

ارماں ہے میرے پاس سے گھبرا کے پھر کبھی
اٹھ اٹھ کھڑے ہوں وہ تو بہ منت بٹھاؤں میں

اب ضبط بھی تو ہو نہیں سکتا ہے رازِ دل
کیا جانے کیا کہیں وہ جو اُن کو سناؤں میں

دل لینے کو مرا دمِ رخصت وہ کہتے ہیں
''اچھا تری خوشی ہے کبھی پھر بھی آؤں میں''

اللہ کیا غرور ہے اُس شوخ کو نظام
مڑ کر بھی وہ نہ دیکھے بہ منت بلاؤں میں

(۱۷۵)

یہی ہیں نام خدا حسن کی بہار کے دن
غضب وہ اُٹھتی جوانی ، ستم اُبھار کے دن

یہ وصل کی نہیں راتیں جو دم میں کٹ جائیں
تمہیں بتاؤ کٹیں کیسے انتظار کے دن

گھڑی گھڑی مرے دل پر غضب قیامت ہے
نہیں ہیں[1] حشر سے کچھ کم فراق یار کے دن

غضب ہے کہتے ہیں انجان ہو کے ''کب کب'' وہ
دلاتے[2] ہیں انہیں گر یاد لطف و پیار[3] کے دن

۱- ''ہے'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۲۳) میں غلط ''ہیں'' تصحیح قیاسی۔ (فائق)
۲- ''دلائے'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۲۳) میں غلط ، مصرع ساقط الوزن ہے ''دلاتے ہیں'' تصحیح قیاسی - (فائق)
۳- ''لطف و پیار'' واو عاطفہ غلط ہے - ہندی اور عربی لفظ کے درمیان حرف عطف فارسی کا نہیں آسکتا - (فائق)

بہ صد خرابی جو آئے قرار کا دن بھی
تو اک نہ اک وہ بہانہ کریں قرار کے دن
کبھی پھرے نہ ہمارے تو دن، سنا یوں ہے
رہیں نہ ایک وتیرے پہ روزگار کے دن
درازیٔ شب ھجراں میں ھوگئے محسوب
رہے تھے زیست کے جو مجھ مریض زار کے دن
الٰہی ھجر کی شب کس سے کاٹی جائے گی
جو کاٹ لے بھی کوئی اپنی جان مار کے دن
نظام دیکھ زمانے کے رنگ ھیں کیا کیا
کبھی خزاں کا ہے موسم، کبھی بہار کے دن

(۱۷٦)

دل پہ جو گزرے ہے میرے آہ میں کس سے کہوں ؟
کیا کروں میں اے مرے اللہ ! میں کس سے کہوں؟
جب نہ تم ھی حال دل میرا کبھی آکر سنو
تو یہ فرماؤ مجھے ، اللہ میں کس سے کہوں ؟
میرے صاحب کے ذرا سے ربط پر بگڑیں نہ غیر
غیر سے تم سے جو کچھ ہے راہ میں کس سے کہوں ؟
دوستو اب کہنے سننے سے نہیں کچھ فائدہ
وہ تو میرے غم سے ہے آگاہ ، میں کس سے کہوں ؟
یوں ھی ناحق سر پھراتے ھیں مرا آ آ کے لوگ
حال اپنا اے بت گم راہ میں کس سے کہوں؟
بے قراری کا سبب اپنی کہوں کس سے نظام
دل پہ جو ہے صدمۂ جاں کاہ میں کس سے کہوں ؟

(۱۷۷)

غیر کے بھی جو غم و رنج کو باطل سمجھیں
سچ وہ کس طرح ہمارا قلق دل سمجھیں

آرزو دل کی یہاں اور ہی کچھ ہے ہم دم
کیوں نہ اُن سے کہیں گر کہنے کے قابل سمجھیں

وضع ہوجاتی ہے کچھ اور نہیں دیکھتے ہیں
پھر وہ کس طرح نہ اپنا ہمیں مائل سمجھیں

لطف جب ہے کہ یہاں بھی نہ ہو اغیار پہ لطف
لطف کیا گر ترے الطاف کو شامل سمجھیں

کبھی اُمید ہے ملنے کی ، کبھی نومیدی
سہل اس بات کو ہم سمجھیں کہ مشکل سمجھیں

درد دل سن کے عیادت کو نہ آیا وہ شوخ
کیوں نہ پھر درد کو ہم زیست کا حاصل سمجھیں

ذکر وہ کرتے ہو کچھ رشک ہی ہو جس سے ہمیں
اپنی محفل کو بھی کیا غیر کی محفل سمجھیں ؟

کہتے ہو دیکھ کے آنا ہوا تو آئیں گے ہم
قہر ہے آپ اور اس بات کو مشکل سمجھیں

شعر اپنے انھیں ہر طرح سناتے ہو نظام
یہ غرض آپ کی ہے آپ کو عاقل سمجھیں

(۱۷۸)

دیکھ روتا مجھے اور[1] اُس نے دکھائیں آنکھیں
میں نے رو رو کے عبث اپنی سجائیں آنکھیں

ہر گھڑی روتے گزرتی ہے خدایا مجھ کو
تو نے رونے ہی کو کیا میری بنائیں آنکھیں ؟

۱- ''اور'' بر وزن ''فع'' (فائق)

کبھی خالی نہیں رہتے ترے غم سے ہم تو
دل ہوا رنج سے خالی تو بھر آئیں آنکھیں
ہم بھلا دیکھتے ہیں نرگس شہلا کی طرف
دل میں ہیں اس بت سے کش کی سمائیں آنکھیں
یہی رونا ہے تو آنکھوں کو بھی رو بیٹھوں گا
روتے روتے ترے غم میں مری آئیں آنکھیں
نہ وہ آنکھیں ہیں، نہ وہ پیار کی نظریں اب ہیں
کچھ خطا بھی مری، کیوں مجھ سے چرائیں آنکھیں؟
نہ اسے دیکھتے، نہ رنج و اذیت پاتے
آفتیں سر پہ ہمارے تو یہ لائیں آنکھیں
اس کے آنے کی خبر سن کے یہ دیکھو تو غضب
دم مردن مرے اشکوں نے چھپائیں آنکھیں
دیکھتے ہی نہیں دزدیدہ نظر سے بھی ادھر
دل چرایا نہیں تو یوں ہی چرائیں آنکھیں؟
جانب غیر جو دیکھا کبھی یوں ہی میں نے
کیا ہی غصے میں بگاڑ اس نے بنائیں آنکھیں
اور تو گریہ سے حاصل نہ ہوا کچھ بھی نظام
جوں حباب آپ نے رو رو کے بہائیں آنکھیں

(۱۷۹)

مجھ سے ملنا تو کسی ڈھب انھیں منظور نہیں
ہے یہی شکر کہ یہ بات بھی مشہور نہیں
گاہے گاہے بھی یہ ملنا ہے غنیمت اس کا
حسن پر اپنے وہ ایسا ابھی مغرور نہیں

مجھ سے ہاں آپ کو اُلفت ہے سمجھتا ہوں میں
کچھ میں نادان نہیں، عقل سے معذور نہیں
کبھی کچھ کہنے کو ہوتا ہوں تو کہتے ہیں وہ بس
"تمھیں منظور ہے جو، وہ مجھے منظور نہیں"
جیتے جی تو نظر آتا نہیں ملنا اُس کا
اور پھر کیا کہیں اُس شوخ کو گر حور نہیں
کچھ تو آفت ہے جو یہ حال ہوا ہے میرا
یوں مجھے دیکھیے تو نام کو رنجور نہیں
کیا شکایت کی جگہ پھر جو کہے ہنس کے وہ شوخ
"ہر کسی کا تو ستانا مرا دستور نہیں"
غیر سے بھی نہ سنا ذکر ہمارا گاہے
یوں تری بزم میں اس بات کا مذکور نہیں
اُنھیں بے رحم سمجھ کر نہ ہو مایوس نظام
ابھی وہ پاس بلائیں مجھے کچھ دور نہیں

(۱۸۰)

میرے دل دار نہ گھر میں مرے آ تیسرے دن
دم نکل جائے گا میرا بہ خدا تیسرے دن
اے صبا، گلشن ہستی کی ہے دو دن کی بہار
خاک اُڑائے گی یہاں باد فنا تیسرے دن

۱- "کبھی" نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۲۶) میں بے معنی ہے غالباً کتابت کی غلطی ہے، اس لیے "کہے" تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)

دم رخصت مری تسکین وہ فرماتے ہیں
پھر بھی ہم آئیں گے یا دوسرے یا تیسرے دن

غیر کے گھر رہو ہر روز تو دو دن بھی یہاں
روز گر آتے نہیں آئیے گا تیسرے دن

وہاں بھیجا ہے جو رو دھو کے کٹے ہیں دو روز
مانتا ہی نہیں پھر دل یہ مرا تیسرے دن

تم نے ٹھہرایا ہے کچھ تیسرے دن کا معمول
آئیے روز یہاں ، قید ہے کیا تیسرے دن

غیر سے ملتے ہو ہر روز یہ کیا باعث ہے ؟
ہم سے کہتے ہو کہ تم آؤ سدا تیسرے دن

گر کہوں کل کو بھی آؤ، کہو ہو کر ان جان
''مجھے فرصت نہیں ، آؤں گا سدا تیسرے دن''

کیا شب وصل میں جی بھر کے مزے ہوں یا رب
چرخ پر مہر ہو گر جلوہ نما تیسرے دن

اس سے دو دن بھی تو الفت نہیں نبھنے کی نظامؔ
دیکھ لو گے مرے کہنے کا مزا تیسرے دن

(۱۸۱)

یہ کس کو پھیر کے منہ آپ ادھر کو کوستے ہیں
تو کہتے کیا ہیں کہ ہم اک بشر کو کوستے ہیں

یہاں دعائیں ہیں طول شب تمنا کی
بگڑ بگڑ کے وہ کیا کیا سحر کو کوستے ہیں

خدا کرے کہیں دل دے کے یوں ہی ظلم سہے
ہم اور کیا بت بے دادگر کو کوستے ہیں

رقیب کو میں سمجھ لوں یہ میری عقل نہیں
مجھے سنا کے جو وہ ہر بشر کو کوستے ہیں
دعائیں دیں مجھے وہ میری ضد سے ملتا ہے
یہ غیر کس لیے مجھ نوحہ گر کو کوستے ہیں
وہ آ کے پاس سے اٹھ جائے اور نہ دیکھوں میں
اب اس سے فائدہ جو چشم تر کو کوستے ہیں
خدا بھی دیکھیے اب کس کی بات کرتا ہے
ہم آہ کرتے ہیں اور وہ اثر کو کوستے ہیں
وہ میری زیست سے بیزار کس قدر ہیں نظام
اٹھ اٹھ کے سوتے سے پچھلے پہر کو کوستے ہیں

(۱۸۲)

اُف وہ دینا زبان کا منہ میں
ہے ابھی تک مرے مزا منہ میں
اُن کے آگے نہ بات بن آئی
رہ گیا حرف مدعا منہ میں
کچھ تو تونے بھی واں کہا ہوتا
تھی زباں تیرے قاصدا منہ میں
دم آخر نہ مجھ کو چھوڑ کے جاؤ
کون پانی چوائے گا منہ میں
گر کہوں حال تو وہ کہتے ہیں
''آپ کے ہے یہی سدا منہ میں''
میری ہر بات کو اُڑا دینا
ہے جواب آپ کے نیا منہ میں

لب شیریں جو چوسے تھے شب وصل
آج تک ہے وہ ذائقا منہ میں

ایسی ''ہوں ہوں'' کو کون مانے ہے
بولتے کیوں نہیں ، ہے کیا منہ میں؟

گرم گرم آہیں جو بھری ہیں نظام
آبلے پر ہے آبلا منہ میں

(۱۸۳)

چھیڑنے کو میرے ایسا ذکر چھیڑا وصل میں
کیسا کیسا مجھ کو ظالم نے رلایا وصل میں

ھائے وہ مجھ سے بگڑ کر اُس کا کہنا وصل میں
''میں نہ سمجھا تھا کہ ایسا کچھ، یہ ھوگا وصل میں''

یاد میں کیا کیا کروں ، کیا کیا بھلایا آپ نے
یاد ہیں وعدے کیے تھے تم نے کیا کیا وصل میں

یاد اب ہر بات کی دل کو ستاتی ہے غضب
لطف فرمایا تھا تم نے مجھ پر اچّھا وصل میں

یاں حیا مانع یہ کچھ، واں ناز سے کھچنا وہ کچھ
کیوں کہ بر آئے مرے دل کی تمنّا وصل میں

آپ حیراں ہوں کہ اب ہے بے قراری کس لیے
ہجر سے بھی دل پہ ہے صدمہ زیادا وصل میں

یوں بہت ہم نے چھپایا پر کہاں تک کیجے ضبط
کھل گیا اُس شوخ پر سب حال دل کا وصل میں

یا الٰہی غیر کی بھی اب تمنّا ہو قبول
ہجر کے جینے سے تو بہتر ہے مرنا وصل میں

اُس سے رنجش بھی جبھی تک ہے کہ جب تک ہجر ہے
کیسا شکوہ مجھ سے تو کچھ بھی نہ ہوگا وصل میں

بیٹھے بیٹھے ایسا گھبرا کر، یہ مڑ کر دیکھنا
کہیے تو یہ کس کا وعدہ یاد آیا وصل میں

صبح ہجراں کیسی جلدی سر پہ آ پہنچی نظامؔ
اُن سے کچھ کہنے نہ پائے حال اپنا وصل میں

(۱۸۴)

تھی اُن کے روک رکھنے کی تدبیر ہاتھ میں
دامن نہ آئے خوبیٔ تقدیر ہاتھ میں

موقوف دردِ دل ہوا رکھتے ہی ہاتھ کچھ
کچھ سحر کی ہے آپ کے تاثیر ہاتھ میں

خود رفتہ وہ ہوں حال گر اپنا رقم کروں
کاغذ نہ وہ سکے دمِ تحریر ہاتھ میں

قدموں پہ گر کے سجدہ ادا شکر کا کروں
گر لے وہ میرے قتل کو شمشیر ہاتھ میں

اُس زلف کے چھوٹنے سے یہ سودا ہے دوستو
پہناؤ بدلے پاؤں کے زنجیر ہاتھ میں

پائیں یہ ذلتیں وہاں جا جا کے بار بار
انساں کی سچ ہے اپنے ہے توقیر ہاتھ میں

کیوں ہاتھ اُٹھا اُٹھا کے دعا مانگے پھر کوئی
جب دے نہ خاک بھی فلکِ پیر ہاتھ میں

ہو صرف دیکھنے سے تسلی کہاں مری
پھرتا ہوں اُس کی میں لیے تصویر ہاتھ میں

یادِ صنم سے دل ہے منوّر مرا نظام
موسیٰ نہیں کہ ہو مرے تنویر ہاتھ میں

(۱۸۵)

واں تو ملنے کا ارادا ہی نہیں
یاں وہ خواہش ہے کہ ہوتا ہی نہیں

یوں ستانے کے تو لائق تھے نہ ہم
آپ نے کچھ ہمیں سمجھا ہی نہیں

جس سے تسکیں ہو مری اے قاصد!
ایسی تو بات تو کہتا ہی نہیں

اور بھی ایسی تو باتیں ہیں بہت
گلۂ رنجش بے جا ہی نہیں

لے گئیں نیچی نگاہیں دل کو
آنکھ اُٹھا کر ابھی دیکھا ہی نہیں

رشک دشمن سے نصیحت ہوئی آپ
دل وہاں جانے کو ہوتا ہی نہیں

اور جو ظلم ہو منظور مجھے
غیر سے ربط گوارا ہی نہیں

یاں تو یہ منتظر وعدہ ہم
اور واں یاد وہ وعدا ہی نہیں

ربط دشمن سے ہے انکار عبث
ہمیں اس بات کا شکوا ہی نہیں

ہم خدا سے بھی نہیں مانگتے کچھ
یاں کوئی اپنی تمنّا ہی نہیں

نہ سہی کوئی بُرائی ، نہ سہی
تم سے ملنا مجھے اچھا ہی نہیں
اُس کی ہر بات کو سچ سمجھے نظام
اُس سا عیار تو پیدا ہی نہیں

(۱۸٦)

آپ کہتے ہیں مجھے ''شکوۂ بے جا ہے تمھیں''
میں جو کہتا ہوں وہی غیر بھی کہتا ہے تمھیں
اُن جفاؤں کی ندامت بھی تمھیں کو ہوگی
مہرباں بھی تو کبھی بندے پہ ہونا ہے تمھیں
مجھے امید وفا تم سے ، تمھیں دشمن سے
یہ اگر خبط[۱] ہے تو مجھ سے زیادا ہے تمھیں
بھولا پن آپ کا عیاری سی عیاری ہے
کوئی کیا جانے تمھیں، میں نے ہی سمجھا ہے تمھیں
ایک دم دل سے بھلایا نہیں جاتا تم کو
کچھ خدا جانے کہ کس حال میں دیکھا ہے تمھیں
آپ کیا کہہ کے گئے تھے دم رخصت مجھ سے
یوں بھلایا مجھے ، کچھ یاد بھی وعدا ہے تمھیں
اپنے وعدے کی وفا کا بھی یقیں ہے تم کو
میرے جینے کا یہاں تک بھی بھروسا ہے تمھیں

۱- ''ضبط'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۳۰) میں ہے ؛ ''خبط'' سے معنی واضح ہوجاتے ہیں۔ ''ضبط'' سہو کتابت معلوم ہوتا ہے اس لیے تصحیح قیاسی کی گئی - (فائق)

آپ ہی کہتے ہو ہم دھیان میں لاتے ہیں کسے
ایسے گھبراتے ہو پھر خوف یہ کس کا ہے تمھیں
پہلے کچھ مل کے مزا تم کو ملا ہوگا نظام
پھر اسی شوخ سے ملنے کی تمنا ہے تمھیں

(۱۸۷)

گر کہیے تم کو پاس محبت ذرا نہیں
تو کہتے ہیں ''کسی کو نہیں، ہم کو کیا نہیں''
یاں حال یہ کہ دل میں شکایت کی جا نہیں
واں عذر یہ مجھے ابھی آتی جفا نہیں
کس کس سے تم ملے میں کسی سے ملا نہیں
اور[1] بے وفا بھی میں ہی ہوں تم بے وفا نہیں
یوں پوچھیے تو تم سے کہا میں نے کیا نہیں
یہ بات اور ہے کہ سنا اور[2] سنا نہیں
توبہ بتوں کے عشق سے مذہب مرا نہیں
ناصح کا جو خدا ہے وہ میرا خدا نہیں
آنکھیں چرائے بیٹھے ہو کیوں شرم گیں سے تم
مجھ سے قسم لو میں نے کسی سے کہا نہیں
ملیے تو اس صنم سے کہاں، یہ کہاں نصیب
امید بھی تو ملنے کی اب اے خدا نہیں
وہ بات کون سی ہے جواب ان کو میں لکھوں
مضموں وہ کون سا ہے جو پہلے لکھا نہیں

۱، ۲- ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

کیا حال اُس سے کہیے کہ جو سن کے یہ کہے
کیا کہتے ہو یہ باتیں تو میں جانتا نہیں
پھر آنا اُس کو شکل ہی دکھلا کے نامہ بر
تجھ سے ادا ہو ایسا مرا مدعا نہیں
فرقت کا غم نہ ہو تو مزا ہے وصال کا
اور۱ ہو یہ غم تو زیست کا بھی کچھ مزا نہیں
ایسا نہ ہو کہ تم کو ندامت کسی سے ہو
مل جاؤ اب تو دیکھیے، پھر کیا ہے کیا نہیں
دل پر جو گزری گزری، جو ایذا ہوئی ہوئی
پر شکر ہے کہ تم سے کبھی کچھ کہا نہیں
اُٹھ اُٹھ کے اور جا پہ بھی بیٹھا میں بزم میں
یہ ضد تو دیکھو تو بھی ادھر دیکھتا نہیں
سب کچھ سہی مگر مجھے معلوم یہ تو ہو
منظور مجھ سے آپ کو ملنا ہے یا نہیں
سچے بھی تم ہو عہد کے، میرا یقیں بھی ہے
پر کیا سبب کہ دل کو تسلی ذرا نہیں
اچھا ادھر تو دیکھو وہ کس کا قصور تھا
پھر بھی کہیں گے آپ کہ میری خطا نہیں
مشکل سے کوئی بات ٹھہرتی ہے گر وہاں
یہ لطف ہے پھر اس کو یہ دل مانتا نہیں
تدبیریں سوجھیں حال سنا دینے کی نظام
پر اُن کو تو یقین مری بات کا نہیں

۱- "اور" بر وزن "فع" - (فائق)

(۱۸۸)

کبھی رنج ہیں اور[1] کبھی پیار ہیں
کبھی خوش، کبھی مجھ سے بیزار ہیں

مرے حال سے تو خبردار ہے[2]
مگر یہ غضب ہے کہ عیار ہیں

یہی آپ کے قول و اقرار تھے؟
عجب آپ کے قول و اقرار ہیں

کہاں تک چھپاؤ گے تم اپنا حال
یہ ظاہر ہیں[3] کچھ اور آثار ہیں

یہ ہر دن کے طعنے عبث ہم پہ ہیں
مگر ایک شب کے گنہ‌گار ہیں

کوئی پوچھتا ہے[4] اگر حالِ دل
تو کہہ دیتے ہیں اس سے بیمار ہیں

ہم ایسے کہ ہے زیست امید وصل
وہ ایسے کہ لڑنے کو تیار ہیں

۱- ’’اور‘‘ بروزن ’’فع‘‘ - (فائق)

۲- ’’ہے‘‘ نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۳۲) میں غلط معلوم ہوتا ہے ’’ہیں‘‘ ہونا چاہیے؛ مطابق خطاب مصرع ثانی - (فائق)

۳- ’’ہیں‘‘ نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۳۲) میں ہے، مفہوم واضح نہیں ہوتا ’’ہے‘‘ اس سے بہتر رہے گا - (فائق)

۴- ’’بھی‘‘ نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۳۲) میں کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، ’’ہے‘‘ تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

وہ کہنا شب وصل اچھا نہ مان
مری ضد کے بھی دن تو سو بار ہیں
ستانا تو منظور میرا نہیں
مگر اپنی خو سے وہ ناچار ہیں
عدو سے نبھی جاتی ہے آج تک
وہ کیسے ستم پیشہ عیار ہیں
ستم ہے یہ کہنا بھی اس شوخ کا
"نہ ملیے اگر ہم جفا کار ہیں"
عدو کے تو مطلب سے آگاہ ہو
اسی بات کے ہم طلب‌گار ہیں
نہ پوچھو کہ کیا حال ہے اب نظام
اک آفت میں ہم تو گرفتار ہیں

(۱۸۹)

شک نہ کرتا میں کبھی قاصد تری تقریر میں
گر یہی مضمون ہوتا اس کی بھی تحریر میں
یہ عبث تقریر ہے میں ہوں تری تدبیر میں
گر مری تقصیر ہے تو دیر کیا تعزیر میں
ہائے اے دل ایک دم بھی تو نہ خوش ہونے دیا
کیسے کیسے شک نکالے یار کی تقریر میں
کیا عجب گر خط ہمارا بھی وہ پڑھ لے نامہ‌بر
خط ملائیں گے وہ اپنا غیر کی تحریر میں
سچ ہے تم آرام سے سوتے وہاں پھر کس طرح
گر اثر ہوتا ہمارے نالۂ شب گیر میں

کس لیے آتے ہیں پھر گھبرا کے در پر بار بار
ہے کلام ان کو ابھی تک آہ کی تاثیر میں
آج بر آئی تمنا یہ کسی مقتول کی
کاٹ ایسا تو نہ تھا قاتل تری شمشیر میں
واں ابھی قاصد سے حجت، یاں غضب کا انتظار
دیکھیے کیا بات نکلے آج کی تاخیر میں
سامنے جانے کی تو اک شکل آتی ہے نظر
کیوں نہ کیجے جب کہ ہو یہ فائدہ تقصیر میں
بخت برگشتہ تو دیکھو غیر کے گھر جا گرا
گر کبھی پھینکا بھی اس نے باندھ کے خط تیر میں
میں تو کچھ کہتا نہیں پر کہیے کتنا فرق ہے
آج اس تقریر میں اور کل کی اس تقریر میں
یا رب اس بت کی محبت ہی نہ دی ہوتی مجھے
وصل اس کا گر نہ لکھا تھا مری تقدیر میں
خواب کی باتیں خلاف طبع کیوں سنتے نظام
کیوں کہا تھا ان سے مجھ کو دخل ہے تعبیر میں

(۱۹۰)

غیر تو ہم کو برا کہتے ہیں
نہیں معلوم وہ کیا کہتے ہیں
صبح دم ہو کے خفا کہتے ہیں
اس ترے پیار کو کیا کہتے ہیں
سن کے وہ حال مرا کہتے ہیں
کوئی سمجھے تو یہ کیا کہتے ہیں

ہم سے اب بات بھی کرنا موقوف
کچھ تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں

روٹھے جانے کا سبب بھی پھر کچھ
اور پھر کس کو جفا کہتے ہیں

بے وفا میں ہی تمہیں کہتا ہوں
اور بھی میرے سوا کہتے ہیں

آپ کا ذکر بھلا کس کی مجال
اپنی قسمت کو برا کہتے ہیں

اپنی عادت کو بھی کچھ جانتے ہو
پھر قصور آپ مرا کہتے ہیں

باتیں کس کس کی سنے کوئی نظام
وہ جدا، لوگ جدا کہتے ہیں

(۱۹۱)

جو چاہو کہہ لو کچھ نہ کہیں گے جواب میں
اک لطف ہے ہمیں تو تمہارے عتاب میں

ہم راز ان کے ہو کے یہ سہنے پڑے ستم
ہوتے ہیں مجھ سے مشورے اعدا کے باب میں

اعدا کے جب اشاروں میں پیغام وصل ہوں
حیران ہوں کہ کیا کہوں اس کے جواب میں

کروٹ سے اپنی سوتے تو ہے جاگے یہ شب نصیب
لپٹے وہ مجھ سے جان کے دشمن کو خواب میں

انکار پر نہ صبر، نہ اقرار پر یقین
یا رب پڑی ہے جان مری کس عذاب میں

جس سے تو بے حجاب ہو لطف اُس سے پوچھیے
کیا کیا ادائیں ہیں تری ظالم حجاب میں
میں اپنا حال کہہ کے پشیماں ہوں آپ ہی
وہ سر جھکائے بیٹھے ہیں فکر جواب میں
گن گن کے گھڑیاں کاٹنا ایام غم عبث
واں ہم ہیں کس شمار میں اور[1] کس حساب میں
لائق ستم اُٹھانے کے کیا ایک میں ہی تھا
اے چرخ! میں ہی آیا ترے انتخاب میں
یہ بے خودی تو نشّے میں دیکھی نہ تھی کبھی
عکس نگاہ ساقی پڑا ہے شراب میں
لگ جائے آنکھ تو نظر آئے وہ ماہ وش
شاید نصیب جگ اُٹھیں کچھ اپنے خواب میں
آنکھیں چرا چرا کے ادھر دیکھنا غضب
لاکھوں لگاوٹیں ہیں ترے اک حجاب میں
ہوگی شب وصال تو کیا کیا کریں گے ہم
لاکھوں ہیں حسرتیں دل خانہ خراب میں
وہ بے سبب تو ایسے نہ رکے بیٹھتے کبھی
منہ سے نکل گیا مرے کچھ اضطراب میں
کچھ لطف زندگی نہ ملا ہم کو تو نظام
ہجراں نصیب ہم ہوئے عین شباب میں

۱۔ ''اور،، بر وزن ''فع،، (فائق)

(۱۹۲)

کچھ کہیے ہم بھی کچھ نہ کہیں گے جواب میں
گستاخی ہم سے ہوگی نہ ہرگز جناب میں

افشاں چنی جبیں پہ تو بوسہ بھی لب کا دو
مے نوشی کا ہے لطف شب ماہتاب میں

آنکھوں پہ ہے نظر ، کبھی لب پر نگاہ ہے
یہ دیکھتا ہوں اب کہا کچھ میرے باب میں

وہ ابھری ابھری چھاتیاں وہ سینہ صاف صاف
دریا میں[1] ہے حباب کہ دریا حباب میں

یہ شوق ہے ، یہ رشک ہے ، قاصد سے لے کے خط
لکھا جواب آپ ہی اپنے جواب میں

اے شوق قتل اتنا عبث اضطراب ہے
یاں سر ہے ہاتھ میں، وہاں تلوار ڈاب میں

کہتے ہیں مجھ سے آپ مجھے جانتے ہو کیوں
حیران ہوں کہ کیا کہوں اس کے جواب میں

مطلب قبولیت سے ہے، یہ ہے غزل نظام
جائے قصیدہ ہے شہ عالی جناب میں

۱- مصرع ثانی مطبوعہ نسخے (صفحہ ۱۳۵) میں اس طرح ہے :
''در میں ہے یہ حباب کہ دریا حباب میں''
''در میں ہے یہ'' سہو کتابت ہے اور مصرع بے معنی ہو جاتا ہے ، اس لیے ''دریا میں ہے'' تصحیح قیاسی ہے ۔
(فائق)

(۱۹۳)

جب تو میں ہوں آہ میں ایسا اثر پیدا کروں
اے ستم گر! تیرے دل میں اپنا گھر پیدا کروں

یاں تو یہ عادت ہے کس کس کا کرے گا تو علاج
روز بیماری سے میں دو چار اگر پیدا کروں

یہ تغافل وصل کی شب پوچھتے ہیں میرا حال
اب دعائیں مانگ کر درد جگر پیدا کروں

آنکھ اٹھا کر جس طرف دیکھوں وہی آئے نظر
آنکھ وہ پیدا کروں اور[1] وہ نظر پیدا کروں

فکر سے ایذاؤں کی آنتی سنا جاتے ہیں غیر
ایسا دل پیدا کروں اور وہ جگر پیدا کروں

جو تمھیں منظور ہے وہ کہہ نہ دو، کیوں چپ رہو
پھر خطا میری کوئی حجت اگر پیدا کروں

تیری فرقت میں گوارا کرسکوں گا کس طرح
کس کا دل لاؤں، کہاں سے یہ جگر پیدا کروں

ہائے دل رنجش کا صدمہ ایک دم اٹھتا نہیں
خود منائیں وہ میں اتنی بات گر پیدا کروں

کچھ رکا دیکھا جو مجھ کو تو سنا کر یہ کہا
یہ تو اچھی ٹھہری اب لوگوں کا ڈر پیدا کروں

میں بھی ہوں مجھ سا اگر ڈھونڈو جہاں میں مبتلا
تو بھی ہو تجھ سا حسیں دنیا میں گر پیدا کروں

۱۔ "اور" بر وزن "فع" ہے۔ (فائق)

اچھا اچھا در کو کرلو بند مجھ کو دیکھ کر
سر کو ٹکراؤں ابھی دیوار و در پیدا کروں
سب کچھ آتا ہے مگر ہاں عقل حیران ہے سری
تیرے دل میں راہ کیوں کر فتنہ گر پیدا کروں ؟
اب تری جھوٹی لگاوٹ میں نہ آؤں گا کبھی
مفت ایذا پاؤں ، ناحق درد سر پیدا کروں
کہتے ہیں کیا تجھ پہ گزری تھی مرے جانے کے بعد
کیا بتاؤں ، کیسے وہ وقت سحر پیدا کروں
کیوں نظام اُس وقت تو تم مان جاؤ گے مجھے
دوستی اس دشمن جاں سے اگر پیدا کروں

(۱۹۴)

جو دوست میرے ساتھ گئے کوے یار میں
دشمن وہ میرا بن کے رہا کوے یار میں
اے مہرباں! وہ حال جو پوچھے، تو کیا کہوں
ہوش و حواس تو ہیں بجا کوے یار میں
کہہ دیں گے پھر کہ باتوں نے کس کی کیا اثر
ناصح اگر تو ہم کو ملا کوے یار میں
یا رب کسی کو لا نہ یہاں رکھ مجھے یہیں
ہر دم یہی ہے اپنی دعا کوے یار میں
واعظ ترے بیاں سے بھی جنت زیادہ ہو
جی جانتا ہے جو ہے مزا کوے یار میں
میں کیسے آتے جاتے اسے دیکھوں بزم میں
دشمن نہ مجھ کو دیکھے کوئی کوے یار میں

پھر ان کے دیکھنے کو نہ آیا نظر کوئی
جو میرا حال دیکھ گیا کوئے یار میں

اب تو پڑے ہیں خاک بہ سر مجھ سے واں بہت
تھا کون پہلے میرے سوا کوئے یار میں

قاصد میں تیرے پاؤں تو آ پہلے چوم لوں
ان قدموں سے تو جا کے پھرا کوئے یار میں

یہ موت آئی ہوتی عوض غیر کے مجھے
کہتے ہیں مر کے دفن ہوا کوئے یار میں

اے چارہ گر علاج ہے یوں ہر مریض کا
بیمار عشق کو ہے شفا کوئے یار میں

وہ درد دل کو چین نہ آیا کسی طرح
آرام آیا جب میں گیا کوئے یار میں

اعدا کو کچھ گمان ہوا، دوستوں کو کچھ
دو چار دن جو میں نہ گیا کوئے یار میں

فریاد و آہ و نالہ و افغاں کرو نظامؔ
خاموش بیٹھے کرتے ہو کیا کوئے یار میں

(۱۹۵)

الٰہی اس مصیبت کی یہ کیسی راہ و رسمیں ہیں
اُدھر وہ کس ہوا میں ہیں ادھر ہم کس ہوس میں ہیں

کچھ اپنا بس نہیں چلتا نہیں یہ ظلم سہتے ہم
ستا لو جتنا جی چاہے تمہارے اب تو بس میں ہیں

ذرا آنکھیں ملا کر تو ادھر دیکھو وہ کیا کچھ تھا
یہ کیسے جھوٹے وعدے ہیں، یہ کیسی جھوٹی قسمیں ہیں

سوا دو چار کے کوئی نہ آئے ایسی محفل میں
کہو تو ہم انھیں دو چار میں یا آٹھ دس میں ہیں
یونہی ہر اک مہینہ ہم کو فرقت میں گزرتا ہے
الٰہی وصل کے کچھ دن بھی اس سارے برس میں ہیں

(۱۹۶)

کہہ سکتے آپ کو تو دل آزار بھی نہیں
ہم سے یہ جنگ، غیر سے تکرار بھی نہیں
ایسے فریب غیر میں آتے کبھی نہ وہ
عیار نام رکھا ہے عیار بھی نہیں
اک آدھ روز ہو، کوئی رو دھو کے کاٹ لے
روز فراق تو کٹے دو چار بھی نہیں
کچھ اس سے واسطہ ہو تو پھر آ کے دیکھ لیں
آفت تو یہ ہے دریئے آزار بھی نہیں
اچھا تو ہم پہ ہوتے ہیں یہ کس لیے ستم
پھر آپ کہتے ہیں کہ دل آزار بھی نہیں
بیماریوں سے یوں ہی مرا حال ہے خراب
ظاہر میں مجھ کو دیکھو تو بیمار بھی نہیں
فرصت کب ایک دم کی ہے اس کے خیال میں
کچھ کار بھی نہیں مجھے بے کار بھی نہیں
کچھ آتے جاتے دیکھتے، سنتے سناتے کچھ
گھر اپنا یار کے پس دیوار بھی نہیں
یوں بار بار کہتے ہو، لو ہاں، کہو کہو
سنتے ہماری بات تم اک بار بھی نہیں

(۱۹۷)

نہ مانوں گا نہ میرے حال سے واقف ہو تو برسوں
مہینوں خاک چھانوں میں، پھروں میں کو بہ کو برسوں

یہ رعب حسن تھا مانع، یہ حائل تھا حجاب عشق
نہ کی ملنے پہ بھی اس شوخ سے کچھ گفتگو برسوں

ردیف و

(۱۹۸)

پھر کب آؤ گے مجھے وقت بتاتے جاؤ
پھر ذرا پھر کے تو شکل اپنی دکھاتے جاؤ

چین تم کو بھی نہ ہوگا مری بے چینی سے
دیکھو پھر آؤ، نہ یوں مجھ کو ستاتے جاؤ

کہتے بھی ہو کہ تجھے ہوش نہیں باتوں کا
غصے ہو ہو کے مرے ہوش اڑاتے جاؤ

یا الٰہی انھیں جا جا کے پھر آئے کچھ یاد
یوں ہی جا جا کے مرے پاس پھر آتے جاؤ

حال دل سن کے مرا دیجیے گا کچھ تو جواب
لب ہلاتے نہیں گردن ہی ہلاتے جاؤ

پھر تو رونا ہی مجھے آپ کے غم میں ہوگا
دم رخصت تو نہ تم مجھ کو رلاتے جاؤ

جاتے تو ہو ہی مگر میری تسلی کے لیے
کوئی تو بات خوشی کی بھی سناتے جاؤ

حال دل میں نے کہا ، آپ سے تقصیر ہوئی
بس بھی جانے بھی دو، مت بات بڑھاتے جاؤ

دل تو اس بزم سے ہوتا نہیں اٹھنے کو نظام
ان کو پروا نہیں رہتے رہو ، جاتے جاؤ

(۱۹۹)

چین ہوتا نہیں ذرا دل کو
تم سے ملتے ہی کیا ہوا دل کو

دونوں ثابت جفا و شکر رہیں
مرحبا تم کو ، واہ وا دل کو

تیرے کہنے کو خوب سمجھا میں
کیسے سمجھاؤں ناصحا دل کو

تم سے ملتے ہی آشنا ہی نہ تھا
ہم سمجھتے تھے آشنا دل کو

کسی چرچے میں دل نہیں لگتا
یا الٰہی یہ کیا ہوا دل کو

دل نے بے چین کر دیا مجھ کو
تم نے کچھ ایسا کر دیا دل کو

یا خدا آپ ہی وہ مل جائے
صبر ہوجائے میرے یا دل کو

دل لگایا تھا دل لگی کے لیے
تم سے ..تے ھی غم لگا دل کو

یہ شرارت تو دیکھنا اس کی
آنکھوں آنکھوں میں لے گیا دل کو

آنکھ سے آنکھ گر ملائے نظام
لے ھی لے گا وہ دل ربا دل کو

(۲۰۰)

یاد ھے[۱] چاھتے تھے یوں ھی کبھی تم مجھ کو
غیر کے حال پہ آتا ھے ترحم مجھ کو

فکر ایذا تمھیں امید ترحم مجھ کو
میں تمھیں دیکھتا ھوں دیکھتے ھو تم مجھ کو

ماہ نو چین نہیں تھا مری جاں کو شب غم
صبح تک آنکھیں دکھایا کیے انجم مجھ کو

جھوٹی باتوں سے تسلی مری کیوں کر ھوگی
میں تمھیں جانتا ھوں ، جانتے ھو تم مجھ کو

مر کے تو پائی ھے جا کوچے میں اس قاتل کے
کہو عیسٰی سے نہ للہ کہیں تم مجھ کو

دیکھ تو لیتے ھو تم پیار کی نظروں سے کبھی
کہیے پھر کیوں نہ ھو امید ترحم مجھ کو

۱- نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۳۹) میں اس مصرع کی کتابت اس طرح تھی :
یاد ھی چاھیے تھی یوھیں کبھی تم مجھ کو
''چاھیے'' سہو کتابت ھے، ''چاھتے'' تصحیح قیاسی ھے۔ (فائق)

شکر صد شکر کہ درباں کی چھٹا منت سے
ضعف نے کوچۂ جاناں میں کیا گم مجھ کو

چشم گریاں نے یہ طوفان کیا ہے برپا
سر دامن ہے ڈبو دینے کو قلزم مجھ کو

وہ مرے دل میں ہی ہوں گے[1] نہ گئے ہوں گے کہیں
در بہ در کیوں یہ پھراتا ہے توہم مجھ کو

اور باتوں کی تو امید شب وصل کہاں
چپ ہیں وہ جان کے مشتاق تکلم مجھ کو

دفن اس کوچے میں ہونے کو نہ چھوڑے گا کوئی
کیا قیامت ہے مسیحا بھی کہیں قم مجھ کو

کہیے تو زیست کی پھر کون سی صورت ہوگی
نہ رہے گی اگر امید ترحم مجھ کو

صدقے بے ہوشی کے مے خانے میں تا زیست رہا
پیر مغ دفن بھی کرنا تو تہہ خم مجھ کو

یوں مجھے دیکھ کے منہ پھیرنا تو قہر ہی تھا
کچھ جو دیتا ہے تسلی تو تبسم مجھ کو

خوبیٔ بخت عیادت کو وہ کس وقت آئے
حیف جس دم نہ رہی تاب[2] تکلم مجھ کو

۱- نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۳۹) میں مصرع اول ساقط الوزن ہے۔ ملاحظہ ہو۔
''وہ مرے دل میں ہی ''ہو'' ؟ نہ گئے ہوں گے کہیں''
''ہوں گے'' تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)

۲- ''نہ رہے باب'' نسخۂ مطبوعہ (ص ۱۳۹) میں غلط ہے۔
''نہ رہی تاب'' تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)

اُس کے بے آئے بھلا جاں کوئی لے سکتا ہے
ملک‌الموت پہ آتا ہے تبسم مجھ کو

دم رفتار دوپٹہ جو سنبھالا اُس نے
جوش حیرت سے نظر آئے[۱] تلاطم مجھ کو

کیا غضب کرتے ہو کیوں آنکھوں میں گھر کرتے ہو
تم کو تو کیا کہوں کچھ کہتے ہیں 'سر دم' مجھ کو

حشر کو میں تو لحد سے نہ اٹھوں گا یا رب
جب تک آ کر وہ مسیحا نہ کہے قم مجھ کو

یاد لا لا کے میاں وصل کی شب کا شب غم
دیکھتا ہوں میں فلک کو، مہ وانجم مجھ کو

رشک کیوں ہو مجھے کیوں لب پہ شکایت آئے
ذکر کیا غیر کا، ہاں چاہتے ہو تم مجھ کو

مے کشوں کو بھی پلاتا ہوں میں زاھد، للہ
کیا عجب روز قیامت میں ملیں خم مجھ کو

غیر کے آگے وہ گو منہ سے نہیں کچھ کہتے
پر اشاروں میں جتاتے ہیں تحکم مجھ کو

بے وفا بھی کہو تم غیر کو میرے آگے
انھیں باتوں پہ تو ہوتا ہے توہم مجھ کو

یوں تو میں لاکھوں ہی غم دل کے ستانے کے لیے
بھول جاتا ہوں میں یاد آتے ہو جب تم مجھ کو

۱- ''آئے'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۴۰) میں ہے ''آیا'' بہتر رہے گا - (فائق)

وعدۂ وصل سے کیا اپنی تسلی ہو نظام
واں تلوّن غضب ، آفت ہے توہم مجھ کو

(۲۰۱)

زباں غیر پہ اُس شوخ کا گلا ہی نہ ہو
کسی سے حال مرا اُس نے کچھ سنا ہی نہ ہو

سمجھ کے رشک عدو آپ کچھ نہیں سنتے
سنیں تو آپ کہیں مجھ پہ کچھ خفا ہی نہ ہو

سہیں گے اپنی خوشی ، جو جو رنج و غم ہوگا
بلا سے کچھ ہو مگر ہم سے وہ جدا ہی نہ ہو

نہیں کسی کی نہ اُلفت سہی ، جو کہتے ہو
وفا کرے بھی کسی کی![1] وہ دل ربا ہی نہ ہو

یہ بے سبب تو نہیں ہے حجاب یوں اُس کا
ہمارے دل کی حقیقت وہ جانتا ہی نہ ہو

وہ گو کہ غیر سے کچھ اور ہی کریں تقریر
مجھے گمان ہے مذکور کچھ مرا ہی نہ ہو

تمہارے سامنے جو اور پوچھو کہہ دیں ہم
مگر بیان کبھی دل کا مدعا ہی نہ ہو

علاج درد محبت کا جانتے ہو تم
یہ وہ مرض ہے کہ جس کو کبھی شفا ہی نہ ہو

---

۱ - ''کی'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۳۰) میں معنی کو الجھا رہا ہے ''سے'' سے معنی صاف ہوجاتے ہیں (فائق)

وہ ایسا وعدہ کریں یہ امید ہے کس کو
نہ ایسا ہو کہیں قاصد وہاں گیا ہی نہ ہو
ہمیں تو دیکھنا چھپ کے بھی ہو گیا مشکل
یہ وہم ہے کہیں وہ ہم کو دیکھتا ہی نہ ہو
کچھ اور وضع نظر آتی ہے اب ان روزوں
نظام بھی کہیں اس شوخ سے ملا ہی نہ ہو

(۲۰۲)

مری جان! میری مصیبت نہ پوچھو
جو گزری ہے مجھ پر حقیقت نہ پوچھو
سوا آپ کے کون ہے دوست میرا
رقیبوں کی مجھ سے عداوت نہ پوچھو
لو جاتے ہو جاؤ تمہیں مجھ سے کیا ہے
مرا حال کچھ وقتِ رخصت نہ پوچھو
ذرا سوچ دیکھو تمہیں اپنے جی میں
مرے دل کی کچھ مجھ سے حالت نہ پوچھو
ملیں آپ غیروں سے ہم بیٹھے دیکھیں
جو کچھ ہم کو ملتی ہے ذلت نہ پوچھو
بھلا کیسے میں رشک دشمن سہوں گا
مرے آنے کی تم قباحت نہ پوچھو
بھلا یہ بھی کچھ منصفی کی ہیں باتیں
کبھی تم مرے دل کی حالت نہ پوچھو
کہوں گا تو پھر جانے کیا کچھ کہو گے
مرے غم کی مجھ سے حکایت نہ پوچھو

نہ ملنے کی جب صاف وہ کہہ چکے تب
نظام اُس گھڑی کی ندامت نہ پوچھو

(۲۰۳)

گر آپ کو خیال مرا کچھ نہیں نہ ہو
سب تم کو بے وفا کہیں ایسا کہیں نہ ہو

یہ حال اب تو تیرے مریض الم کا ہے
ہر دم یہی گماں ہے[1] دم واپسیں نہ ہو

ہوں اس جہاں سے تنگ وہاں جا کے بس رہوں
جس جا پہ آسماں نہ ہو اور زمیں نہ ہو

کہتا ہوں جس سے حال دل آتا ہے پھر یہ سوچ
ایسا نہیں کہ اُس کا کہیں ہم‌نشیں نہ ہو

ہجر صنم یہاں ، وہاں امید وصل حور
زاہد جو کچھ ہمارے لیے ہو یہیں نہ ہو

وہ دل برا ہے نام ہے جس دل میں تو نہ ہو
رونق کہاں مکاں کی جب تک مکیں نہ ہو

کچھ[2] ہم پہ گزری اُس کو نہ آیا ذرا بھی رحم
ہم کچھ کہا کریں اُسے کچھ بھی یقیں نہ ہو

---

۱ - مطبوعہ نسخہ (صفحہ ۱۰۳) میں ''کہ دم واپسیں'' تھا ؛ ''کہ'' سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ؛ ''دم واپسیں'' صحیح ہے ، اس لیے ''کہ'' حذف کیا گیا - (فائق)

۲ - ''کچھ'' سہو کتابت نظر آتا ہے ، ''جو'' ہونا چاہیے ؛ اس سے معنی صاف ہو جاتے ہیں ۔ (فائق)

ظاہر ہے نفرت آپ کے رہنے سے دور دور
انساں وہ بھی کیا کہ جو کچھ دور ہیں نہ ہو
گو توبہ واں کے جانے سے کر بیٹھا ہے نظام
وہ اور جا تو ہو نہ ہو شاید وہیں نہ ہو

(۲۰۴)

امکاں ہے کہ اُن کو ندامت ہوئی تو ہو
کیا غم انھیں کسی پہ اذیت ہوئی تو ہو
اُس بت کو جا کے دیکھ تو آئے ہزار شکر
کیا اس کا رنج اس میں جو ذلت ہوئی تو ہو
یاں کس کو اعتماد تمھارے تپاک کا
ہم کیا کریں عدو سے عداوت ہوئی تو ہو
دشمن کا رشک ، ہجر کا غم ، ہر گھڑی کا ڈر
کیا کیجیے جو ایسی ہی قسمت ہوئی تو ہو
قاصد سمجھ گیا میں ترا مدعائے عام
یاں کس کو رشک غیر سے الفت ہوئی تو ہو
کے دن نبھے گی دیکھیے دشمن سے دوستی
خوگر ستم پر آپ کی عادت ہوئی تو ہو
خوش خوش کچھ آج تم تو نظر آتے ہو نظام
پھر اُس کے ملنے کی کوئی صورت ہوئی تو ہو

(۲۰۵)

دیکھ اپنے قرار کرنے کو
اور مرے انتظار کرنے کو

تمھیں دیکھے سے کیا تسلی ہو
جی تو ہوتا ہے پیار کرنے کو

میری تدبیر اک نہیں کرتا
ہیں نصیحت ہزار کرنے کو

وہ وہ صدمے سہے شب غم میں
چاہیے دن شمار کرنے کو

وہ گر آئیں تو پاس کیا ہے اور
ایک جاں ہے نثار کرنے کو

جھوٹے وعدے کیا نہ کیجے آپ
مفت اُمیدوار کرنے کو

آپ ہیں روٹھنے ہی کو اور ہم
منتیں بار بار کرنے کو

اپنی عیاریوں کو دیکھیں آپ
اور مرے اعتبار کرنے کو

دل بھی تیرا سا چاہیے ہے نظام
عشق کے اختیار کرنے کو

(۲۰۶)

کہہ تو آج شب کے آنے کو
تمھیں کیا چاہیے بہانے کو

اور رشک عدو بڑھانے کو
تھا عدو بھی[1] قسم ہی کھانے کو

کیوں چھپاتے ہو کچھ خفا ہو تم
میں سمجھتا ہوں روٹھ جانے کو

ہائے اب کیسی پڑگئی مشکل
سہل سمجھے تھے دل لگانے کو

شوق سے سرگزشت غیر سنو
ہم بھی بیٹھے ہیں کچھ سنانے کو

اپنے جھوٹے تپاک کو دیکھو
اور میرے یقین لانے کو

گاہے گاہے یہ آپ کا ملنا
سبھی بس ہیں مرے ستانے کو

جانتے ہو کہ رحم آئے گا
نہیں سنتے مرے فسانے کو

در بہ در میں ہی کیا پھرا مارا
چھوڑ کر تیرے آستانے کو

میری باتوں پہ سر ہلاتے ہو
کیا نہیں ہے زبان ہلانے کو

۱ - ''بھی'' مطبوعہ نسخے (صفحہ ۱۳۳) میں ہے - ''ہی''
سے معنی واضح ہوجاتے ہیں - (فائق)

یوں مجھے دیکھ منہ بناتے ہو
تم ہو ہنسنے کو، مسکرانے کو

اُن کی رنجش میں یہ ہوئی توقیر
غیر آئے مرے منانے کو

موت بھی آکے پھر گئی میری
کہہ گئے تھے جو آپ آنے کو

اور سب کی تو یاد ہے تجھ کو
اک ہمیں ہیں ترے بھلانے کو

لائق رحم ہوں میں اے قاتل!
دیکھ تو میرے سر جھکانے کو

ہجر جاناں میں مر رہے ہیں نظام
جی بھی ہوتا ہے زہر کھانے کو

(۲۰۷)

بھلا وہ کیوں کہ جیے جو مریض زار بھی ہو
غم فراق بھی ہو، درد انتظار بھی ہو

ہزار آپ کہیں، ایک میں نہ مانوں گا
تمہاری بات کا جب مجھ کو اعتبار بھی ہو

جو عادتیں یہی صاحب کی ہیں تو بس معلوم
کس آرزو پہ کوئی پھر ذلیل و خوار بھی ہو

بھلا وہ کیا کرے جس کے کہ ایک دل کے لیے
تپش بھی، سوز بھی، ایذا بھی، اضطرار بھی ہو

مفید ہم کو نصیحت نہیں ہے اے ناصح!
یہ بات سچ ہے، مگر دل پہ اختیار بھی ہو

میں رشکِ غیر بھی سہتا ہوں ظلم آپ کے بھی
عدو نواز بھی تم ہو، ستم شعار بھی ہو
بہم ملاپ ہونے میں تو اب مزا ہے یہی
کہ پہلا سا وہی آپس میں لطف و پیار[1] بھی ہو
خدا نہ دل کسی بے رحم پر کسی کا لائے
مزا تو جب ہے جو دلبر ہو، دوست دار بھی ہو
خدا ہی جانے کہ جو حال ہو خوشی سے مرا
اگر وصال صنم مجھ کو ایک بار بھی ہو
بتوں کا ملنا کوئی بات عقل کی ہے نظام
ذلیل و خوار بھی ناحق گناہ گار بھی ہو

(۲۰۸)

کیا سناتے ہو یہ ہر بار مری جاں مجھ کو
اپنے کہنے میں تو کر لے کوئی انساں مجھ کو
دیکھ تو اے دل مضطر یہ جگہ کون سی ہے
چین سے بیٹھنے دے اب تو ذرا یاں مجھ کو
زندگی سے تو مری موت بھی بہتر نکلی
آئے تو دیکھنے وہ جان کے بے جاں مجھ کو

۱- ''لطف و پیار'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۴۴) میں ہے؛ بہ ظاہر ''مرکب عطفی'' ہے لیکن لفظ ''پیار'' ہندی ہے اور واؤ عاطفہ کا استعمال فارسی اور ہندی لفظوں کے درمیان جائز نہیں - ممکن ہے کہ یہ شعر نظام کے قلم زد شدہ اشعار میں سے ہو - (فائق)

ذکر تھا اک بت بے درد کی عیاری کا
بولے یہ آپ سناتے ہیں کسے ہاں مجھ کو

ہائے اک غم میں بھی تھا کیف سو وہ بھی نہ رہا
اب وہ ہنستے بھی نہیں دیکھ کے گریاں مجھ کو

یوں تسلی دل بے تاب کی ہونا معلوم
کیا ستاتے ہیں خیال شب ہجراں مجھ کو

عہد کس کا کہ کسی کا بھی تو کہنا نہ چلا
دل بے تاب مرا لے ہی گیا واں مجھ کو

کیا خوشی پھر یوں ہی دشمن سے بھی ہونا[۱] ہوتا
بس جتاؤ نہ شب وصل یہ احساں مجھ کو

یہ شب ہجر کے صدمے ، یہ ہجوم غم و یاس
نظر آتے نہیں اب زیست کے ساماں مجھ کو

یاں تو کیا اپنی تمنائیں نہ تھیں اس سے نظام
اور قاصد نے کیا آ کے پشیماں مجھ کو

(۲۰۹)

یہ تم کو کون کہتا ہے کسی کو پیار کرتے ہو
عبث مجھ سے بیان رنجش اغیار کرتے ہو

نہیں منظور گر تم کو کسی کا دیکھنا پھر کیوں
عدو کے گھر کی جانب روزن دیوار کرتے ہو

فقط کچھ ذکر ہی سننے سے یہ کچھ ہو گئی حالت
دلا اس حوصلے پر خواہش دیدار کرتے ہو

۱۔ ''سونا،،؟۔ (فائق)

یہ بےزاری، یہ بےرحمی، تمھاری دیکھو کیا دکھلائے
اب اپنی زندگی سے بھی ہمیں بےزار کرتے ہو
ہمیں دیکھو کہ اس پر بھی ہزاروں شکر کرتے ہیں
کبھی کچھ لطف کی باتیں جو تم دو چار کرتے ہو
جو کچھ خاموش رہتے ہو غضب کا وہم بندھتا ہے
جو کچھ گفتار کرتے ہو، تو یہ گفتار کرتے ہو
میں حیراں ہوں وہ ایسا کون ہے جو آپ کہتے ہیں
چلو بس بس ملو اس سے کہ جس کو پیار کرتے ہو
جو تم میں اس میں الفت ہے ہمارا دل ہی جانے ہے
دکھانے کو ہمارے غیر سے تکرار کرتے ہو
اگر اک بات ہو تو اپنے دل کی کچھ تسلی ہو
کبھی اقرار کرتے ہو، کبھی انکار کرتے ہو
کسی سے کی وفا گر آپ نے تو اس سے کیا ہم کو
ہمارے سامنے کیوں ذکر یہ ہر بار کرتے ہو
نہ ہو گا کچھ بھی حاصل اور لوگوں کی ہنسی ہوگی
نظام اس شوخ سے اظہار حال زار کرتے ہو

(۲۱۰)

سمجھتا ہوں میں کیوں تم دوستی اظہار کرتے ہو
مجھی سے تم کو الفت ہے، مجھی کو پیار کرتے ہو
وہاں گر میرے آنے میں قیامت ہے تو بہتر ہے
یہاں آنے میں تم کس واسطے انکار کرتے ہو
مری فریاد و زاری ہر گھڑی کی سن کے کہتے ہیں
مجھے بد نام کیوں رہ کر پس دیوار کرتے ہو

کسی نے گر کہا ہو کچھ تو آپ اس کو غلط سمجھیں
سبب کچھ ہے جو تم ملنے سے میرے عار کرتے ہو

جو کہیے غیر کی عیاریوں میں تم نہ آ جانا
تو کہتے ہیں مجھے سمجھا کے یوں عیار کرتے ہو

تمھاری جس میں مرضی ہو، وہی مرضی ہماری ہے
یہاں منظور وہ سب ہے جو تم انکار کرتے ہو

تمھیں منصف سہی، ہم اپنے کام دل کو کب پہنچے
اگر اقرار کرتے ہو تو یہ اقرار کرتے ہو

سبب اتنی عداوت کا کوئی کھلتا نہیں ہم پر
ہمارا حال کچھ تم غیر سے اظہار کرتے ہو

تسلی کیا ہو وعدوں سے یوں ہی پھر تم ستاؤ گے
یوں ہی ہر بار کہتے ہو، یوں ہی ہر بار کرتے ہو

تمنائیں ہماری آج کی شب بھی نہ نکلیں گی
ابھی سے تم تو کچھ ہر بات پر تکرار کرتے ہو

نظام اپنا بھی دل ہوتا ہے رنج عشق سننے کو
بیاں[1] اس درد سے تم لذت آزار کرتے ہو

۱- ''یہاں'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۳۶) میں سہو کتابت ہے۔ ''بیاں'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

(۲۱۱)

اس کا گلہ نہیں ، نہ ہو وعدہ وفا نہ ہو
اتنا تو ہو[1] کہ رشک مجھے غیر کا نہ ہو

کہیے تو کیوں کہ غم مجھے اس بات کا نہ ہو
اس سے کہو یہ تم ، جو تمھیں جانتا نہ ہو

دل کو تو دل سے راہ ہے جب کوستے ہیں وہ
منہ سے یہی نکلتا ہے تیرا برا نہ ہو

انداز اپنا دیکھتے ہیں آئینے میں وہ
اور یہ بھی دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

اٹھکھیلیوں سے چلتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

اس کا وہ نیچی نیچی نگاہوں سے دیکھنا
اور یہ بھی دیکھنا ، یہ مجھے دیکھتا نہ ہو

کروٹ بدلنے میں جو دوپٹہ سرک گیا
گھبرا کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

اک لطف روز کے ہے سوال و جواب میں
ہم خود یہ چاہتے ہیں کہ وعدہ وفا نہ ہو

اب میں ہوں، تم ہو، کون ہے، کس کا لحاظ ہے
کیا اس کا ذکر ہے کہ کوئی دیکھتا نہ ہو

اللہ وصل میں بھی ہیں سو سو طرح کے رنج
مجھ سا کوئی حزیں نہ ہو ، غم آشنا نہ ہو

۱- ''نہ ہو،، نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۴۶) میں سہو کتابت ہے
شعر بے معنی ہو جاتا ہے - ''تو ہو،، تصحیح قیاسی - (فائق)

اپنی ہی عادتوں کو ہمیں جانتے ہیں خوب
انصاف بھی ہے شرط وہ کیوں کر خفا نہ ہو

قاتل تو قتل شوق سے کر ، اس کا غم نہیں
غم ہے تو ایک یہ ہے کوئی دیکھتا نہ ہو

یوں مجھ سے پوچھتے ہو کہ واقف ہی کچھ نہیں
ہاں سچ ہے تم نے حال مرا اور سنا نہ ہو

وعدہ تو کیجے کہنے کو اتنی تو بات ہے
آگے مرا نصیب وفا ہووے[1] یا نہ ہو

صورت ملا کے آئینہ کیا دیکھتے ہیں آپ
گر ایسے ہم ہوں تو کوئی ہم پر فدا[2] نہ ہو

پھر کہہ تو اس نہ ملنے کا ظالم سبب ہے کیا
ایسے تو ہم نہیں ہیں جو دل ہی ترا نہ ہو

دھوکے سے کس کے، سینے پر رکھا ہے آپ نے
دیکھوں تو میں اسے کہیں یہ خط مرا نہ ہو

باتوں میں پیار پیار کی رنجش کا ذکر کیا
منظور ہے کہ دل کو تسلی ذرا نہ ہو

نظارے کی تھی تاب دل ناتواں میں کب
اب یہ دعا ہے اس سے کہیں سامنا نہ ہو

کہنے سے تیرے بڑھتی ہے الفت بتوں کی اور
ہمدم خدا کے واسطے ناصح مرا نہ ہو

۱- "ہووو" نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۴۷) میں "ے" کتابت میں رہ گئی ہے - (فائق)

۲- "خدا" نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۴۷) میں سہو کتابت ہے۔ "فدا" تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

جو بات ماننے کی نہ ہوگی کہیں گے کیوں
کیجے تو یاد یا[1] کبھی ایسا ہوا نہ ہو

قاصد سے حال کہہ کے ندامت ہے کس قدر
تسکین اب یہ ٹھہری کہ شاید کہا نہ ہو

رونا تو ایک شغل ہے، آنسو کا ذکر کیا
تو ہی نہ ہو جو پاس تو پھر کہہ تو کیا نہ ہو

کیوں نیند کا خمار ہے کیا جاگے رات کو
میری طرف تو دیکھنا ہاں کچھ ہوا نہ ہو

پھر کیا گلہ ستم کا کریں جب وہ یہ کہیں
ہاں ہم تو ایسے ہیں کوئی پھر مبتلا نہ ہو

اپنا کسے خیال یہ اب بھی خیال ہے
جو کچھ ہوا ہوا، مگر اس نے سنا نہ ہو

ایسی بھی عادتوں کو ہمیں جانتے ہیں خوب
ہم خود یہ جانتے ہیں کہ وعدہ وفا نہ ہو

گر اس صنم کو بھولا تو کافر ہوا نظام
ایمان کی یہ ہے نہ ہو یاد خدا نہ ہو

مسجد میں اور نظام خدا کا غضب ہے یہ
شاید بتوں کی باتوں سے تنگ آگیا نہ ہو

کس کس طرح ستاتے ہیں یہ بت ہمیں نظام
ہم ایسے ہیں کہ جیسے کسی کا خدا نہ ہو

۱- ''یا'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۰۲) ''کیا'' مطلب کو واضح کردیتا ہے۔ (فائق)

(۲۱۲)

سوجھگڑے وصل میں بھی ہوں کچھ مدعا نہ ہو
کتنا ہی وعدہ ہو مگر اُس پر وفا نہ ہو

پہلے تو اُس سے کہنے کو کیا کچھ نہ کہہ گیا
اب یہ دعا ہے اپنی کہ قاصد گیا نہ ہو

نادم ہوں تم سے خواہش دل کہہ گیا غرض
کہنا وہ اپنا یاد ہے ؛ بس بے حیا نہ ہو

قاصد کی کیا سنے کہ نہ سننا ہی خوب ہے
بس یہ بھی شکر ہے کہ کچھ اُس نے سنا نہ ہو

تا صبح انتظار عبث ہی رہا مجھے
شاید یوں ہی ہو آپ نے وعدہ کیا نہ ہو

میں وہ نہیں کہ رشک سہوں ، پھر نباہ کب
تم وہ نہیں کہ تم پہ کوئی مبتلا نہ ہو

وہ دن گئے جو تھا غم و شادی کا امتیاز
اب ایک سا ہے آپ سے ملنا ہو ، یا نہ ہو

یوں لکھتے وہ مجھے کبھی ایسا نصیب تھا
قاصد یہ میرے نام پہ خط غیر کا نہ ہو

گو ہے شب وصال مگر دل کو کب قرار
جب تک کہ پہلی باتوں کا کچھ فیصلا نہ ہو

ناحق کے روٹھنے کا سبب بھی ، یہ عرض ہے
پھر بھی مجھے سزا ہو جو میری خطا نہ ہو

کیا کیا مری رسائی تھی وہ ہی تو ہے یہ دل
یہ نا اُمیدی ہو کہ تمنا کی جا نہ ہو

یہ لطف ہیں کہ اُس کے ستم کے گلے ہیں یہ
اور یہ دعا بھی ہے کہ یہ اپنے سوا نہ ہو
یہ بد گماں کہ خوف ہے اب بات بات پر
اورخوش بھی یار سے ہوں کہ اک دم جدا نہ ہو
منظور ہے یہی ترے اب تو مریض کو
تدبیر سو طرح کی ہو کچھ فائدا نہ ہو
سچ ہے کہ بے ملے نہیں کھلتا کسی کا حال
ہم سے ملو تو لطف وہ ہو جو ہوا نہ ہو
مارا ہمیں تو اپنے دل بے قرار نے
یہ کیا کہ وصل میں بھی تسلّی ذرا نہ ہو
بے تاب مجھ کو دیکھ کے منہ پھیر کے کہا
اس کے تو درد دل کو الٰہی شفا نہ ہو
یوں اپنی ضد سے تم نہ ملو ورنہ میں[1] تمھیں
تاثیر آہ میں نہ ہو نالہ رسا نہ ہو
بیماری فراق سے میں وہ نہیں رہا
اب آؤ بھی تو غیر کو کہنے کی جا نہ ہو
اے اضطراب دل ! وہ اثر تیرا کیا ہوا
یاں پر یہ حال ہو خبر اس کو ذرا نہ ہو
اب میرے واں پہ جانے کی صورت ہے کون سی
اچھا وہ کیجے ، پہلے جو تم نے کیا نہ ہو

---

۱ - ''ورنہ میں تمھیں'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۳۹) میں بے معنی جملہ اور سہو کاتب معلوم ہوتا ہے ؛ ''ورنہ یہ نہیں'' سے معنی واضح ہوجاتے ہیں - (فائق)

چھپ چھپ کے اس کو دیکھتے ہو تم نظام کیا
یہ بھی خیال ہے وہ کہیں دیکھتا نہ ہو
زانو پہ سر ہے ، آنکھوں میں آنسو ہیں ، لب پر آہ
تیری طرح نظام کوئی مبتلا نہ ہو

(۲۱۳)

اب سچ بھی کہے کوئی تو مجھ کو نہ یقیں ہو
یہ تذکرہ ہے اور کا تم ایسے نہیں ہو
تم پوچھ تو دیکھو کبھی خواہش مرے دل کی
جو سمجھے ہوئے آپ ہیں شاید وہ نہیں ہو
امید ہمیں خاک ہو وعدے کے وفا کی
ہر دم یہ گماں ہے نہ دم بہ زِ پسیں ہو
دشمن کی کدورت کا سبب سمجھے تو ہوگے
دل سے مرے پوچھے کوئی تم کیسے حسیں ہو
کرتے ہیں شکایت بھی عدو کی مرے آگے
اور ڈرتے بھی جاتے ہیں کہ سنتا نہ کہیں ہو
اب عہد جو باہم ہے پھرے اس سے نہ کوئی
میں ایسا اگر ہوں بھی تو تم ایسے نہیں ہو
مایوسی مرے دل کی ہوئی جاتی ہے یا رب
وعدے سے وہ بت اپنے پشیماں نہ کہیں ہو
ہم اور عبادت کو سمجھتے نہیں زاہد
وہ کوچہ ہو اور نقش قدم ہو ، یہ جبیں ہو
تا زیست برآنے کی نہیں یہ بھی تمنا
تو پاس ہو اور لب پہ مری جان حزیں ہو

تنگ آ گیا اس روز کی ایذاؤں سے یا رب
دل بس میں ہو یا کہنے میں وہ دشمن دیں ہو
کیا مجھ کو سناتے ہو کہ دل پھر گیا سب سے
ہم راضی ہیں اس بات سے ایسا ہی کہیں ہو
کچھ مجھ سے سبب پوچھو نہ تم رشک عدو کا
وہ بات کہوں کیسے جو کہنے کی نہیں ہو
ہم[1] فرق دلوں میں تو سہی غیر سے ملت
ظاہر تو جدا مجھ سے ہو پر دل سے قریں ہو
واں ساتھ نہ ہوگی مرے یہ قسمت بد کیا
جو کچھ ہو مرے واسطے یا رب وہ یہیں ہو
میں حال دل زار کہوں کیا ترے آگے
یہ مجھ کو مناسب ہے کہ تو سن کے غمیں ہو
اس بات میں کیا شک ہے نظام ، اس کا عجب کیا
بے تاب مرے واسطے وہ پردہ نشیں ہو

(۲۱۴)

آہیں بھرنا ہمیں دن رات اثر ہو کہ نہ ہو
اس سے مطلب نہیں اس بت کو خبر ہو کہ نہ ہو
دیکھو دیکھو نہ ادھر ٹیڑھی نظر سے دیکھو
سوز دل ہو کہ نہ ہو ، درد جگر ہو کہ نہ ہو

---

۱ - ''ہم'' نسخہ مطبوعہ (صفحہ ۱۵۰) میں بے معنی اور کاتب کا سہو ہے ؛ ''ہے'' سے مطلب واضح ہوجاتا ہے - (فائق)

کس توقع پہ جیے کوئی خوشی کون سی ہے
شب فرقت کی خدا جانے؟ سحر ہو کہ نہ ہو

جو تمنا تھی مری غیر سے ہو عہد وہی
غم سے پھر حال مرا نوع دگر ہو کہ نہ ہو

وعدہ کرکے کوئی یوں صاف مکر جاتا ہے
جاں بہ لب کیسے کوئی خستہ جگر ہو کہ نہ ہو

محو یہ ہوں کہ تری یاد کو بھی بھول گیا
اب تصور بھی ترا پیش نظر ہو کہ نہ ہو

ناامیدی کا اب الزام بھی مجھ پر یہ خوب
روٹھ جانے کا تمھارے مجھے ڈر ہو کہ نہ ہو

یاں تو منہ دیکھی سبھی کہتے ہیں واں ہو انصاف
داور حشر بھی قسمت سے اُدھر ہو کہ نہ ہو

بھول جاؤ گے نہ کیوں وعدہ دلاؤں تمھیں یاد
اس کا الزام بھی پھر میرے ہی سر ہو کہ نہ ہو

دولت فقر ہے، آلِ شہ جیلاں ہوں نظام
اس کی پروا ہے کسے ہاتھ میں زر ہو کہ نہ ہو

(۲۱۵)

تم کس کے آشنا، یہ کسی اور سے کہو
جب کچھ کہا، کہا یہ کسی اور سے کہو

سنتے تھے میرا حال جو[۱] مطلب پر آئی بات
منہ پھیر کر کہا یہ کسی اور سے کہو

---

۱ - ''جو'' تصحیح قیاسی ہے ورنہ مصرع ساقط الوزن ہوجاتا ۔ (فائق)

کچھ لطف وصل یاد دلائے تو بولے وہ
جانے مری بلا یہ کسی اور سے کہو

جو فکر آپ کو ہے ، وہ معلوم ہے مجھے
ہے طبع بے مزا یہ کسی اور سے کہو

بر آنے دیجے آج تو کچھ مدعاے دل
ہو جاؤں گا خفا یہ کسی اور سے کہو

اُلفت ذرا نہیں انھیں مانوں یہ کس طرح
قاصد نہ یہ سنا یہ کسی اور سے کہو

کس آرزو پہ ہم کہیں ہم کو تو یاد ہے
کہنا ۱ یہ آپ کا یہ کسی اور سے کہو

کہتے ہیں سن کے دوست بھی اب ہے یہ اپنا حال
بس بس سنا سنا یہ کسی اور سے کہو

آئے سہی ہوئی کوئی مطلب کی بات بھی
وعدہ وفا ہوا ، یہ کسی اور سے کہو

ہوں بدگمان میں ، نہ سہی بد مزاج تم
مجھ پر نہ ہو خفا یہ کسی اور سے کہو

مجھ کو جفا کی بھی نہیں اُمید آپ سے
تم اور کرو وفا یہ کسی اور سے کہو

نیند آئی ہے تو سو رہو کیوں اٹھ کے جاؤں میں
ہاں میں نے سن لیا یہ کسی اور سے کہو

---

۱ - ''کہنا آپ کا'' کے درمیان ''یہ'' کتابت سے رہ گیا ہے ؛ تصحیح قیاسی کی گئی ، ورنہ مصرع ساقط الوزن ہوجاتا ۔ (فائق)

ناصح بتوں کو چھوڑوں خدا کے لیے نہ کہہ
یہ مجھ سے کب ہوا، یہ کسی اور سے کہو
وصل صنم کی جب کبھی مانگی دعا نظام
آتی ہے یہ صدا یہ کسی اور سے کہو

(۲۱۶)

گلوں کی کھینچ کے عطار نے خراب کی بو
کہاں وہ اس کا پسینہ کہاں گلاب کی بو
وہ ہائے عطر ملے محرم حباب کی بو
نہ ہوگی ایسی کبھی غنچۂ گلاب کی بو
الٰہی خیر ہو، وہ آج بگڑے بیٹھے ہیں
ہر ایک بات میں آتی ہے کچھ عتاب کی بو
اسی سبب سے تو کھنچتا ہے عطر مٹی کا
بسی ہوئی ہے زمیں میں جو بوتراب کی بو
تمھارے جسم کو کیا عطر ملنے کی حاجت
پڑی مہکتی ہے خود عالم شباب کی بو
یہ کون رشک گل آکر نہایا دریا میں
کہ عطر فتنہ کی سی ہے ہر اک حباب کی بو
لپٹ کے وصل کی شب تم جو ساتھ سوئے تھے
بسی ہے جسم میں اب تک مرے جناب کی بو
ہزار زلف کی مانند پیچ کھا سنبل
کہاں سے لائے گی تو اس کے پیچ و تاب کی بو
جو سوز دل سے بھری میں نے آہ تو بولے
کہاں سے آتی ہے یہ سوختۂ کباب کی بو

بھلا وہ کیا کرے خوشبو ترے گلوں کی نسیم
لپٹ کے سونگھے جو اس شوخ بے حجاب کی بو
نظام آتی ہے اس منہ سے کیا دم بوسہ
وہ کچھ تو پان کی بو اور کچھ شراب کی بو

(۲۱۷)

رشک عدو کی تم کو شکایت ہی کیوں نہ ہو
مجھ کو تو شک ہے ، آپ کو نفرت ہی کیوں نہ ہو
یوں صاف تو نہ کہیے کہ ملنا نہیں مجھے
دل میں مری طرف سے کدورت ہی کیوں نہ ہو
اس کو بھی دیکھ لیتے ہیں کن حسرتوں سے ہم
تھوڑی سی جس میں اس کی شباہت ہی کیوں نہ ہو
ناصح میں سن چکا ہوں یہ تقریر لاکھ بار
کہنا کچھ آپ کو بھی، حماقت ہی کیوں نہ ہو
وہ آرزوئیں دل میں جو ہیں ایک عمر سے
اُن کو سنا تو دیکھیں ندامت ہی کیوں نہ ہو
ہم تو ستائے جاتے ہیں اپنے خیال سے
یوں روٹھنے کی آپ کی عادت ہی کیوں نہ ہو
قاصد کسی طرح تو وہاں لے تو چل مجھے
منظور، میری جان پہ آفت ہی کیوں نہ ہو
رشک عدو بھی گر ہے تو ہم کس طرح ملیں
ہر لحظہ رنج عشق کی شدت ہی کیوں نہ ہو
کچھ خو بری بھی اپنی ہے ، وہ کج ادا سہی
ہم کو شب وصال میں حسرت ہی کیوں نہ ہو

اب دل کا ضبط کیجیے کہاں تک کروں نظام
کہتا ہوں اُن کو آج شکایت ہی کیوں نہ ہو

(۲۱۸)

اس طرف کو تو اک نظر دیکھو
دل تپاں دیکھو، چشم تر دیکھو
نگہ خشم ہے یہ غیر پہ کیوں
کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو
ان جفاؤں پہ تم سے ملتا ہوں
مجھے دیکھو ، مرا جگر دیکھو
کس طرح آپ کو نہ دیکھوں میں
اپنے سینے پہ ہاتھ دھر دیکھو
کوئی ارمان دل کا رہ جائے
آپ سے جو بنے وہ کر دیکھو
زندہ ہوتے ہو تم ابھی صاحب
وہ یہ کہتے ہیں تم کہ مر دیکھو
آہ وہ ایسے خوف کھاتے ہیں
غیر کا اُن کو ایسا ڈر دیکھو
تیرے بیمار میں رہا کیا ہے
ہاتھ کو دیکھو، پاؤں ، سر دیکھو
اور قسمت کو آزمائے نظام
آج پھر اس طرف گزر دیکھو

(۲۱۹)

نامہ بر سچ کہو وہ کہتے تھے یاں آنے کو
یا یہ کہتا ہے یوں ہی تو مرے بہلانے کو

کی وہ رنجش میں لگاوٹ کہ ہوا اور ہی کچھ
جی تو ہوتا ہی تھا اس یار سے مل جانے کو

ہے یہی شکر کہ اتنا تو لحاظ ان کو ہوا
ہوئے دشمن سے خفا گو مرے دکھلانے کو

اس رکاوٹ کا سبب وصل میں پھر کیا ہے مگر
آگے دشمن کے رہے بات قسم کھانے کو

کیا کبھی آپ نے یہ پی نہیں آتا از بر (کذا)
لو مرے ہاتھ سے جھٹکو تو نہ پیمانے کو

تمہیں منصف ہو بھلا مجھ سے یہ ہوسکتا ہے
میں سمجھتا ہوں جو کچھ آپ کے فرمانے کو

رحم کی جا ہے اسے تو تو نہ کہہ کچھ ظالم
لوگ کیا کچھ نہیں کہتے ترے دیوانے کو

کیا کہا تم نے وہی مان لیا دیکھیے تو
اپنے کہنے کو اور اس میرے یقین لانے کو

آج ہنس ہنس کے جو تم پوچھتے ہو حال مرا
سن لیا آپ نے کس سے مرے افسانے کو

اس کے کوچے ہی میں پھر کیوں نہیں پڑ رہتے نظام
ابھی آئے ہو ابھی کہتے ہو پھر جانے کو

(۲۲۰)

تم سے دشمن کو گو شکایت ہو
کہیں ایسی ہماری قسمت ہو
دل دھڑکتا ہے واں تلک جاتے
پھر یہ کہتا ہوں ، ہو جو ذلت دو
پھر تو اُن سے کہوں میں کیا کیا کچھ
گر مری بات کی صداقت ہو
روٹھ کر میں اُٹھا ، تو بول اٹھے
پھر نہ آؤ کبھی جو غیرت ہو
اور بھی اس کا انتظار کرو
کوئی دم گر اجل سے مہلت ہو
بے سبب روٹھنے کا کیا باعث
کہیں اُن کی یوں ہی نہ عادت ہو
رشک دشمن کا پوچھتے ہو سبب
ابھی کہہ دوں تو ایک آفت ہو
پھر بھی آنا اُسی کے سر کی قسم
جس کسی سے تمھیں محبت ہو
دور سے تم کو بیٹھے دیکھیں گے
لو قسم اور کچھ جو منت ہو
کیوں ہے درپردہ رنج کی تقریر
صاف کہہ دو جو کچھ کدورت ہو
دیکھ ہی لیں گے ہم یہ[1] جو ہوگا
تمھیں کیا اس سے تم تو رخصت ہو

۱- یہ ؟۔ (فائق)

نہ سنے گر وہ تیرا حال نظام
یہ تو کہہ پھر کسے ندامت ہو

(۲۲۱)

ہم تو دیکھیں تمہیں چلون[۱] کو اٹھا کر دیکھو
شرم آتی ہے اگر آنکھ چرا کر دیکھو

یہ نہیں شرط وفا ہے کہ دل و دیں لے کر
نہ تکلم کرو اور سر نہ اٹھا کر دیکھو

ہوں بہت ہجر سے بے چین نہایت اے جاں!
بہ خدا رحم کرو، آنکھ اٹھا کر دیکھو

دل ہی لینا ہے جو منظور تو بے شک لے لو
دم کشتن تو بھلا آنسو بہا کر دیکھو

چند مدت تو جدائی سہی اب تو اک دم
منہ سے منہ، سینے سے سینہ تو ملا کر دیکھو

ابھی بیمار محبت کو شفا ہو جائے
لطف سے ایک نظر بھی جو تم آ کر دیکھو

سخت جاں ہوں نہیں مرتا میں اگر فرقت میں
مری گردن پہ چھری کو تو چلا کر دیکھو

ہے یہ آداب محبت سے نہایت برعکس
ہم سے اغماض کرو اس کو بلا کر دیکھو

۱- چلمن - (فائق)

(۲۲۲)

کسی کے دل میں محبت مری ہزار نہ ہو
کوئی ہزار کہے مجھ کو اعتبار نہ ہو
کسی طرح تو سنا دیتے سرگزشت اپنی
یہ فکر ہے وہ جفاؤں سے شرمسار نہ ہو
زباں پہ آہی گیا آج دل میں جو کچھ تھا
الٰہی اُس بت کافر کو اعتبار نہ ہو

(۲۲۳)

اے آہ اور ہو نہ ہو اتنا اثر تو ہو
درد جگر کی میرے اُسے بھی خبر تو ہو
ارمان دل میں آتے ہیں کیا کیا شب فراق
کہتا ہوں پھر جیوں تو کہیں اور[1] سحر تو ہو
پھر اس کا کیا جواب وہ جب یہ کہیں نظام
ہم شوق سے ملیں کوئی ایسا بشر تو ہو

۱- ''اور'' بر وزن ''فع'' (فائق)

ردیف ہ

(۲۲۴)

ایسے کو شب وصل لگائے کوئی کیا ہاتھ
ہر بار جھٹک کر جو کہے ٹوٹے ترا ہاتھ

یوں آپ کریں غیر کے شکوے مرے آگے
یہ آپ کے مضمون نیا آج لگا ہاتھ

اس بات کے ملنے کی بھی کچھ پائی گئی بات
قاصد ترے صدقے یہ اگر سچ ہے تو لا ہاتھ

یہ رشک ہے تو آپ ہے اب دل کو شکایت
ظالم مرے ملنے سے نہ تو ایسا اُٹھا ہاتھ

پھر میں تپش دل کی شکایت نہ کروں گا
رکھ دے مرے سینے پہ ذرا مہندی بھرا ہاتھ

اُس دست نگاریں کو ذرا میں نے چھوا تھا
کس ناز سے کہنے لگے اُف چھوڑ، گیا ہاتھ

ایسی نگہ یاس سے دیکھا تہہ خنجر
قاتل نے مجھے دیکھتے ہی روک لیا ہاتھ

کہتے تھے کہ اُف کیسا دھڑکتا ہے مرا دل
دیکھو مجھے میں نے بھی معاً رکھ ہی دیا ہاتھ

یوں مجھ کو نہ کھو ہاتھ سے پچھتائے گا پھر تو
ایذا مرے دبنے سے ترے آئے گا کیا ہاتھ

صاحب کی قسم کا مجھے کیوں کر نہ یقیں ہو
جب جھوٹ کہا کچھ تو مرے سر پہ دھرا ہاتھ

کوتاہیٔ قسمت کی بھی تاثیر تو دیکھو
کچھ وصل کی شب میں بھی ادھر کو نہ بڑھا ہاتھ

یوں دل بھی دھڑکتے کہیں دیکھا ہے کسی نے
رکھ دیکھیں بھلا آپ تو سینے پہ ذرا ہاتھ

اللہ نظام اس بت کافر پہ تو غش ہے
عیار زمانہ ہے وہ کب تیرے چڑھا ہاتھ

(۲۲۵)

تنگ آیا ہوں یا خدا توبہ
دل کا کہنا کروں میں یا توبہ

دل میں خواہش ہے ظاہرا توبہ
دل[1] کا کہنا کروں میں یا توبہ

مجھ سے اور[2] الفت بتاں چھوٹے
ایسی باتوں سے ناصحا توبہ

۱- مطلع اول کا مصرع ثانی مطلع ثانی کے مصرع دوم میں بجنسہ پایاجاتا ہے ؛ سہو کاتب معلوم ہوتا ہے ۔ (فائق)
۲- ''اور'' بروزن ''فع'' ۔ (فائق)

توبہ توبہ شراب دے ساقی
اب میں توبہ سے کرچکا توبہ

تو وہ بت ہے کہ دیکھتے ہی تجھے
لوگ کہتے ہیں یا خدا توبہ

تجھ سے میں عہد توڑنے کا نہیں
توڑ ڈالوں گا ساقیا توبہ

میری گستاخیوں پہ بولے نظام
تو بھی ہے کتنا بے حیا توبہ

(۲۲۶)

اب ہیں ہر بات پہ چراتے آنکھ
کس کا ملنا نہیں ملاتے آنکھ

یہ جفائیں نہ ہوتیں گر منظور
تجھ سے ظالم سے کیوں لگاتے آنکھ

ابر! دعویٰ ہو گر برسنے کا
ہم بھی رونے پہ آزماتے آنکھ

کیا بچائے وہ ہم سے بیٹھے ہیں
شرم سے وہ نہیں اٹھاتے آنکھ

نگہ لطف ہوتی گر منظور
تو نہ تم مجھ سے یوں لڑاتے آنکھ

اچھوں کا دیکھنا برا ہے نظام
اس سے بہتر تھا گر نہ پاتے آنکھ

(٢٢٧)

میرا خط لے کے وہ پوچھے اگر کچھ
نہ کہنا تو زبانی نامہ بر کچھ

ادھر ہیں آرزوئیں اپنی کیا کیا
نہ ہوگا دھیان بھی ان کو ادھر کچھ

مرا کچھ حال دل کہنا اور[1] اس کا
وہ کہنا چپکے ہی منہ پھیر کر کچھ

پکارا غیر کے دھوکے میں مجھ کو
دکھایا جذب الفت نے اثر کچھ

عدو سے ملتے[2] پر ایسے نہ ملتے
محبت ہم سے بھی ہوتی اگر کچھ

وہ کچھ بگڑے تو تھے سن کر مرا حال
رہے خاموش دل میں سوچ کر کچھ

اسی وعدے پہ شام غم ہے آساں
کہا تھا تم نے جو وقت سحر کچھ

تری عیاریاں پھر دیکھتے ہم
جو بس چلتا دل بے تاب پر کچھ

یہاں پر دل نہ لگنے کا سبب کیا
ہوا ہوگا وہاں دشمن کے گھر کچھ

مرض اپنا چھپاتا ہی سہی میں
تجھے بھی ہوش ہے اے چارہ گر کچھ

---

١ - ''اور'' بروزن ''فع'' - (فائق)

٢ - ''ملنے'' مطبوعہ نسخے (صفحہ ١٥٧) میں صحیح نہیں معلوم ہوتا ؛ ''ملتے'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

سحر ہوتے یہ باتیں کس لیے ہیں
نہ بولے آپ منہ سے رات بھر کچھ

وہاں سے آکے چپ ہے نامہ بر کیوں
مجھے کہہ لے کہا ہو تجھ کو گر کچھ

اگر آنے کا وعدہ بھی وہ کرتے
تسلی دل کو ہو جاتی مگر کچھ

وہ باتیں آپ کو کب ہوں گی اب یاد
کہا کرتے تھے ہم سے پیش تر کچھ

جو چپ رہتا ہوں تو پھٹتا ہے اب دل
یہ ڈر ہے منہ سے کہتا ہوں اگر کچھ

کہے سے بات ہوتی ہے پرائی
نہ سمجھے اپنے جی میں فتنہ گر کچھ

مجھے اور ا ان نگاہوں سے وہ دیکھیں
ہوا معلوم ، ہے مدنظر کچھ

چھپاتا ہے یہ کیوں کہہ صاف مجھ سے
کہا تو ہوگا اس نے نامہ بر کچھ

اب ان کا دم بھریں قدرت خدا کی
کہا کرتے تھے جن کے نام پر کچھ

ابھی کیا کہتے تھے ، کہتے ہو اب کیا
رہو قائم تم اپنی بات پر کچھ

یہاں کہتا ہوں کچھ میں ہائے قسمت
وہاں کہہ دیتے ہیں پیغام بر کچھ

---

۱ - ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

نظام ایسے ابھی شاداں نہ تھے ہم
خوشی کی دی کسی نے کیا خبر کچھ

کہاں[1] ہاں آج وہ عشرت کا ہے دن
کہ جز عشرت نہیں پیش نظر کچھ

یہ صاحب خسرو جمشید فر ہے
نہ چھوڑا عہد میں غم کا اثر کچھ

کیے پہلے ہی وہ انجام ہر کام
خدا نے عقل دی ہے اس قدر کچھ

بچایا اس نے ہے اہل جہاں کو
نہ تھا طوفان سے یہ شور و شر کچھ

یہ اس کے واسطے جو کچھ ہوا ہے
دعاؤں کا جہاں کی ہے اثر کچھ

۱- یہ قطعۂ مدحیہ جزو غزل نمبر ۲۲ معلوم ہوتا ہے۔ یا قصیدہ ہوگا، غزل نمبر ۲۲ کے اشعار تشبیب کے ہوں گے اور درمیان کے اشعار اور گریز کا شعر مرتب کو دستیاب نہ ہوئے ہوں گے۔ اس طرح ایک قصیدہ دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ ہوسکتا ہے کہ قصیدہ نواب کلب علی خاں والی ریاست رامپور (متوفی مارچ ۱۸۸۷ء) کی تخت نشینی (اپریل ۱۸۶۵ء) پر کہا گیا ہو یا نواب یوسف علی خاں کو ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں انگریزوں کی امداد کے صلے میں جو دیہات ملے اور خلعت اور خطاب (نومبر ۱۸۵۹ء) کے دربار آگرہ میں پایا، اس قصیدے کا تعلق اس جشن سے ہو۔ مگر اشعار میں خطاب کا ذکر نہیں اس لیے کلب علی خاں سے تعلق ہوگا۔ اس جگہ پر اس لیے رہنے دیا ہے کہ مرتب کی ترتیب قائم رہے۔
(فائق)

جسے ہو کچھ بھی اس کے لطف کا ناز
نیاز اس کو نہ ہو پھر عمر بھر کچھ

صدف ساں پھر گہر ہو دامن دشت
جو دریاے سخا ہو جوش پر کچھ

مبارک تجھ کو جشن و خلعت و ملک
نہ پہنچے ملک کو تیرے ضرر کچھ

شہ لندن کے تو ہو لطف سے خوش
مرے کھا کر عدوے حیلہ گر کچھ

رہے یوں ہی نظام ناظم دھر
فزوں ہو اور[1] نہ ہو نوع دگر کچھ

(۲۲۸)

انگڑائی[2] بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ھاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیے مسکرا کے ھاتھ

بے ساختہ نگاھیں جو آپس میں مل گئیں
کیا منہ پر اس نے رکھ لیے آنکھیں چرا کے ھاتھ

۱- ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

۲- قدرت مرتب کلیات نے جو اشعار ترتیب کلیات کے بعد دست یاب ہوے تھے انھیں آخر میں درج کر دیا تھا ؛ صفحہ ۲۷۰ پر یہ شعر بھی درج ھے :

دریاے حسن اور بھی دو ھاتھ بڑھ گیا
انگڑائی اس نے لی جو چمن میں بڑھا کے ھاتھ

مجھے یاد ہوتا ھے کہ میں نے مذکورہ بالا شعر کسی اور کے نام سے دیکھا ھے ؛ ''نظام'' کے مسودے میں بھی یہ شعر نہ ملا- (فائق)

یہ بھی نیا ستم ہے حنا تو لگائیں غیر
اورا اس کی داد چاہیں وہ مجھ کو دکھا کے ہاتھ

بے اختیار ہو کے جو میں پاؤں پر گرا
ٹھوڑی کے نیچے اس نے دھرا مسکرا کے ہاتھ

گر دل کو بس میں پائیں تو ناصح تری سنیں
اپنی تو مرگ و زیست ہے اس بے وفا کے ہاتھ

وہ زانوؤں میں سینہ چھپانا سمٹ کے ہائے
اور[۲] پھر سنبھالنا وہ دوپٹہ چھڑا کے ہاتھ

قاصد ترے بیاں سے دل ایسا ٹھہر گیا
گویا کسی نے رکھ دیا سینے پہ آ کے ہاتھ

اے دل، کچھ اور بات کی رغبت نہ دے مجھے
سننی پڑیں گی سیکڑوں اس کو لگا کے ہاتھ

وہ کچھ کسی کا کہہ کے ستانا سدا مجھے
وہ کھینچ لینا پردے سے اپنا دکھا کے ہاتھ

دیکھا جو کچھ رکا مجھے تو کس تپاک سے
گردن میں میری ڈال دیے آپ آ کے ہاتھ

پھر کیوں نہ چاک ہو، جو ہیں زور آزمائیاں
باندھوگے پھر دوپٹے سے اس بے خطا کے ہاتھ

کوچے سے تیرے اٹھیں تو پھر جائیں ہم کہاں
بیٹھے ہیں یاں تو دونوں جہاں سے اٹھا کے ہاتھ

پچھتانا پھر تو کیا ہی ندامت ہوئی انھیں
پنڈت سمجھ کے مجھ کو اور[۲] اپنا دکھا کے ہاتھ

۱، ۲- ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

دینا وہ اس کا ساغر ہے یاد ہے نظام
منہ پھیر کر اُدھر کو ادھر کو بڑھا کے ہاتھ

(۲۲۹)

لو لپٹو بھی دل کی تو وا کی گرہ
نہ کھلنے دو بند قبا کی گرہ

وہ چوٹی کی جوڑے کی بندش غضب
غضب باندھتے ہیں بنا کی گرہ

کبھی وہ نہ دل کھول کر کے ملے
بھلا کیا کھلے مدعا کی گرہ

گرہ یاد لانے کی تھی نیند میں
بھلے تم تو بھولے وہ کیا کی گرہ

مرے دل سے تم تو خبر ہی نہیں
لو کھولو تو زلف دوتا کی گرہ

ترے دل کی گھنڈی کھلے کیا صنم
یہ ڈالی ہوئی ہے خدا کی گرہ

ترے غم میں اک میں ہوں افسردہ دل
صبا نے بھی غنچوں کی وا کی گرہ

بھروسا نہیں زیست کا کچھ نظام
کہیں بھی بندھی ہے ہوا کی گرہ

۱- "اور" بر وزن "فع" - (فائق)

(۲۳۰)

ھاتی ھے زلف جنبش گردن کے ساتھ ساتھ
ناگن بھی ھے لگی ھوئی رھزن کے ساتھ ساتھ

کس کی کدورتوں سے یہ مٹی خراب ھے
کس کا غبار ھے ترے دامن کے ساتھ ساتھ

اٹھا تھا منہ چھپائے ھوئے میں ھی صبح کو
جاتا تھا میں ھی رات کو دشمن کے ساتھ ساتھ

کوچے میں اس صنم کے خدائی کا لطف ھے
ناحق پھرا میں شیخ و برھمن کے ساتھ ساتھ

دل کی تپش نے خاک اڑائی یہ بعد مرگ
لاشہ پھرا کیا مرا مدفن کے ساتھ ساتھ

اللہ اپنے رشک کا درجہ بھی اب نہیں
کس کس جگہ گیا بت پرفن کے ساتھ ساتھ

جھونکا قفس میں آیا جو بُو بہار کا
پہلو سے دل نکل چلا سن سن کے ساتھ ساتھ

اشکوں کے ساتھ ساتھ تو موجیں غموں کی ھیں
آنکھوں کے شعلے ھیں مرے شیون کے ساتھ ساتھ

جس راہ سے گزرتے ھیں وہ، مجھ سے سیکڑوں
ھو لیتے ھیں جنوں زدہ بن بن کے ساتھ ساتھ

زنجیر میرے پاؤں کے پیچھے پڑی ھے یوں
پھرتا ھے رشتہ جس طرح سوزن کے ساتھ ساتھ

کب تک کسی کو کھولیں کسی کو کریں وہ بند
پھرتی ھے یاں نگاہ تو روزن کے ساتھ ساتھ

یوں ساتھ روح کے ہے تن زار اب نظام
پھرتا ہے جیسے سایہ[1] مرا تن کے ساتھ ساتھ

(۲۳۱)

چھیڑ منظور ہے کیا عاشق دل گیر کے ساتھ
خط بھی آیا کبھی تو غیر کی تحریر کے ساتھ

گو کہ اقرار غلط تھا مگر اک تھی تسکین
اب تو انکار ہے کچھ اور ہی تقریر کے ساتھ

دور ایسے نہ کھچو پاس بھی آؤ گے کبھی
وہ گئے دن جو یہ نالے نہ تھے تاثیر کے ساتھ

پیچ قسمت کا ہو تو کیا کرے اس میں کوئی
دل کو وابستگی ہے زلف گرہ گیر کے ساتھ

وہ بھی کہتے ہوئے کچھ دور تک آئے پیچھے
ہم جو اس بزم سے نکلے بھی تو توقیر کے ساتھ

یہ بھی اک وصل کی صورت تھی مگر رشک نصیب
اس کی تصویر کھچی غیر کی تصویر کے ساتھ

وعدۂ صبح پہ اب کس کو یقیں ہو قاصد!
آج تو جان گئی نالۂ شب گیر کے ساتھ

کہو رنجش کا سبب کچھ نہیں ، میری ہی سنو
عذر تو چاہیے کرنا مجھے تقصیر کے ساتھ

آپ دیتے ہیں اذیت ہی شکایت کے عوض
کچھ زباں سے بھی تو فرمائیے تعزیر کے ساتھ

۱- "ساتھ" نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۶۰) میں غلط ، "سایہ" تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

دیکھیے مل ہی گیا آپ سے وہ شوخ نظام
کام جو کچھ کرے انسان سو تدبیر کے ساتھ

(۲۳۲)

کیا کہیے کیوں کہ نبھتی ہے اس کج ادا کے ساتھ
کرنی پڑی ہے دوستی اک بے وفا کے ساتھ

کس کس کی فکر کیجیے، کس کس کا ہو علاج
سو آفتیں لگیں ہیں دل مبتلا کے ساتھ

قاصد یہ سچ ہے ان کو تو منظور ہے بگاڑ
کہتا ہے کوئی بات تو تو بھی بنا کے ساتھ

پرسش بھی یوں ہی چاہیے تھی مجھ مریض کی
رنج اور دے چلے مجھے دشمن کو لا کے ساتھ

کس آرزو پہ کوئی یہ ہر دم کا غم سہے
کچھ لطف بھی تو چاہیے ظالم جفا کے ساتھ

امید وصل ہم کو چلی جاتی ہے وہی
انکار وہ تو کرتے ہیں پر کس ادا کے ساتھ

کیوں لطف میرے حال پہ ہے آج خیر ہے؟
جو بات آپ کی ہے سو اک مدعا کے ساتھ

کس کا ہے انتظار کہاں دھیان ہے لگا؟
کیوں چونک چونک جاتے ہو آواز پا کے ساتھ؟

اب آپ شوق سے ملیں دشمن سے کیا ہمیں
وہ باتیں سب گئیں دل حسرت فزا کے ساتھ

وہ بت جو اب ملے بھی تو ہم کیا ملیں نظام
اب لو لگی ہوئی ہے ہماری خدا کے ساتھ

(۲۳۳)

کہتے ہیں وہ لگا تو سہی ، اب کی بار ہاتھ
جاتا ہے واں اُدھر ہی کو بے اختیار ہاتھ

ایسا ابھی نہیں ہوں جو سمجھا ہے آپ نے
کیوں آپ دیکھتے ہیں مرا بار بار ہاتھ

ردیف ی ے

(۲۳۴)

صدمے یوں غیر پر نہیں آتے
تمھیں جور اس قدر نہیں آتے

پھر تسلی کی کون سی صورت
خواب میں بھی نظر نہیں آتے

آتے ہیں جب کہ نا امید ہوں ہم
کبھی وہ وعدے پر نہیں آتے

روز کے انتظار نے مارا
صاف کہہ دو اگر نہیں آتے

نہیں معلوم اس کا کیا باعث
روز کہتے ہیں ، پر نہیں آتے

اور تم کس کے گھر نہیں جاتے
ایک میرے ہی گھر نہیں آتے

ب تو ہے شہر آپ کا جانا
نہیں آئے اگر نہیں آئے

سچ ہے حیلے تمہیں کو آتے ہیں
اور تمہیں کس قدر نہیں آتے

تان کو میں کس طرح بھلاؤں نظام
یاد کس بات پر نہیں آئے

(۲۳۵)

خبر نہیں کئی دن سے وہ دق ہے یا خوش ہے
خوشی تبھی ہو نہ جب سن لوں دلربا خوش ہے

ذرا بھی بگڑے تو بگڑے زمانہ سب مجھ سے
خوشی ہے وہ، تو ہر اک دوست آشنا خوش ہے

نڈر ہوں جب سے کہ نیاز ہو کے میں گھر میں
ہر ایک غیر عداوت سے پھرتا کیا خوش ہے

مگر ہے اس کی عنایت تو غم نہیں کچھ بھی
وہ مجھ سے خوش رہے بس پھر تو دل مرا خوش ہے

میں ایک غم نہیں سو، جان پر اٹھا لوں گا
مرے ستانے سے کہہ دے کہ دل ترا خوش ہے

سبب تو کچھ نہیں معلوم ہائے کیا میں کروں
وہ آپ ہی آپ کئی دن سے مجھ سے ناخوش ہے

وہ بات کون سی ہے جو نہیں سمجھتے ہم
فریب دے کے ہمیں کیوں تو بے وفا خوش ہے

نظام کون سا دن ہو جو واں پہ جاؤں میں
کبھی وہ ہنس کے مزاج اب تو آپ کا خوش ہے

(۲۳۶)

عادت سے ان کی دل کو خوشی بھی ہے غم بھی ہے
یہ لطف ہے، ستم بھی ہے، عذر ستم بھی ہے

الفت مجھے جتاتے ہو دل میں بھی درد ہے
رونے کا منہ بناتے ہو آنکھوں میں نم بھی ہے

اس بت کا وصل تھا تو خدائی کا عیش تھا
یہ جانتے نہ تھے کہ زمانے میں غم بھی ہے

تسکین میرے دل کی اور[1] اس بے وفا کا قول
دل میں فریب بھی ہے، لبوں پر قسم بھی ہے

اب آؤ مل کے سو رہیں تکرار ہو چکی
آنکھوں میں نیند بھی ہے بہت رات کم بھی ہے

نومیدی بھی ہے وصل سے اس کے، امید بھی
کچھ درد دل بڑھا بھی ہے، کچھ رنج کم بھی ہے؟

یہ بات گر نہ ہو تو کرے کون حوصلہ
ملنا کسی کا سہل بھی ہے اور[2] الم بھی ہے

جاتا[3] ہے شک بھی کر گیا ہے وہم میں وہ شوخ
کوچے میں غیر ہی کے نشانِ قدم بھی ہے

۱۔ ''اور'' بر وزن ''فع''۔ (فائق)
۲۔ '' '' '' '' (فائق)
۳۔ مصرع اول میں الجھاؤ ہے، بات صاف نہیں ہوئی؛ اگر مصرع اس طرح پڑھیں تو ایک حد تک مفہوم واضح ہوجاتا ہے:
''ہوجاتا ہے شک بھی کہ گیا ہے وھیں وہ شوخ''
ممکن ہے کہ مصرع کی اور شکل ہو جو کتابت میں بگڑ گئی ہے۔ (فائق)

باہم تپاک بھی ہیں ، کبھی رنجشیں بھی ہیں
لطف و کرم بھی ہے ، کبھی جور و ستم بھی ہے

آ جائیں وہ مگر مجھے آتا نہیں یقین
قاصد کا جو ہے قول وہ خط میں رقم بھی ہے

بگڑے ہوئے ہیں آج خدا خیر ہی کرے
کچھ بل بھی ہے جبیں پہ کچھ ابرو پہ خم بھی ہے

مر جاتے ہم تو کب[1] کے اجل دیکھتی ہے تو
فرصت کسی کے غم سے ہمیں کوئی دم بھی ہے

کہنے کو دو مکاں ہیں ، مکیں تو ہے ایک ہی
بیت الصنم ہے جو وہی بیت الحرم بھی ہے

یوں کہہ کے بھول جانا یہ خو آپ ہی کی ہے
مجھ کو وہ یاد عہد بھی ہے وہ قسم بھی ہے

جب کچھ کہوں تو کہتے ہیں یہ پھر سنوں گا میں
پھر ایسا کوئی وقت بھی ہے کوئی دم بھی ہے

کیسا وصال و[2] ہجر اگر فہم ہے نظام
ہر حال میں جدا بھی ہے وہ اور بہم بھی ہے

۱۔ ''کہہ'' مطبوعہ نسخہ (صفحہ ۱۶۳) میں ہے۔ ''کب'' سے مطلب صاف ہو جاتا ہے۔ یہ تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)

۲۔ ''وصال ہجر'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۶۳)۔ واو عاطفہ ضروری تھا، سہو کتابت میں رہ گیا، اس لیے ''وصال و ہجر'' تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)

(۲۳۷)

جیتے جی دل سے یہ الفت کا مزا جاتا ہے
کہیں جاتا بھی ہے دل جب کہیں آ جاتا ہے

ہائے جس وقت خیال آپ کا آ جاتا ہے
کیا کہوں دل میں جو کچھ میرے سما جاتا ہے

دم مردن تو نہ تم چھوڑ کے جاؤ مجھ کو
جان جاتی ہے مری آپ کا کیا جاتا ہے

گو برائی ہے مرے واسطے ناصح پھر کیا
اب خیال اس کا مرے دل سے بھلا جاتا ہے

کچھ ہمیں رسم محبّت بھی تو معلوم نہیں
کیا یوں ہی ہوتا ہے جب دل کہیں آ جاتا ہے ؟

ہوچکے غیر کے تم ، میری تمھیں کیا پروا
ان جفاؤں پہ کہیں تم سے ملا جاتا ہے

حال کہنے کے بھی قابل نہیں اب تو اپنا
آپ پوچھیں بھی تو کب مجھ سے کہا جاتا ہے

اپنے مرنے پہ تو آتا نہیں افسوس مجھے
پر ترے ملنے کا افسوس رہا جاتا ہے

غیر کی یاد سوا اور اُسے یاد ہے کیا
ہم سے وعدہ بھی جو کرتا ہے بھلا جاتا ہے

دل میں کیا کیا مرے اس وقت خیال آتے ہیں
ہائے مت پوچھو جو وہ ہو کے خفا جاتا ہے

قول و اقرار ہی صاحب تو کیے جاتے ہیں
یاں مرا کام کوئی دم میں ہوا جاتا ہے

یہ تو فرماؤ کس امید پہ ، کس الفت پر
رشک دشمن بھی مری جان سہا جاتا ہے
حال دل کیسے کوئی ہائے چھپائے اپنا
باتوں باتوں میں تو عیار وہ پا جاتا ہے
نہیں معلوم کہ کیا رنج لگا مجھ کو **نظام**
دن بہ دن اور ہی کچھ حال ہوا جاتا ہے

(۲۳۸)

تسلیٔ دل مضطر کا احتمال تو ہے
کسی طرح ہو مرا آپ کو خیال تو ہے
ترے فراق میں مرنے کی آرزو ہے ہمیں
اگرچہ موت ہے پر نام کو وصال تو ہے
عجب نہیں کبھی اپنی جفا سے وہ گزرے
یہ شکر ہے مری ایذا سے انفعال تو ہے
سمجھ رہا ہوں میں اپنے خیال میں آساں
جو غور کیجیے تو ملنا ترا محال تو ہے
نہ جاؤ غیر کے گھر یوں ، یہ کہہ نہیں سکتے
برا نہ مانو ، یہ بد وضع ایسی چال تو ہے
دم اخیر ہے لے اب تو آ بت کافر !
نہیں تو جان مری پھر خدا کا مال تو ہے
بیان کچھ تو کریں آپ اس کا کیا باعث
مری طرف سے تمھیں آج کچھ ملال تو ہے
جواب آپ نہ دیں سن کے کچھ یہ بات ہے اور
ہماری خواہش دل لائق سوال تو ہے

نبٹ ہی جائیں گے کچھ تو یہ[1] شکر ہے یا رب
آدھر جواب تو ہے اور[2] ادھر سوال تو ہے

یہ خو ہے اُن کی تو نبھتی نظر نہیں آتی
یہ جانتا ہوں کہ پھر اُس کا یہ مآل تو ہے

چھپائیں آپ مگر خوب جانتے ہیں ہم
برا نہ مانیے کچھ آج اور حال تو ہے

نظام گو نہیں واں آتے جاتے برسوں سے
پر آج تک تمہیں اُس کا وہی خیال تو ہے

(۲۳۹)

حال قاصد سے بیاں ہوجائے
کاش میری سی زباں ہوجائے

جب طبیعت کو ہو ہر اس خلاف
کیوں نہ مجھ کو خفقاں ہوجائے

کس نے کوسا تھا خدایا مجھ کو
کہ تجھے عشق بتاں ہوجائے

جب بیاں کیجیے تدبیر کوئی
مشورہ اور وہاں ہوجائے

---

۱ - ''پہ'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۶۵) میں ہے ؛ معنی بلند نہیں ہوتے - کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے ؛ ''یہ'' سے معنی بلند ہو جاتے ہیں - تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

۲ - ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

کچھ اثر ہو کہ نہ ہو کس کو خیال
گوش زد اُس کے فغاں ہوجائے
اس لیے اور ہی تقریر سے[1] آج
اور ہی مجھ کو گماں ہوجائے

بھول جاؤں میں نہ کیوں کر سب کچھ
یاد جس دم وہ سماں ہوجائے
بات کہنا بھی تو ایسی کہنا
جس سے مجھ کو خلجاں ہوجائے

دل ناداں کی ہوس تو دیکھو
بس میں وہ آفت جاں ہوجائے
کہتے ہیں آپ سے ملیے پھر کیوں
کوئی رسوائے جہاں ہوجائے

دیکھ ہی لیں گے وہاں کی باتیں
دل تو کہنے میں یہاں ہوجائے
جب خیال آئے وہاں جانے کا
وہیں تو اشک رواں ہوجائے

کوئی ایسی بھی ہے تدبیر نظام
دوست وہ دشمن جاں ہوجائے

---

۱ - "ہے" ؟ (فائق)

(۲۴۰)

شب تو وہ' یاں سے روٹھ کے گھر جا کے سو رہے
ہم تنگ آ کے جان سے کچھ کھا کے سو رہے

پہلے تو کچھ وہ آتے ہی شرما کے سو رہے
پھر لطف اُٹھے جو ہم انھیں چونکا کے سو رہے

کیا میں شب وصال میں گھڑیاں گنا کروں
کروٹ بدل کے کیوں مجھے چونکا کے سو رہے

اپنی کہی ، نہ میری سنی ، شام ہی سے وہ
سینہ چھپا کے ھاتھوں سے ، شرما کے سو رہے

کچھ میری جاں کنی کا نہ آیا تمھیں خیال
مجھ کو نہ ساتھ سونے کو فرما کے ، سو رہے

ہم بیٹھے آنکھیں دیکھتے ہیں ، منہ کو تکتے ہیں
باتوں میں وہ تو ٹال کے ، بہلا کے ، سو رہے

مجھ کو اُٹھا کے نیچی نگاھوں سے دیکھ کر
کچھ دل میں سوچ سوچ کے پچھتا کے سو رہے

اُن سے شب وصال میں حجت جو بڑھ گئی
کچھ' دل میں سوچ سوچ کے پچھتا کے سو رہے

---

۱ - وہ تو ؟ (فائق)

۲ - اس سے پہلے شعر کا مصرع ثانی بھی یہی ہے ؛ معلوم ہوتا ہے کہ نظام نے غزل کہتے وقت جو رطب و یابس اشعار کہے تھے وہ مرتب کلیات (قدرت) نے بجنسہ شامل کردیے ہیں ۔ میں نے اصل مسودہ ''دیوان نظام'' کا دیکھا ہے ؛ بہت سے اشعار جو ''نظام'' نے قلم زد کر دیے تھے وہ بھی مطبوعہ کلیات (۱۸۹۸ ع) میں قدرت نے شامل کردیے ہیں۔ اس لیے کلام میں بلندی اور پستی نظر آتی ہے ۔ (فائق)

ہم کیوں بتائیں ہم نے بھی کی۱ صبح جس طرح
شب تم تو جاگنے کی قسم کھا کے سو رہے

اے بخت خفتہ! اتنی ہی تاثیر تو دکھا
اس کی گلی میں پاؤں مرا جا کے سو رہے

تا صبح مجھ کو مارے خوشی کے نہ آئی نیند
اک ایسی بات وہ مجھے سمجھا کے سو رہے

اے دل! یہ کیا ہوا، تری باتوں نے کیا کیا
منہ پھیر کے اُدھر کو، وہ تنگ آ کے سو رہے

سوتوں میں جان ڈال کے انگڑائیاں نہ لو
جاگے ہوئے ہو شب کے جو یاں آ کے سو رہے

اک دم کو چونکو شوق سے پھر سوؤ صبح تک
اس بات کو زبان ہی پر لا کے سو رہے

یہ چھیڑ دیکھو میرے نہ سونے کے واسطے
انداز اک نیا مجھے دکھلا کے سو رہے

امیدؔ خواب میں بھی نہ یوں دیکھنے کی تھی
جس پیار سے وہ شب مجھے لپٹا کے سو رہے

چھوڑا ہے میں نے رات نہ گھر جانے کو انھیں
جب کچھ نہ بس چلا تو وہ جھنجھلا کے سو رہے

میں سونے دوں گا آپ کو کب چین سے بھلا
ہے یہ تو خوب تم مجھے بہلا کے سو رہے

اچھا میں پاؤں دابوں پہ تم جاگتے رہو
یوں کون مانے ہے مجھے بہلا کے سو رہے

۱- مصرع ساقط الوزن تھا، "کی" تصحیح قیاسی ہے۔ (ناشر)

کیا سونے جاگنے کا نہیں ہم کو امتیاز
کروٹ بدل کے آپ جو بھلا کے سو رہے

ہے کون سی وہ شب جو سحر تک نہ جاگے ہم
کس دن نہ آپ غیر کے گھر جا کے سو رہے

ہے بخت خفتہ اور۱ شب تنہائی اور ہم
جاگیں نصیب ساتھ جو وہ آ کے سو رہے

منظور تھا گھٹانا جو عشرت کی رات کا
چوٹی وہ اپنی مجھ سے ہی بندھوا کے سو رہے

فرقت کی شب میں جاگنے سے فائدہ نظام
بہتر ہے اس سے گر کوئی کچھ کھا کے سو رہے

(۲۴۱)

تکلیف روز سہنی شب انتظار کی
یہ ساری خوبیاں ہیں مرے اعتبار کی

اللہ اپنے ظلم پہ یہ ناز ہے انھیں
عزت بڑھائی جاتی ہے میرے مزار کی

یہ ظلم ، جب کہ جور میں آیا مزا ہمیں
اس بے وفا نے طرز وفا اختیار کی

بے اختیار لب پہ مرے شکوہ آ گیا
کیا کیجے کوئی بات نہیں اختیار کی

کہتے ہیں ایک بار خوشی دل کی ہو گئی
کیوں اُن سے خواہش اپنی بیاں بار بار کی

---

۱ - ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

سینے پہ لوٹتا ہے مرے گل عذار کے
قسمت تو دیکھنا کوئی پھولوں کے ہار کی

پھر کیا سبب کہ ہم سے کسی کو نہیں ہے رشک
اعدا کو بھی خبر ہے ترے جھوٹے پیار کی

سچ ہے کہ ایک بات ہو تو کوئی مان لے
کیا کیا ہنسی ہوئی[1] گلۂ بے شمار کی

اِنکار بھول جائیں کبھی آپ کیا عجب
بر آئے آرزو کسی امیدوار کی

دل کو تو دل سے راہ ہے مشہور ہے یہ بات
کچھ بھی خبر ہے تم کو کسی بے قرار کی

قسمت! شب وصال بھی محروم ہم رہے
مانی نہ اُس نے ایک بھی منت ہزار کی

اچھا اِدھر نہ دیکھنے کا حیلہ ہوگیا
شوخی تو دیکھنا نگہ شرمسار کی

ہر رات وصل کی یوں ہی کہتے گزر گئی
تسکین آج ہوگی دل بے قرار کی

یاد آئیں گے ستم اُنھیں ہوگا کبھی حصول (کذا)
گر داستاں سنیں گے مرے حال زار کی

آئینہ دیکھ دیکھ کے مجھ کو نہ دیکھیے
کیوں آرزو بڑھاتے ہو بوس و کنار کی

---

(۱) "ہوئی ہے" نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۶۸) میں ہے۔ "ہے" سے مصرع ساقط الوزن ہوجاتا ہے؛ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، اس لیے حذف کیا گیا؛ تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)

رک جانا باتوں باتوں میں یہ لطف دیکھیے
اور[1] دیکھنا بھی پھر مجھے نظروں سے پیار کی

میں نے سنی ہے کس کی جو میری کوئی سنے
تکلیف کس کے آگے کہوں ہجر یار کی

وعدے تو آپ کے چلے جائیں گے حشر تک
اُمید کس کو زندگی مستعار کی

کل کس نے دیکھی ہے یہ فسانے سنو نظام
زاہد کو آج فکر ہے روز شمار کی

(۲۴۲)

دم مرِدن بھی[2] وہ گر ہوجائے
لطف سے کیا ہی بسر ہوجائے

اتنی تکلیف نہ گزرے مجھ پر
اُس سے کچھ ربط ہی گر ہوجائے

دل ہوا خانۂ عشاق تو کیا
دل ہی اُس شوخ کا گھر ہوجائے

---

۱ - ''اور'' بر وزن ''فع''— (فائق)
۲ - مطلع کا مصرع اول مطبوعہ نسخے (صفحہ ۱۶۸) میں اس طرح ہے :

''دم مرِدن بھی جو وہ ہو جائے''

ظاہر ہے کہ قافیہ نہیں اور ردیف ہے ؛ ''جو وہ'' کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے اس لیے ''جو'' کو حذف کرکے ''وہ گر'' بنایا - اس تصحیح قیاسی سے ''گر'' قافیہ ، ردیف ''ہوجائے'' سے مربوط ہوجاتا ہے - (فائق)

کچھ خدا جانے کہ تو کیا کچھ ہے
تجھ سے ممکن ہے بشر ہو جائے

کبھی مل جائے وہ مجھ سے شاید
کچھ محبت کا اثر ہو جائے

طعن و تشنیع سے ناصح چھوٹوں
کہیں ایماں کا ضرر ہو جائے

کچھ ہمیں تو نہیں امید نظام
یوں شب غم کی سحر ہو جائے

(۲۴۳)

کیوں ناصحا اُدھر کو نہ منہ کر کے سوئیے
دل تو کہے ہے ساتھ ہی دلبر کے سوئیے

گھبرا کے اُس کا کہنا' وہ ہائے شب وصال
بس بس ذرا اب آپ تو ہٹ کر کے سوئیے

میں آپ سے خفا ہوں کہ تم روٹھے ہو پڑے
بہتان میرے سر پہ نہ یوں دھر کے سوئیے

سوتے ہی ہی جو دیکھیے تو چونک ہی اُٹھے
کس طرح ساتھ ایسے ستم گر کے سوئیے

تم لطف نشہ دیکھو ذرا تم کو دیکھیں ہم
کیا لطف ہے کہ اپنے ہی ساغر کے سوئیے

---

۱ - ''کہنا وہ ہائے'' نسخۂ مطبوعہ کلیات نظام (ص ۱۶۹) میں تعقید پیدا کرتا ہے جب کہ ''ہائے وہ کہنا'' سے یہ عیب دور ہو جاتا ہے - شاید کتابت کا سہو ہو - (فائق)

مشہور ہے کہ سولی پہ بھی نیند آتی ہے
یا رب شب فراق میں کیوں کر کے سوئیے
تکیہ تو آپ سر کے تلے روز رکھتے ہیں
اب ہاتھ میرے رکھ کے تلے سر کے سوئیے
وہ مسکرا رہے ہو، لو وہ آنکھ کھل گئی
یوں کون مانتا ہے کہ جگ کر کے سوئیے
پاس عدو تو دیکھو ہمیں حکم ہے نظام
شب کو کہیں نہ پاس مرے گھر کے سوئیے

(۲۴۴)

حالت ہے بری اب تو خدایا مرے دل کی
کس روز بر آئے گی تمنا مرے دل
کیا دل میں ترے آئی جو یوں پھر گیا ایسا
ظالم تو خبر کچھ نہیں لیتا مرے دل کی
اُن کو وہ ہر اک بات پہ ضد ہے کہ نہ پوچھو
میں کیا کہوں ہیں خواہشیں کیا کیا مرے دل کی
بس جاؤ نہ پوچھو دم رخصت مرا کچھ حال
تم اپنی خوشی کیجے تمھیں کیا مرے دل کی
یہ حال مرے دل کا ہو تیرے لیے افسوس
اور[1] تجھ کو خبر ہوئے نہ اصلا مرے دل کی
بے تم سے ملے رہ نہیں سکتا ہے مرا دل
تدبیر بتاؤ تمھیں اچھا مرے دل کی

---

۱ - ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

قاصد تجھے کیا حال دل زار بتاؤں
کیا اُن سے حقیقت تو کہے گا مرے دل کی
میں کیا کروں الفت ہے مرے دل کو تو تم سے
یہ سچ ہے تمھیں کچھ نہیں پروا مرے دل کی
اس آپ کی رنجش پہ بھی کیا کیا ہے تمنا
سن لیں تو کبھی آپ تمنا مرے دل کی
آرام نہ پایا کبھی بیماریٔ دل سے
ہے ساتھ مری جان کے ایذا مرے دل کی
دل دے کے نظام ایسے سہے غم کہ نہ کچھ پوچھ
افسوس وہ کچھ قدر نہ سمجھا مرے دل کی

(۲۴۵)

پھر تم تو آج پھر گئے قول و قرار سے
اب کیا کہے کوئی دل امید وار سے
قاصد یہ کہنا میرے تغافل شعار سے
وعدہ بھی کچھ کیا ہے کسی بے قرار سے
افسوس اُس سے شوخ کو دینا ہی تھا نہ دل
کیا کیجے بات جاتی رہی اختیار سے
حیرت اُمید لب پہ ہو کیا اس سے فائدہ
آتی ہے بوے یاس دل داغ دار سے
کہتے تھے تم جو دوستو سمجھے تھے ہم یہی
دیکھا ہی اُس نے تھا نگہ شرم سار سے
کہتا ہے حال غیر کا کیا ہو کے خشم گیں
تدبیر پوچھتا ہوں میں جس دوست دار سے

اب ایسے دور کھچتے ہو وہ دن بھی یاد ہیں
ملتے تھے آپ کیسی لگاوٹ سے پیار سے

کہتے ہیں وہ جواب ہو اک بات کا تو دوں
کیا منفعل ہوں میں گلۂ بے شمار سے

کیوں آپ پوچھتے ہیں کہ کیوں غیر سے ہے رشک
کچھ فائدہ بھی تذکرۂ بار بار سے

ہر دم کا انتظار بھی اک موت ہے نظام
آ جائے موت بھی کہیں اس انتظار سے

(۲۴۶)

گئے ہیں جب سے وہ اٹھ کے یاں سے ہے حال باہر مرا بیاں سے
کہے کوئی اتنا جان جاں سے ملو، نہیں تو گیا میں جاں سے

جو کچھ گزرتا ہے میرے دل پر سناؤں کس کو وہ ہائے دلبر
خدا کرے پھر وہ دن میسر کہوں میں اپنی ہی سب زباں سے

کبھی خفا ہو کے بات کرنا، کبھی وہ کہہ کہہ کے پھر مکرنا
پھر الٹا بہتان مجھ پہ دھرنا، یہ طرز تم نے لیا کہاں سے

کبھی ترے غم میں مجھ کو رونا کبھی پھر آپہی[1] ہے چپکے ہونا
جو یاد آتا ہے ساتھ سونا تو رات کٹتی ہے کس فغاں سے

۱- ''آپ ہی'' صحیح ہے لیکن پڑھنے میں ''آپہی'' آتا ہے، اس لیے ''آپ ہی'' کو ''آپہی'' بنا دیا گیا ہے، ورنہ مصرع ساقط الوزن ہوجاتا - (فائق)

گھڑی گھڑی ہجر کی ہے بھاری دکھائے صورت خدا تمہاری
سنوں وہ باتیں پیاری پیاری عجب ادا سے عجب بیاں سے

ترا خفا ہو کے روٹھ جانا وہ سنتوں سے مرا منانا
وہ اپنی اپنی سی کچھ سنانا وہ باتیں بھی آپ دل ستاں سے

عجب ہی دشمن سے دوستی کی کہ شکل اب ہے یہ زندگی کی
لبوں پہ ہچکی ہے جاں کنی کی پڑے ہیں بےہوش نیم جاں سے

کہا کچھ اس نے یہاں کسی سے یہ بات قاصد نہیں ہنسی سے
گماں ہوتا ہے اور ہی سے ترے اُلجھتے ہوئے بیاں سے

نظام کیوں تو نے اُس کو چاہا یہ دل میں کیا تھی جو دل لگایا
جو دیوے توفیق کچھ بھی مولا تو اب نہ ملنا کبھی بتاں سے

(۲۴۷)

کیوں کہتے ہو کہ میری وہ عادت نہیں رہی
سچ ہے مجھی کو آپ کی اُلفت نہیں رہی

تسکیں کو میری کہتے ہیں دشمن کو کہہ کے کچھ
لو اب تو تم کو جائے شکایت نہیں رہی

اے دوستو! مجھے تو نہ پھر لے چلو وہاں
محفل میں اُن کی میری وہ عزت نہیں رہی

دشمن تو تھے ہی وہ بھی خفا ہم سے ہوگئے
اب اُن سے ملنے کی کوئی صورت نہیں رہی

کہتے ہیں وہ کہ آپ کو پھر کیوں ہے رشک غیر
گر کہیے اب زمانے میں الفت نہیں رہی

جی چاہے آپ کا ملو، جی چاہے رک رہو
ہم کو بھی پہلی سی وہ محبت نہیں رہی

کچھ اپنا حال کہنے سے صاحب سے فائدہ
کس دن مجھی کو آئی ندامت نہیں رہی

میں جانتا ہوں آپ کے ایسے تپاک کو
کہہ دو نہ صاف دل میں محبت نہیں رہی

اب کیا ملیں کسی سے، کہاں جائیں ہم نظام
ہم وہ نہیں رہے، وہ محبت نہیں رہی

(۲۴۸)

ہو کے بس انسان حیران سر پکڑ کر بیٹھ جائے
کیا بن آئے اس گھڑی جب وہ بگڑ کر بیٹھ جائے

تو وہ آفت ہے کوئی تجھ سے اٹھا سکتا ہے دل
دیکھ لے کوئی جو تجھ کو دل پکڑ کر بیٹھ جائے

وصل میں بھی اس سے کہہ سکتا نہیں کچھ خوف سے
دور کھچ کر پاس سے میرے نہ مڑ کر بیٹھ جائے

دوستو میری نہیں تقصیر دل دینے میں کچھ
دل وہ لے کر ہی اٹھے جب پاس اڑ کر بیٹھ جائے

اس خوشامد سے مرا کچھ مدعا ہی اور ہے
چاہتے ہو تم یہ میرے پاؤں پڑ کر بیٹھ جائے

اس کا بل کھا کر وہ آٹھنا پاس سے میرے غضب
اور[1] اک آفت ہے جو وہ کھچ کر، اکڑ کر بیٹھ جائے

مفت لے لیتے ہیں دل عاشق سے اپنے وہ نظام
لا کہ پھر مانگے کوئی تھک کر، جھگڑ کر بیٹھ جائے

(۲۴۹)

منظور ہو ہماری ہی خاطر کہیں تجھے
یوں ہی سہی کہ غیر کی الفت نہیں تجھے

کہتے ہیں وہ مجھے کہ مرض کچھ نہیں تجھے
اے مرگ! اب تک آئی نہ تو آفریں تجھے

کرتا تھا تو تو ترک ملاقات ہم سے روز
لے چھوڑ بیٹھے آج سے ظالم ہمیں تجھے

کوشش یہ اس لیے ہے کہ تسکین دل ہو کچھ
یہ تو میں جانتا ہوں کہ ملنا نہیں تجھے

یہ غیر ہی ہیں، کہتے ہیں تجھ سے ہر ایک بات[2]
ہم اپنا حال کہہ کے کریں کیوں غمیں تجھے

خوبی مرے نصیب کی قاصد برا نہ مان
گویا کہیں مجھے وہ جو باتیں کہیں تجھے

۱- ''اور'' بر وزن ''فع'' (فائق)

۲- ''باب'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۷۳)میں ہے؛ مطلب واضح نہیں ہوتا؛ ''بات'' تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)

وہ غیر سے بگڑ کے بھی بیٹھیں تو رنج ہو
کیا ہوگیا ہے اے دل شک آفریں تجھے

کچھ کچھ جو وعدے وصل کی شب کے دلائے یاد
بولے یہ باتیں یاد سبھی رہ گئیں تجھے

یہ لطف ہے کہ جھوٹی محبّت جتا کے وہ
پھر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آیا یقیں تجھے

کہتا تھا روز تو انھیں الفت تجھی سے ہے
کیا ہوگیا ہے آج یہ اے ہم نشیں تجھے

تو دیکھ تو کہ میرے بھی کیا دل کی لاگ ہے
قاصد میں واں کا حال بتا دوں یہیں تجھے

میں کیا کروں کہ دل ہے مرا بد گماں بہت
یہ جانتا ہوں غیر سے الفت نہیں تجھے

کہتے ہیں ہاں میں کیوں نہ کروں گا وفائے عہد
اک یہ بھی کہہ دے دیکھ کے اندوہ گیں تجھے

دیکھیں گے[1] غیر پر تو یہ عیّاریاں چلیں
نادان مل گئے ہیں اک ایسے ہمیں تجھے

کچھ کہہ تو کیسا حال ہے ، کیا فکر ہے نظام
دو چار دن سے دیکھتے ہیں کچھ غمیں تجھے

۱- "دیکھیں غیر" نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۷۳) میں ہے ؛ مصرع ناموزوں ہوجاتا ہے ؛ "دیکھیں گے غیر" سے مصرع موزوں ہوجاتا ہے ۔ "گے" کا اضافہ تصحیح قیاسی ہے (فائق)

(۲۵۰)

وصل میں بھی یار کا لب پر مرے شکوا تو ہے
دل نہیں ملتا ہے اُس کا گو کہ یوں ملتا تو ہے

مجھ سے کہتے ہو کہ ملنا چھوڑ دے اس شوخ کا
دوستو! کیا کہتے ہو تم نے اُسے دیکھا تو ہے

دوستو! تصویر ہی لا دو مجھے اُس شوخ کی
دل اسی صورت بہل جائے مرا اچھا تو ہے

اب خدا جانے کہ قاصد واں سے کیا لائے جواب
جو جو کچھ مجھ پر گزرتا ہے وہ سب دیکھا تو ہے

ہو سکے اے دل! تو اُس کا دیکھنا ہی چھوڑ دے
رات، دن کا تو نے ملنا ہی غرض چھوڑا تو ہے

جیسے آتا تھا کبھی اب ویسے آتا ہے کہاں
گاھے گاھے یوں ہمارے پاس وہ آتا تو ہے

ایک دن بھی چین سے ہم پر نہ گزرا اے نظام
وصل میں بھی دل کو فرقت کا لگا کھٹکا تو ہے

(۲۵۱)

کہتے ہو آفت اور کسی سے نہیں مجھے
بس کچھ کہیں نہ آپ یوں ہی ہے یقیں مجھے

کیسا میں اس کی جھوٹی لگاوٹ میں آ گیا
دل دے کے کیسی آفتیں سہنی پڑیں مجھے

رشک عدو اٹھا کے میں آیا ابھی تو ہوں
اے اضطراب! رہنے دے بس اس یہیں مجھے

اس تیرے ذکر نے تو کلیجا پکا دیا
کچھ اور بات بھی تو سنا ہم نشیں مجھے
رشک عدو تو قہر ہے ، کیوں کر کوئی سہے
ملتے نہیں وہ مجھ سے غم اس کا نہیں مجھے
کہتے ہیں واں کے جانے سے اب تک رہا نظام
گو یوں ہوا ہو اس سے نہیں یہ یقیں مجھے

(۲۵۲)

اس قدر آپ کا عتاب رہے
دل کو میرے نہ اضطراب رہے
نہ ہٹی آن سے پیار کی میزان
ہاں مگر رنج بے حساب رہے
یوں شب وصل کا ہے عالم یاد
جیسے برسوں کی یاد خواب رہے
حال دل سن کے بول[۱] اٹھا قاصد
یاد کس کو یہ سب کتاب رہے
منتظر ہوں کسی کے آنے کا
کس کی آنکھوں میں آکے خواب رہے
صبح کے اس حجاب نے مارا
رات بھر ایسے بے حجاب رہے
غیر کا منہ اور آپ سے باتیں
ایسی باتوں سے اجتناب رہے

۱۔ ''یوں'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۷۳) میں ہے ؛ مطلب نہیں کھلتا ؛ ''بول'' تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)

ہم بھی مر کر عذاب سے چھوٹے
آپ بھی داخل ثواب رہے
ہائے وہ دن خدا نہ لائے یاد
ہم سے روٹھے جو کچھ جناب رہے
بحر ہستی سے کوچ ہے در پیش
یاد منصوبۂ حباب رہے
ایک دم کا یہاں توقف ہے
خیمہ بے چوب ، بے طناب رہے
کچھ نہ بن آئی اس کے آگے نظام
دو ہی باتوں میں لاجواب رہے

(۲۵۳)

کہتے ہو صبح دم بھی نہ چھیڑو بس اب مجھے
کیا کیا فریب دیتے رہے ساری شب مجھے
پھر بھی تم آؤ گے یہ یقیں آئے کب مجھے
اس دم تو آپ چھوڑ چلے جاں بہ لب مجھے
اس دن کا سا فریب نہ دو بس بس اب مجھے
بھولا نہیں میں ، یاد وہ باتیں ہیں سب مجھے
یاں آرزو ہے یہ کہ کسی طرح جائیں واں
ان کو یہ کب خیال بلاتے ہیں کب مجھے
گر ہو دعا قبول بھی ہجراں نصیب ہوں
ہے وصل میں حیا انھیں ، پاس ادب مجھے
اللہ یہ نصیب مرے تھے یہ کب امید
وہ اپنے پاس اس طرح کرلیں طلب مجھے

دیتا نہیں ہوں دخل کسی بات میں کبھی
پھر بزم سے اٹھاتے ہو کیوں بے سبب مجھے
مل جاؤ مجھ سے آپ ہی کہتا یہ کون ہے
پھر کیوں خفا ہو یہ تو بتاؤ سبب مجھے
ناصح کہیں کے جانے سے توبہ سہی مری
پھر کیا کروں میں آئے کوئی یاد جب مجھے
کس آرزو پہ پھر کوئی جور و ستم سہے
امید ہی نہیں ترے ملنے کی جب مجھے
گو روٹھ جاؤں آج تو کہنا ہے حال دل
آتا ہے پھر تمہارے منانے کا ڈھب مجھے
لا ڈالتے ہیں غیر کا بھی ذکر ہر طرح
وہ چھیڑتے ہیں وصل کی شب میں غضب مجھے
گو ہیں وہ پاس ، دل پہ ہیں کس کس طرح کے غم
بزم عزا سے کم نہیں بزم طرب مجھے
تم کب نکالو غیر کو اور[1] میرے ذکر پر
گو یوں ہوا ہو آپ سے پر ہے عجب مجھے
کہنے کی بات ہو تو کسی سے کہوں نظام
کیا کیا خیال آتے ہیں ہجراں کی شب مجھے

۱۔ ''اور'' بر وزن ''فع'' ۔ (فائق)

(۲۵۴)

آرزو تھی کہ کوئی دل کی تمنا نکلے
سو ہمیں نکلے ترے گھر سے ، نہ اعدا نکلے

غیر ہی کرتے ہیں بدنام تمھیں ، ہم تو وہ ہیں
مر رہیں گھٹ گھٹ کے نہ منہ سے کبھوں نالا نکلے

کوئی بھی ملنے کی تدبیر نہیں[1] بن برق
کس طرح کام دل اُس بت سے خدایا نکلے

یوں ہی مرتا ہوں اب آؤ تو ، ذرا دیکھو تو
روز کہتے تھے کہ جا تیرا جنازا نکلے

ہم کو تو آپ کے آنے کی اب امید نہیں
کہیے کچھ خیر ہے جو آپ ادھر آ نکلے

شب وصل اُن کو حیا ، رعب اُدھر ، دل میں یہ سوچ
بے حجابی کا کسی طرح طریقا نکلے

نامہ بر اپنی طرف سے تو کچھ اُن سے کہنا
میری جانب سے نہ کچھ اُس میں اشارا نکلے

غیر کی یاد اُنھیں رشک یہاں مانع عیش
شب عشرت میں بھی کیا دل کی تمنا نکلے

اب وہ ہم ہی نہیں وہ دل کی تمنا ہی نہیں
کام دل اُن سے جو نکلے تو بھلا کیا نکلے

۱- ”نہیں برق“ نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۷۶) میں ہے ؛ مصرع ناموزوں ہے ؛ ”نہیں بن برق“ سے مصرع مکمل ہوجاتا ہے - لفظ ”بن“ کتابت میں رہ گیا ہے ، اس لیے تصحیح قیاسی کی گئی - (فائق)

شکر ہر حال میں ہے یہ بھی خدائی تیری
یا خدا ! غیر تو واں بیٹھے ، یہ بندا نکلے
گو وہ اب ضد پہ ہے پر یاد رہے یہ قاصد
کیا عجب ہے کبھی بھولے سے ادھر آ نکلے
ہائے خود رفتگی اپنی کہ جو نکلے گھر سے
گر کہیں اور تھے جانے کو ، ادھر آ نکلے
شادیٔ وصل سے ہوجاؤں نہ میں شادیٔ مرگ
جان نکلے بھی تو یا رب ! شب وعدا[1] نکلے
اب یہ حالت ہے کہ کہتے ہیں احبا میرے
ہم چھٹیں غم سے کہیں جلد دم اس کا نکلے
کیوں چھپاتے ہو نظام اب تو سمجھ ہی گئے ہم
آپ بھی اُس بت عیار کے شیدا نکلے

(۲۵۵)

آپ نے کیوں مرے ملنے کی قسم کھائی ہے ؟
میرے ہی ملنے میں کیا آپ کی رسوائی ہے ؟
اُس کا کہنا وہ شب وصل غضب ہائے رے ہائے
چھیڑ سوجھی ہے تجھے اور[2] مجھے نیند آئی ہے

۱- ''شب وعدہ'' اضافت صحیح ہے ، لیکن قافیے کی صورت میں ''وعدہ'' الف سے لکھا گیا ہے اور یہ معائب سخن میں شمار ہوتا ہے ۔ (فائق)

۲- ''اور'' بر وزن ''فع'' (فائق)

میں ہی کیوں تم سے ملا ، مجھ سے ہی تقصیر ہوئی
کیوں نہ بگڑو یوں ہی اب آپ کی بن آئی ہے

ایک لطف آپ کا ہے لاکھ ستم کی تمہید
کس نے یہ طرز جفا آپ کو سکھلائی ہے ؟

کل کے وعدے پہ تمھیں آج تو ہم چھوڑ چکے
اب بھلا ہم میں کہاں تاب شکیبائی ہے

کیا عجب دل میں کبھی رحم بھی اُس کے آ جائے
حال دل سن کے ذرا آنکھ تو بھر آئی ہے

کبھی تو عہد کا کچھ اُس کے یقیں آتا ہے
کبھی کہتا ہوں کہ وہ شوخ تو ہرجائی ہے

اپنی بدنامی کے باعث سے ملا چاہتے ہیں
میری رسوائی اُنھیں وضع پہ کچھ لائی ہے

وہ صنم جس کو خدا کا بھی ذرا پاس نہیں
اللہ اللہ ! طبیعت بھی کہاں آئی ہے

کہیے پھر فکر ہے ۔ کیا کس لیے ہو چپ ایسے ؟
کچھ نہ کچھ بات تو اس دم تمھیں یاد آئی ہے

دل مضطر کو یقیں کیوں نہیں آتا یا رب !
اُن سے تو ملنے کی احباب نے ٹھہرائی ہے

مر کے چھٹ جائیں تب ہجر سے یہ بھی معلوم
اس ستم گر کو تو دعوائے مسیحائی ہے

میری واسوخت کے اشعار عدو سے سن کر
مجھ سے کہتے ہیں کہ یہ آپ کی دانائی ہے

کیا تمنائے دل اُس شوخ سے کہیے جو کہے
پھر وہی کہتے ہو سو بار سزا پائی ہے

وہ گئے دن کہ ہمیں ملتے تھے اُس سے اب تو
ہم ہیں اور[1] رشک ہے اور[2] گوشۂ تنہائی ہے

کہتے ہیں ہائے میں کیوں کرتا تھا وعدہ تم[3] سے
ہر گھڑی تجھ کو یہی ذکر ہے سودائی ہے

منہ دکھاتا ہے کبھی تجھ کو خدا کو بھی نظام
کیوں در بت کدہ پر ایسی جبیں سائی ہے

(۲۵۶)

یوں ہم کو کسی بات کا شکوا تو نہیں ہے
پر غیر سے ملنا ترا اچھا تو نہیں ہے

لپٹا کے شب وصل وہ اُس شوخ کا کہنا
کچھ اور ہوس اس سے زیادا تو نہیں ہے

کرتا ہوں تسلّی دل بے تاب کی کیا کیا
پھر آپ سے کہتا ہوں یہ ہوتا تو نہیں ہے

تکلیف سہی خوف کسے واعظ ناداں
کچھ روز قیامت شب[4] وعدا تو نہیں ہے

۱، ۲ - ''اور'' بر وزن ''فع'' (فائق)

۳ - پہلے مصرع میں ''تم سے'' اور دوسرے مصرع میں ''تجھ کو'' شتر گربہ ہے - (فائق)

۴ - ''شب وعدہ'' ''شب یلدا'' (حاشیہ صفحہ ۱۷۷ - ''کلیات نظام'') - شب وعدہ کی ہائے ہوز بہ حالت اضافت الف سے تبدیل نہیں ہوسکتی - اضافت نہ ہوتی تو ''وعدہ'' کا قافیہ اچھا ہوسکتا ہے - اسے معائب سخن میں شمار کیا گیا ہے - (فائق)

یہ خو ہے، یہ عادت ہے تو دشمن سے نبھے کب
مجھ کو گلۂ رنجش بے جا تو نہیں ہے

پھر باتیں تمھاری میں سنوں حضرت ناصح!
یہ کہہ دو کہ تم نے اسے دیکھا تو نہیں ہے؟

دشمن سے جو ملتے ہو، غم اس کا ہی غضب ہے
ملتے نہیں تم مجھ سے، غم اس کا تو نہیں ہے

پھر کیوں نہ کہوں صاف جو کچھ ہے مرے جی میں
آخر ترے ملنے کی تمنّا تو نہیں ہے

ہم خوف سے کچھ کہہ نہیں سکتے ہیں ستم گر!
دشمن سے ترا ربط گوارا تو نہیں ہے

گو رنج کسی بات کا ہے آپ سے ہم کو
پھر[1] آپ سے شکوہ کریں اتنا تو نہیں ہے

یہ سچ ہے کہ ہم روٹھ کے کیا بیٹھ سکیں گے
پر اب ترے ملنے کا ارادا تو نہیں ہے

کہتے ہیں شب وصل بھی، اللہ ری شوخی
دل ملنے کو تجھ سے مرا ہوتا تو نہیں ہے

آنے کو اگر کہتے ہو گر آؤ تو جانیں
سچ کہہ دو یہ وعدہ کہیں دھوکا تو نہیں ہے

کیا دل کی حقیقت کہوں، سب تم پہ ہے ظاہر
کچھ تم سے کسی بات کا پردا تو نہیں ہے

---

۱ - ''پھر'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۲۸) میں؛ ''پر'' زیادہ مطلب خیز ہے۔ (فائق)

ایسا تو نظام اُس کی طرف سے نہ گماں رکھ
تو جیسا سمجھتا ہے وہ ایسا تو نہیں ہے

(۲۵۷)

محروم مجھ کو یاں سے نہ ایسا اُٹھائیے
کچھ جھوٹ سچ تو دے کے دلاسا، اُٹھائیے
کب تک رہیں گی روز کی وعدہ خلافیاں
کب تک شبِ فراق کی ایذا اُٹھائیے
قسمت سے آ گیا ہوں یہاں پر یہ کب نصیب
مجھ کو نہ اس گلی سے احبّا اُٹھائیے
اظہارِ رشکِ غیر سے ہے فائدہ یہی
اُلٹی ندامتیں دم شکوا[1] اُٹھائیے
میں جانتا ہوں آپ کے جو پاس آئے گا
اُس کو بلائیے، مجھے اچھا اُٹھائیے
ناصح! کسی کے دل کی بھلا تجھ کو کیا خبر
دل کس کا لائیے جو دل اپنا اُٹھائیے
رک رک کے مر ہی جائیں کسی سے کہیں نہ کچھ
احسان اپنی جان پہ کس کا اُٹھائیے
انصاف کا وہ روز قیامت کو آئے گا
کب تک بتوں کے ظلم خدایا اُٹھائیے

۱۔ ''دم شکوہ'' صحیح ہے، لیکن ہائے ہوز سے الف کو قافیے کی پابندی کی وجہ سے تبدیل کرنا معائب سخن میں داخل ہے۔ (فائق)

کچھ بولے لطف بھی تو ہو ظالم عتاب میں
کس آرزو پہ رنجش بے جا اٹھائیے
کہتے تھے روز تجھ کو اٹھا لے خدا کہیں
اب آپھی[1] آ کے میرا جنازا اٹھائیے
برخاست کیوں سناتے ہو سب اہل بزم کو
کس واسطے مجھی[2] کو نہ تنہا اٹھائیے
رنجش میں کیا ہے لطف جو سامان عیش ہو
اب سامنے سے ساغر و مینا اٹھائیے
بیمار سن کے بھی نہ وہ آئے ہزار حیف!
اب اور سوچ کو کوئی حیلہ اٹھائیے
اٹھ جانا ان کا سہل ہے دشمن کے پاس سے
امید زندگی شب[3] وعدا اٹھائیے
بیٹھے بٹھائے دل کو کوئی غم لگائے کیوں
اب دل لگا کے آفتیں صدھا اٹھائیے
دانتوں سے کٹ کٹ کے دینے عدو کو پان
اچھا ہمارے قتل پہ بیڑا اٹھائیے
بس وقت میں ہی تم سے خفا ہو کے اٹھ گیا
بیٹھے رہو، نہ مفت کا جھگڑا اٹھائیے

---

۱ - ''آپ ہی'' (''کیات نظام'' صفحہ ۱۷۸) بہ لحاظ تلفظ ''آپھی'' لکھا گیا - (فائق)

۲ - ''مجھ ہی'' (''کیات نظام'' مطبوعہ صفحہ ۱۷۸) بہ لحاظ تلفظ ''مجھی'' لکھا گیا - (فائق)

۳ - ''شب وعدہ'' بہ حالت اضافت ہائے ہوز کی تبدیلی قافیے میں الف سے جائز نہیں - (فائق)

بیماریٔ بلا (کذا) ہوں میں گزرا علاج سے
کس کا دماغ ناز اطبّا اٹھائیے

ثابت کوئی خطا بھی ہے ، تقصیر کچھ بھی ہے ؟
کب تک تمھارے ہجر میں ایذا اٹھائیے

وہ روٹھ بیٹھیں غیر سے یہ کب ہوا نظام
اپنے ہی دل سے اس کی تمنا اٹھائیے

(۲۵۸)

آج کہتے ہو مدعا کہیے
اس تغافل کو کہیے کیا کہیے

اپنی قسمت سے جو ہوا سو ہوا
آنھیں کس منہ سے بے وفا کہیے

رشک دشمن سے تم بُرا مانو
میرا کیا جرم ہے بھلا کہیے ؟

انتہا میں رکاوٹیں کیا خوب
آپ ہی حال ابتدا کہیے

تم کو معلوم کچھ نہ ہو تو کہوں
کیا سبب اپنے رنج کا کہیے

لوگ کیوں پوچھتے ہیں میرا حال ؟
کس سے دل کا معاملا کہیے ؟

آپ کے آگے بے وفا ہوں میں
غیر سے حال تو مرا کہیے

تم کو ملنا تو مجھ سے ہے منظور
پھر ہو کس واسطے خفا ، کہیے ؟

نامہ بر کیا کہے گا تو اُن سے ؟
تجھ سے کیا اپنا ماجرا کہیے
میں سمجھتا ہوں ایسی باتوں کو
اس تسلی کو غم فزا کہیے
ایک یہ جھوٹ اور سو ایسے
ایک وعدہ ، ہزار ہا کہیے
روٹھ تو آئے ہو وہاں سے نظام
اب ارادہ ہے دل میں کیا ، کہیے !

(۲۵۹)

یہ کیا وہ چلتے وقت سنا کر چلے گئے
جانا ہے آج ہم کو کہیں گر چلے گئے
بزم بتاں میں پہنچے کب اے شیخ ! ہر کوئی
کعبہ نہیں کہ چومنے پتھر چلے گئے
برگشتہ بخت یہ کہ کب آئے ہیں نعش پر
آتے ہی اذن عام وہ سن کر چلے گئے
یاں ربط غیر کے ، تو وہاں رشک غیر کے
شکوے ہمارے اُن کے برابر چلے گئے
وہ روٹھ کر اُٹھے تو شرارت یہ دیکھنا
انداز اک غضب کا دکھا کر چلے گئے
شب اتنی آئی، شام کا وعدہ تھا ، کیا سبب ؟
شاید پھر آج غیر کے وہ گھر چلے گئے
اُس سے بگڑ کے بیٹھیے ، یہ کس سے ہو سکے
ہم بے بلائے آپ ہی اکثر چلے گئے

کہنا تو حال سہل ہے، مشکل یہ ہوگی پھر
جب روٹھ کر وہ اے دل مضطر! چلے گئے
اب کوئی آئے، رشک کسے، کچھ غرض بھی ہو
جب ہم تری گلی سے ستم گر چلے گئے
کچھ رشک شادی وصل میں، کچھ گریۂ فراق
آنسو ہماری آنکھ سے شب بھر چلے گئے
کوئی نہ سہہ سکے گا وہ ایذائیں الاماں!
حیراں ہوں دن فراق کے کیوں کر چلے گئے
اُس کان تک نہ پہنچے کبھی، اس کو کیا کہیں
وہ نالے بارہا جو فلک پر چلے گئے
اب دل لگی کی کون سی صورت ہے یاں نظام
جو آشنا تھے شہر کے باہر چلے گئے

(۲۶۰)

تم ہوگئے کچھ اور، نہ کچھ اور ہم ہوئے
کچھ تو سبب ہوا ہے کہ وہ ربط کم ہوئے
کرنا وصال ہی میں تھیں اُن کی شکایتیں
اب کیا کہوں کہ ہجر میں جو کچھ ستم ہوئے
یاں کوئی ایسی بات نہیں، پھر سبب ہے کچھ
کیا یاد آ گیا تمھیں، کیوں محو غم ہوئے
برگشتگیٔ بخت، جو کچھ مجھ سے عہد تھے
سنتا ہوں اب وہ غیر سے قول و قسم ہوئے
گو ایسی عادتوں کو کہے اور کوئی ظلم
کہتا ہوں میں تو مجھ پہ یہ لطف و کرم ہوئے

میں سن چکا ہوں آپ کا بھی حرفِ مدعا
چھپ چھپ کے ہم سے غیر کو نامے رقم ہوئے
میں نے بھی حال کہنے میں اپنے کمی نہ کی
کیا کیا خفا وہ وصل کی شب دم بہ دم ہوئے
دیکھا رکا سا مجھ کو تو بولے سنا کے یوں
اللہ ! ہم سے روٹھے کوئی ، ایسے ہم ہوئے
جز اُس گلی کے دل کہیں لگتا نہیں نظامؔ
سو بار ہم تو ساکنِ دیر و حرم ہوئے

(۲٦۱)

حیلے آنے میں تھے کیے کیسے
جانے دوں قول بے لیے کیسے
تم نہ ہم سے ملے تو خیر سہی
طعنے اغیار نے دیے کیسے
خواب میں بھی نہ ہو جو وصل نصیب
کوئی پھر ہجر میں جیے کیسے
گر یوں ہی ہے تو واں نہ بولیں گے
اپنی آنکھیں کوئی سیے کیسے
یاں یہ کچھ ضبط ، واں وہ کچھ کھچنا
عرضِ حال اُن سے کیجیے کیسے
وہ زمانہ بھی یاد ہے تم کو
ربط موقوف کر دیے کیسے
پھر کہا اس طرح کہ مان گئے
قول اس کا نہ مانیے کیسے

اپنا یہ حال آپ کا وہ حال
پھر ملیں تم سے دیکھیے کیسے
الٹے نادم ہوئے نظام ہمیں
عذر اس شوخ نے کیے کیسے

(۲۶۲)

مجھ پہ یہ کچھ جو[1] اذیت ہوگی
غیر کو تم سے ندامت ہوگی
دم رخصت ہے یہی حال مرا
شب ہجراں تو قیامت ہوگی
میں بھی سمجھوں یوں ہی کچھ یہ بھی ضرور
غیر سے تم کو نہ الفت ہوگی
اور کیا آپ کہیں گے مجھ سے
ہاں کوئی میری شکایت ہوگی
لطف دشنام بھی ہم کیا جانیں
یہ بھی دشمن ہی کی قسمت ہو گی
یہ نہ کہتے تو نہ آتا کیا میں
پھر نہ آؤ گے جو غیرت ہوگی
غیر مر کر بھی ستائے گا ہمیں
اس کے کوچے میں جو تربت ہو گی
روٹھنا تو تمھیں خوب آتا ہے
کوئی ملنے کی بھی صورت ہو گی

۱۔ ''جو یہ'' ؟ ۔ (فائق)

دیکھو ایسا نہیں ملنا اچھا
غیر کی میری سی حالت ہو گی
رشک دشمن کا گلہ کیا ہے نظام
سب سہیں گے جو محبت ہو گی

(۲۶۳)

ذبح کر مجھ کو بت بے پیر اپنے ہاتھ سے
پھیر گردن پر مری شمشیر اپنے ہاتھ سے
ہر گھڑی جاجا کے نظروں میں سبک ان کی ہوئے
آپ کھوئی ہم نے واں توقیر اپنے ہاتھ سے
ہاتھ رکھتے ہی یہ عالم ہے کسی کی ران پر
جیسے مچھلی پکڑے ماہی گیر اپنے ہاتھ سے
ہاتھ اپنے چوم کر خود ہو گیا تصویر سا
کھینچ کر مانی تری تصویر اپنے ہاتھ سے
ڈر ہے اے قاصد کہیں اس جرم پر کاٹیں نہ ہاتھ
کیا انہیں نامہ کروں تحریر اپنے ہاتھ سے
کس کشاکش میں ہوں دل تو کھینچے ہے اپنی طرف
اور[۱] ادھر وہ[۲] کھینچتے ہیں تیر اپنے ہاتھ سے
غیر کا کیا منہ ہے جو کچھ بات بھی مجھ کو کہے
آپ کا مجرم ہوں دو تعزیر اپنے ہاتھ سے

۱- ''اور'' بروزن ''فعِ'' - (فائق)
۲- ''توہ'' مطبوعہ نسخہ (صفحہ ۱۸۳) میں غلط ہے ''وہ'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

ہوں وہ بد قسمت کہ جب قسمت مری لکھی نظامؔ
رو دیا لکھ کر منشیٔ تقدیر اپنے ہاتھ سے

(۲۶۴)

ہم جذب دل سے گر تمھیں اک بار کھینچتے
تم یوں نہ دور آپ کو زنہار کھینچتے
اس در پہ میں موا تو کہا میرے باب میں
لے جاؤ نعش کو سر بازار کھینچتے
کہتے ہیں تجھ کو رشک عبث ہر کسی سے ہے
کیا در کے آگے ہم کوئی دیوار کھینچتے
کچھ بھی اثر نہ ہوتا یہ کہنے کی بات ہے
گر درد دل سے آہ شرر بار کھینچتے
قطع امید پر بھی جفائیں تری سہیں
ایسی مصیبتیں تو نہ اغیار کھینچتے
منظور مدعا ہی ہمارا کچھ اور ہے
دل کی کشش سے ہم تمھیں سو بار کھینچتے
تم اور ایسے کھنچ رہو اغیار سے بھلا
میری طرح وہ ہجر کے آزار کھینچتے
زندہ نہ پاتے آپ ہمیں اور کیا کہوں
دن اور بھی جو ہجر کے دو چار کھینچتے
شوق شہادت اپنا یہاں کام کر چکا
یہ دیر گزری آپ کو تلوار کھینچتے
اس بزم تک نظامؔ رسائی کہاں ہمیں
ہاں آہیں واں کھڑے پس دیوار کھینچتے

(۲۶۵)

کسی پر راز دل اپنا عیاں کیجے تو کیا کیجے
یہ کہنے کی حقیقت ہے بیاں کیجے تو کیا کیجے

جو جاؤں تو خفا ہوں اور[1] نہ جاؤں دل نہیں رہتا
وہاں کیجے تو کیا کیجے، یہاں کیجے تو کیا کیجے

جو شب کو اس کے آنے کی ہے ٹھہری دن نہیں ٹلتا
کجی پر ہم سے ہے اب آسماں کیجے تو کیا کیجے

میں کیا کچھ حال دل کہنے کو تھا پر کیا کروں اس دم
نہیں چلتی ترے آگے زباں، کیجے تو کیا کیجے

خدا کے سامنے بھی ہوں بری، یہ بھی نہ ہوں راضی
بھلا اے دوستو عشق بتاں کیجے تو کیا کیجے

ذرا بھی حال دل سن لے تو کچھ تو مہرباں ہو جائے
نہیں سنتا وہ میری داستاں، کیجے تو کیا کیجے

سنایا درد غم بھی، حال دل بھی، کہہ دیا سب کچھ
نہیں ہوتا وہ مجھ پر مہرباں، کیجے تو کیا کیجے

وہاں سنتا ہوں پھر بگڑے وہ بھکانے سے غیروں کے
مجھے کچھ بن نہیں آتی، بیاں کیجے تو کیا کیجے

نظام اب اس کی فرقت میں ہمیں جینا بھی مشکل ہے
جو کچھ دل پر گزرتی ہے بیاں کیجے تو کیا کیجے

۱۔ ''اور'' بر وزن ''فع''۔فائق

(۲۶۶)

میری ہی سی قاصد تو کہے جا مرے آگے
کچھ اور کہا ہو تو نہ کہنا مرے آگے

کیا کیا نہ تمہیں کہتے تھے اعدا مرے آگے
جو کہتے تھے اعدا وہی آیا مرے آگے

ہاں پھر اُسی انداز سے کہنا مرے آگے
توقیر تمہاری نہیں اصلا مرے آگے

اُلفت نہ سہی، تم کو عداوت سہی سب سے
پھر کس لیے مذکور کسی کا مرے آگے

سب کچھ تو ہے نادان بھی سمجھیں ہیں وہ ایسا
ہر بات میں ہے غیر کا شکوا مرے آگے

مشکل تو یہ ہے مجھ کو بھی ملنا نہیں منظور
آساں نہیں کیا آپ کا ملنا مرے آگے

بیماریٔ ہجراں سے یہ حالت ہے مری اب
سب کوستے ہیں مجھ کو احبا مرے آگے

گر ایسے بھی ہوتے تو نہ دیتے کبھی ہم دل
تم ہی کہو دشمن تھے تم اچھا مرے آگے

میں نے شب ہجراں کی اٹھائی ہے مصیبت
اک روز قیامت بھی ہے چرچا مرے آگے

اے دوستو! واں پر لیے جاتے تو ہو مجھ کو
پر اُس سے مرا حال نہ کہنا مرے آگے

معلوم نہیں اس سے ہے منظور اُسے کیا
ہر[۱] بات میں ہے غیر کا شکوا مرے آگے

۱- شعر ۵ اور ۱۱ کا مصرع ثانی ایک ہی ہے - (فائق)

کیا کہیے نظام اس گھڑی جی چاہتا ہے کیا
آ جاتے ہیں جب وہ کبھی تنہا مرے آگے

(۲٦۷)

کیا کہیں ہم غم میں تیرے کس قدر رویا کیے
سچ تو یوں ہے ، آہیں بھر بھر عمر بھر رویا کیے
خوب تم وعدے پہ آئے ، خوب تڑپایا ہمیں
تم رہے خوش اپنے گھر ، ہم اپنے گھر رویا کیے
اُف رے صدمہ درد فرقت کا ، پھٹا جاتا ہے دل
ضبط بھی ہم نے کیا ہر چند پر رویا کیے
وصل میں بھی اپنی آنکھوں سے تھما آنسو نہیں
حال دل کہہ کہہ کے اُس سے رات بھر رویا کیے
تو وہاں آرام سے ہے ، کچھ تجھے پروا نہیں
یاں تری ہم یاد میں اے فتنہ‌گر رویا کیے
کوچۂ جاناں میں جب جانے نہ پائے ہائے ہم
دور ہی سے دیکھ وہ دیوار و در رویا کیے
ایک دن بھی آپ نے آ کر ہمیں دیکھا نہیں
منہ لپیٹے اپنا ہم ، دو دو پہر رویا کیے
شام سے تا صبح یوں ہی صبح سے پھر تابہ شام
ہم تو دوری میں تری آٹھوں پہر رویا کیے
وائے بے رحمی تری کچھ بات تک پوچھی نہیں
پہروں ہم رکھے ہوئے قدموں پہ سر رویا کیے
ہائے رونے پر مرے کہنا کسی کا اے نظام
میرا کیا کچھ کر لیا ، صاحب اگر رویا کیے

(٢٦٨)

کہتے ہو کہ اب حال ترا اور ہی کچھ ہے
سب کچھ تو ہے یہ ظلم نیا اور ہی کچھ ہے

کچھ دھیان میں نیند آئی کسی کی نہ ملامت
کیا کہیے محبت کا مزا اور ہی کچھ ہے

قاصد تری باتوں سے تسلی نہیں ہوتی
کہتا ہے تو کچھ، اس نے کہا اور ہی کچھ ہے

یہ دھج، یہ لگاوٹ، یہ بناوٹ، یہ کرشمہ
جب دیکھیے وہ محو ادا اور ہی کچھ ہے

ہم کہتے نہیں غیر سے، تم چھوڑ دو ملنا
اس شکوے سے مطلب تو مرا اور ہی کچھ ہے

جادو بھری تقریر تری ایک ہے آفت
انداز ترا ہوش‌ربا اور ہی کچھ ہے

رنجش میں بھی کچھ اور مزا ہے تری ظالم!
ملنے میں ترے گرچہ مزا اور ہی کچھ ہے

ہم جانتے ہیں اس سے جو منظور ہے تجھ کو
یہ ظلم ترا لطف ربا اور ہی کچھ ہے

قاصد تری باتوں کا ہے کچھ اور ہی مفہوم
اور ان کا لکھا رشک فزا اور ہی کچھ ہے

کچھ عہد دغا[1] سے نہ کیا ہوگا کسی نے
یوں ہی سہی، پر ہم نے سنا اور ہی کچھ ہے

---

١ - ''عہدو سے'' نسخہ مطبوعہ (صفحہ ١٨٦) میں ہے؛ واو یا دال کے بعد حرف طباعت میں اڑ گئے ہیں - ''دغا'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

یوں مجھ سے تو بے وجہ نہ تم ایسے بگڑتے
باعث کوئی رنجش کا ہوا اور ہی کچھ ہے
کہتا ہے یہ کون آپ کے دشمن کے نہیں دوست
اس شکوے سے مطلب تو مرا اور ہی کچھ ہے
کب اپنی خوشی تھی کہ نظام اس سے بگڑ جاؤ
کیا کیجیے منظور خدا اور ہی کچھ ہے

(۲۶۹)

کچھ تو ستائے جاتے ہیں اس جان جاں سے بھی
کچھ تنگ آگئے ہیں دل بدگماں سے بھی
کہتے ہو بار بار نہ الفت جتا ہمیں
کیا یہ بھی کہلواتے ہو میری زباں سے بھی
کیا کچھ گیا یہاں سے تو کہہ سن کے نامہ بر
لایا پیام میرے سے تو کچھ وہاں سے بھی
یا رب بہ روز حشر مری سن کے داستاں
کچھ پوچھنا تو اس بت نا مہرباں سے بھی
تنگ آ کے میرے شکووں سے کہتے ہیں کیا کروں
یا رب! نہ واسطہ ہو کسی بدگماں سے بھی
صدمے ترے ستم کے اٹھائیں گے جان پر
اتنی تو ہے امید دل ناتواں سے بھی
قاصد یہی کہو کہ وہ کہنے کو کچھ تو تھے
تسکین دل کو ہوتی ہے اتنے بیاں سے بھی
قسمت کہ اس صنم کے تو پہنچے نہ کان تک
وہ نالہ لب پہ تھا کہ گیا آسماں سے بھی

یہ غم تو وصل میں بھی مرے دل کے ساتھ ہے
رکھتا ہوں میں عزیز اسے اپنی جاں سے بھی
ملنے کی اس کے اور ہی تدبیر ہے نظام
مطلب کہیں بر آتا ہے آہ و فغاں سے بھی

(۲۷۰)

پھر نہ کہنا کہ مجھے تم نے کہیں دیکھا ہے
سوچ تو جی میں کئی بار وہیں دیکھا ہے
ہوگئی ہے دل بے تاب کو گرچہ تسکیں
سوچیے ٹک[1] کہ اسے میں نے نہیں دیکھا ہے
گر کوئی پوچھے مجھے ، آپ اسے جانتے ہیں
ہو کے انجان وہ کہتے ہیں کہیں دیکھا ہے
یہ خدا کیا کہوں آتے مجھے کیا کیا ہیں خیال
آج اس بت کو جو کچھ میں نے حزیں دیکھا ہے
لوگ سب کہتے ہیں چھپ چھپ کے مرے رونے پر
کیوں چھپاتا ہے کوئی پردہ نشیں دیکھا ہے
کہہ دو انصاف سے دیکھا ہے کبھی خوش بھی ہمیں
غیر کو تو کبھی کہہ دو کہ غمیں دیکھا ہے
کیا وہاں بھی نہ سنی جائے گی فریاد مری
ایسا انصاف تو بندے نے نہیں دیکھا ہے

۱۔ ''ٹک'' قدیم متروکات میں سے ہے لیکن بعض متاخرین شعرا نے استعمال کیا ہے ۔ (فائق)

حال کچھ غیر ہے ، گفتار ہے کچھ اور نظام
کون غارت گر جاں آفت دیں دیکھا ہے؟

(۲۷۱)

واں پر تو احبا مجھے جانے نہیں دیتے
یاں پر انھیں دشمن مرے آنے نہیں دیتے

چل سکتا ہے اس بزم میں کب کوئی بہانہ
آنسو بھی تو وہ مجھ کو بہانے نہیں دیتے

کب تک کروں بیماری الفت سے میں پرہیز
کیوں زہر اطبا مجھے کھانے نہیں دیتے

کچھ سوچ کے رک جاتے ہیں، لگ چلنے پہ میرے
وہ ربط کسی طرح بڑھانے نہیں دیتے

تو ہم کو سدا داغ غم ہجر کھلاوے
ہم غم بھی ترا غیر کو کھانے نہیں دیتے

یہ جانتے ہو رحم ہی آ جائے گا مجھ پر
اس واسطے تم حال سنانے نہیں دیتے

سونے نہیں دیتا مجھے تو شوق محبت
وہ سوتے ہیں اور مجھ کو جگانے نہیں دیتے

ہر بات پر ہر لحظہ نظام آتے ہیں وہ یاد
یاد اپنی مرے دل سے بھلانے نہیں دیتے

(۲۷۲)

جو جاں آکے لب پر کبھو[1] رہ گئی ہے
تو اس دم بھی کیا آرزو رہ گئی ہے
گیا دل تو ہجراں کے صدمے اٹھا کر
اری جاں! کس دن کو تو رہ گئی ہے
ابھی تو[2] ہے آیا تو خاموش ہوجا
ابھی کچھ مجھے گفتگو رہ گئی ہے
جو کچھ حال دل ہے مرا، کیا کہوں میں
زباں ہی ترے رو بہ رو رہ گئی ہے
وہ ہنسنا کہاں اور کہاں قہقہے وہ
نصیبوں کی اک ہائے[3] ہو رہ گئی ہے
دم نزع ہے آکہ[4] کہہ گزروں تجھ سے
مرے دل میں جو آرزو رہ گئی ہے

---

۱ - نظام متاخریں میں شامل ہیں "کبھو" کا قافیہ باندھنے پر مجبور نہ تھے لیکن اساتذۂ دھلی کی تقلید میں "کبھو" بجائے کبھی بے تکلف استعمال کر گئے ہیں - (فائق)

۲ - "ابھی تو" کے بعد ایک لفظ طباعت سے رہ گیا ہے ؛ کیا لفظ تھا اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے، البتہ مصرع اول کی یہ صورت بامعنی ہوسکتی ہے اور اس تصحیح سے یہ شعر، بعد کے شعر سے مل کر قطعہ بند ہوجاتا ہے :
"ابھی تو ہے آیا تو خاموش ہو جا" (فائق)

۳ - "ہاوہو" ؟ - (فائق)

۴ - "کے" نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۸۸) میں بے معنی ہے - "کہ" تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

نظام اب کوئی دن میں جاتی ہے یہ بھی
یہ جو دیدہ‌بازی کی خو رہ گئی ہے

(۲۷۳)

زیر دیوار ہی رہا کرتے
اُن کی آواز تو سنا کرتے

گر نہ اُمید وصل بھی ہوتی
ہجر میں کس طرح جیا کرتے

کیا کہیں دل نہیں ہے کہنے میں
تیرا کہنا ہی ناصحا کرتے

تم نے رکھا ہی اپنے پاس نہیں
رشک دشمن بھی ہم سہا کرتے

آپ ہم جاکے مل گئے ان سے
یہ نہ کرتے تو اور کیا کرتے

گر نہ ہوتی حرام موت تو لوگ
ہجر میں زہر کھا لیا کرتے

درد تیرا ہی پاس آتا ہے
نہیں اس درد کی دوا کرتے

بعد رنجش وہ مل کے پوچھتے ہیں
میں نہ ملتا تو آپ کیا کرتے

آج نامہ تمام پھر نہ ہوا
تجھ کو رخصت تو قاصدا کرتے

حال دل کس سے واں کہا جائے
ہوش اڑتے ہیں سامنا کرتے

اُن کی محفل سے تو نکلوایا
اور کیا بخت نارسا کرتے
کچھ نہ کچھ اس میں بھی ہے عیاری
آپ تھے غیر کو جفا کرتے
دیکھ لیتے جو وہ ادا سے نظام
شکر ہم اُس کا کیا ادا کرتے

(۲۷۴)

بیٹھے بیٹھے آپ کیوں اُٹھ کر چلے
کیا کوئی بہتان مجھ پر دھر چلے
آپ کے اٹھتے ہی میں تو گر پڑا
منہ پھرا دیکھو تو یہ کیا کر چلے
بیٹھتے ہی میرے ہو بیٹھے خفا
لو نہ روٹھو تم ، ہمیں اُٹھ کر چلے
آپ کے در پر نہ آؤں بار بار
کچھ بھی بس اپنا اگر دل پر چلے
کوئی دم نظارۂ قاتل اُڑائیں
یا خدا ! رکتا ہوا خنجر چلے
ہائے کہنے میں نہ تو اک دم چلا
ہم تو کہنے میں ترے اکثر چلے
زندہ ہم جب تک رہے ، غم ہی رہا
مرچلے کیا ، موت کے دن بھر چلے
میں نہ مانوں آج کا جانا ہے اور
مجھ کو روتا چھوڑ کس کے گھر چلے

ھائے کیا کیا لطف پھر آئیں نظام
اپنے کہنے میں اگر دلبر چلے

(۲۷۵)

مریض عشق کو مرنا شفا سے کیا کم ہے
مجھے تو زہر بھی کھانا دوا سے کیا کم ہے
ملا کے آنکھ ذرا ھنس کے پھیرنا یوں منہ
یہ بے حجابی تمھاری حیا سے کیا کم ہے
کبھی تو تم سے مجھے بھی خدا ملاوے گا
یہ ہر گھڑی مرا رونا دعا سے کیا کم ہے
جفا و جور کرے ہے حیا کے پردے میں
وہ آشنا بھی تو نا آشنا سے کیا کم ہے
لبوں پہ جان تو آ پہنچی آگے کیا ہوگا
شب فراق بھی روز قضا سے کیا کم ہے
ملے سے اور بھی ہوتی ہے دل کو بے چینی
تمھارا پیار بھی جور و جفا سے کیا کم ہے
ہر ایک بات پہ دل کو لیے ہی لیتا ہے
جو بات ہے تری آن و ادا سے کیا کم ہے
قدم کے رکھتے ہی بس درد دل ہوا موقوف
گلی بھی یار کی دارالشفا سے کیا کم ہے
بنی ہے جان پہ ، لب پر خدا خدا ہے نظام
بتوں کی یاد بھی یاد خدا سے کیا کم ہے

(۲۷۶)

کسی نے پکڑا دامن اور[1] کسی نے آستیں پکڑی
نہ اٹھا میں ہی اس کوچے سے یہ میں نے زمیں پکڑی

خدا شاہد[2] ہے ، دل پر چوٹ سی اک لگ گئی میرے
بہانہ درد سر کا کرکے جب اس نے جبیں پکڑی

سوا اُن کے نہ کہنا اور سے آفت نہ کچھ آئے
نہ جانے بات میری قاصدا شاید کہیں پکڑی

بھلا اب مجھ سے چھٹتا ہے کہیں اس شوخ کا چسکا
یہ کیا ہے[3] چھیڑ میری ہر گھڑی کی ہم نشیں پکڑی

غضب ہیں[4] آپ بھی میں نے تو تم سے کان پکڑا ہے
ہوا جب کچھ میں کہنے کو ، زباں میری وہیں پکڑی

یہ قسمت وصل کی شب صبح تک تکرار میں گزری
ادھر کچھ میں نے ضد پکڑی، ادھر اس نے، 'نہیں' پکڑی

مجھے ڈسوائیں اک مار سیہ سے یہ سزا دیجے
جفا کی اپنے صاحب کی جو زلف عنبریں پکڑی

خدا کے فضل سے ایسی طبیعت ہے نظام اپنی
غزل دم میں کہی ، فضل خدا سے جو زمیں پکڑی

---

۱ - "اور" بر وزن "فع" - (فائق)
۲ - "شاہد" کے بعد "ہے" کتابت میں رہ گیا ہے ؛ مصرع ساقط الوزن ہوجاتا ہے ؛ تصحیح قیاسی کی گئی - (فائق)
۳ - "یہ کیا چھیڑ" مطبوعہ نسخہ (صفحہ ۱۹۰) میں ہے - مصرع وزن سے گر جاتا ہے ؛ "یہ کیا ہے چھیڑ" تصحیح قیاسی ہے - (فائق)
۴ - تصحیح قیاسی - (فائق)

(۲۷۷)

کہنے کو تو وہ مجھ سے ہیں کیا کیا نہیں کہتے
پر جس سے تسلی ہو ، کچھ ایسا نہیں کہتے

کہہ کہہ کے مکر جاتے ہیں پھر کہتے ہیں 'ہاں ہاں'
کیا کیا مجھے کہتے ہیں وہ ، کیا کیا نہیں کہتے

کیا کیا ہمیں تم کہتے ہو ، ہر ایک کے آگے
ہم ایک سے بھی حال تمھارا نہیں کہتے

مرتا ہوں میں آجاؤ تو جی جاؤں ابھی میں
تم ہی کہو کیا تم کو مسیحا نہیں کہتے

تم دیکھ کے کہتے ہو مجھے اب نہ جیے گا
بیمار کے منہ پر کبھی ایسا نہیں کہتے

تم ملتے نہیں غیر سے ، کیوں کھاتے ہو قسمیں
سچ کہتے ہو ، ہم تو تمھیں ایسا نہیں کہتے

جب ہم نے کہا کچھ وہیں تم نے کہا سب سے
اس خوف سے کچھ حال ہم اپنا نہیں کہتے

کہتے ہیں تمھیں غیر سے ملنا نہیں اچھا
ہوتے ہیں خفا آپ تو ، اچھا نہیں کہتے

ظاہر کی لگاوٹ ہے یہ دل میں تو رکے ہو
مطلب کی کوئی بات ہی اصلا نہیں کہتے

سوچو تمھیں جی میں یہ جو تم ملتے ہو مجھ سے
اس طرح کے ملنے کو تو ملنا نہیں کہتے

سب کہتے ہیں مجھ کو نہیں بچنے کا نظام اب
کس واسطے مرتا ہے ، تم اتنا نہیں کہتے

(۲۷۸)

فنِّ عیّاری میں بھی تو اے ستم گر ! ایک ہے
دل میں ہیں باتیں دوئی کی ، اور منہ پر ایک ہے

ہو چلے ہیں اب تو کچھ دو چار دن سے مہرباں
روٹھ جائیں پھر نہ وہ ، مجھ کو یہی ڈر ایک ہے

حشر کو نسبت کچھ ایّام جدائی سے نہیں
ہر گھڑی یاں ہو قیامت ، اور محشر ایک ہے

وہ ہی دن ہیں پھر انھیں غیروں سے تم ملنے لگے
عہد و پیماں آپ کا کہیے تو کیوں کر ایک ہے

جس سے تم چاہو ملو پر ایک مجھ سے بھی ملو
عرض میری بھی یہی اے بندہ پرور ! ایک ہے

دوستوں نے میرے جاکر اوپری بن کر کہا
اے میاں ! ناچار سا انسان در پر ایک ہے

آتے جاتے سے کہے ہے رو رو اپنا درد دل
یا دوانہ[1] یا ہے سودائی مقرّر ایک ہے

لے کے میرا نام بولے آئے ہیں اس روپ میں
آج سمجھا میں اسے اللہ اکبر ، ایک ہے

اتنے ہی کہنے میں راضی ہوگئے ہم تو نظام
جب کہا اس نے تو ہی عاشق مقرر ایک ہے

---

۱ - ''دوانہ'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۹۱) صحیح ''دیوانہ'' ہے۔
وزن شعری کے مطابق ''دوانہ'' املا لکھا گیا - (فائق)

(۲۷۹)

نہ تجھ کو بھیجتا قاصد، اگر یہ جانتا پہلے
مرا مطلب تو چھوڑا، اپنے مطلب کو کہا پہلے

الٰہی مرتے دم تو نکلے حسرت دید جاناں کی
اجل آئے ذرا پیچھے، وہ آ جائیں ذرا پہلے

نہ پوچھو دل لگانے میں بھی کیا کیفیتیں دیکھیں
ہزاروں رنج ہیں آخر کو گر کچھ ہے مزا پہلے

الٰہی، جب وہ اٹھ جائیں گے تو کیا مجھ پہ گزرے گی
ابھی تو بیٹھے ہیں اٹھنے کو درد دل اٹھا پہلے

ق

شب ان سے باتوں باتوں میں مرے منہ سے جوں ہی نکلا
کہ اب تو غیر کے ہو تم مرے تھے آشنا پہلے

تو بولے آپ پھر کچھ ہو چلے ہیں آپ سے باہر
وہ دن بھولے جو دکھ روتے تھے میرے جا بہ جا پہلے

ق

ذرا تو سوچو مجھ سے روٹھتے ہو، وہ بھی کیا دن تھے
جو میں ہی روٹھ جاتا تھا خدا نہ خواستہ پہلے

تو پھر کس کس لگاوٹ سے مجھے تم ہی مناتے تھے
مزاج اب جو ہوا سرکار کا ایسا نہ تھا پہلے

ملو ہو غیر سے پھر دل میں اپنے غور ہی کیجے
ہوا تھا ہم سے کیا کیا عہد و پیماں آپ کا پہلے

نہ لوگوں میں تو کہہ قاصد! کہ ایسا کچھ کہا اس نے
مرے حق میں جو فرمایا ہے میں بھی سن چکا پہلے

نظام اس بزم سے جب امتحاناً روٹھ آیا میں
کوئی آتا ہے لینے کو یہ آپھی[1] سے گیا پہلے

(۲۸۰)

سنا ہے آج واں کچھ اور ہی تدبیر میری ہے
بھلا اب یاں پہ کیا کیجے، بری تقدیر میری ہے

بھلا دشمن سے تم ہی تو وفا کرتے یہ عادت ہے
ملے ہو مجھ سے کچھ روزوں یہ سب تاثیر میری ہے

مجھے کیا زلف پیچاں پیچ دے دے کر دکھاتی ہے[2]
میں قیدی ہوں اسی[3] کا اور یہی زنجیر میری ہے

کہا تم نے نہیں کچھ مجھ کو، میں نے ہی کہا تھا کچھ
ادھر دیکھیں نہ روٹھیں[4] آپ ، ہاں تقصیر میری ہے

وہ چل چل کر جھٹک کر دامن اپنا مڑ کے کہتے ہیں
یہ کس کی خاک ہے یا رب! جو دامن گیر میری ہے

---

۱ - ''آپ ہی'' مطبوعہ نسخے (صفحہ ۱۹۲) میں ہے؛ مطابق تلفظ ''آپھی'' لکھا گیا ہے - (فائق)

۲ - ''دکھاتی ہے'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۹۲) میں ہے - ''دکھاتے ہو'' اس سے بہتر ہے - شاید ''ہے'' سہو کاتب ہو - (فائق)

۳ - ''اوسی'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۹۲) میں؛ ''اسی'' بہتر ہے؛ تصحیح قیاسی کی گئی ہے - (فائق)

۴ - ''روٹھیے'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۹۲) میں ہے؛ ''روٹھیں'' ہونا چاہیے تھا تصحیح قیاسی کی گئی ہے - (فائق)

یقیں ہے تم بھی آ دیکھو ، تو اب مجھ کو نہ پہچانو
کئی دن سے تو کچھ حالت عجب تغئیر میری ہے
مری جانب سے تم کو لکھ کے خط دشمن نے بھیجے ہیں
بھلا میں ایسا لکھ سکتا ہوں ، یہ تحریر میری ہے
جو کوئی پوچھتا ہے واں نہیں جاتے تو کہتا ہوں
کبھی کے وہ بلا لیتے ، مگر تاخیر میری ہے
جو کچھ رکیے تو مجھ سے پوچھتے ہیں کس لگاوٹ سے
تو سچ کہہ پاس تیرے کیا کہیں تصویر میری ہے
وہ شمشیر دو دم دکھلا کے کہتے کس ادا سے ہیں
نظام اک دن ترا یہ سر ہے اور[1] شمشیر میری ہے

(۲۸۱)

نہیں سوجھتا کوئی چارا مجھے
تمھاری جدائی نے مارا مجھے
ادھر آنکھ لڑتی ہے اغیار سے
ادھر کرتے جانا اشارا مجھے
تو اک بار سن لے مرا حال کچھ
نہ کچھ کہنے دینا دوبارا مجھے
یوں ہی روز آنے کو کہتے ہو تم
نہیں اعتبار اب تمھارا مجھے
کسی سے مجھے کچھ شکایت نہیں
نظام اپنے ہی دل نے مارا مجھے

---

۱ - ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

(۲۸۲)

پھر کیا کہوں وہ ملنے میں کرتا قصور ہے
میں ہی قصوروار ہوں کس کا قصور ہے

روٹھے سے آج کچھ نظر آتے ہو سچ کہو
صاحب نے کچھ نہ کچھ مرا دیکھا قصور ہے

صاحب کی مہربانی کے لائق ہی ہم نہ تھے
الزام کس کو دیجیے اپنا قصور ہے

تم مجھ پہ خشمگیں رہو، میں جب بھی خوش رہوں
ہر روز مجھ سے اس لیے ہوتا قصور ہے

اب ایک روز بخش دو میرا قصور تم
تم نے تو لاکھ مرتبہ[1] بخشا قصور ہے

مرنے پہ مستعد ہوں میں فرقت کی شب ہے آج
اے مرگ! اب نہ آئے تو تیرا قصور ہے

اب بخش دے قصور تو اپنے نظام کا
بخشش کے سامنے یہ تری کیا قصور ہے

(۲۸۳)

اس ظلم پر بھی تم سے نہیں کچھ گلا مجھے
کیا جانے کیا دکھائے گی اپنی وفا مجھے

میں رشک غیر پر بھی ہوں راضی، جو تم ہو خوش
تم سے غرض مجھے ہے کسی سے ہے کیا مجھے

---

۱ - ''مرتبے'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۹۳) میں ہے ؛ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے - مطابق روزمرہ ''مرتبہ'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

ایسا نہیں ہے حال کہ رحم آئے آپ کو
کہنے تو دیجے آپ مرا ماجرا مجھے

اب اُس کو کچھ سمجھ لو مگر آپ کے سبب
رہتا ہے دھیان غیر کا تم سے سوا مجھے

اب بے بلائے آپ چلے جائیے[1] وہاں
تدبیر سوجھتی نہیں اس کے سوا مجھے

خاموش کیوں ہوا تو ، ہوا کون معترض
قاصد ! کچھ اور ایسی ہی باتیں سنا مجھے

کچھ یاد بھی ہے آیا تھا کس حال سے ابھی
کیوں اضطراب دل وہیں پھر لے چلا مجھے

تم ہی کہو یہ بات بڑھانے سے فائدہ
میں نے کیا قبول جو تم نے کہا مجھے

میں غیر کا گلہ کروں تم رشک غیر کا
مجھ سے گلہ ہے تم کو ، ہے تم سے گلا مجھے

حیرت سے بھول جاتے[2] ہیں صدمے جفا کے سب
آتی ہے یاد جب تری پہلی جفا مجھے

یہ کون سی سزا ہے کہ کہتے ہی کچھ نہیں
معلوم بھی تو ہو کوئی اپنی خطا مجھے

---

۱ - ''جاے'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۹۳) میں ہے ؛ مصرع ساقط الوزن ہے ؛ ''جائیے'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

۲ - ''جاتے صدمے'' نسخہ مطبوعہ (صفحہ ۱۹۴) میں ہے ؛ مصرع ناموزوں ہو جاتا ہے ؛ ''جاتے ہیں'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

رشک وصال غیر کا غم مجھ سے کچھ نہ پوچھ
غم اس قدر نہیں ہے ترے ہجر کا مجھے
قسمت تو دیکھو منّت اعدا پہ کہتے ہیں
بدنام کرتے پھرتے ہو کیوں جا بہ جا مجھے
بے داغ رشک کھائے نہ مرنا نصیب ہو
کرنی پڑی عدو کے لیے اب دعا مجھے
آتا نہیں سمجھ میں کسی کی مرا مرض
تم پھر تو آ کے دیکھو ، یہ کیا ہوگیا مجھے
میں آزما چکا ہوں نظام اس نصیب کو
یوں کیا عجب ہے اُن سے ملا دے خدا مجھے

(۲۸۴)

کہیے گر ربط مدعی سے ہے
کہتے ہیں دوستی تجھی سے ہے
دیکھیے آگے آگے کیا کچھ ہو
دل کی حرکت یہ کچھ ابھی سے ہے
اُس کی اُلفت میں جیتے جی مرنا
فائدہ یہ بھی زندگی سے ہے
ضد ہی گر ہے تو ہو سبھی کے ساتھ
یا نہ ملنے کی ضد مجھی سے ہے
خوف سے تم سے کہہ نہیں سکتے
دل میں اک آرزو کبھی سے ہے
مجھ سے پوچھو ہو، کس سے اُلفت ہے
تم سمجھتے نہیں ، کسی سے ہے

رنجش غیر سے نہیں مطلب
کام ہم کو تری خوشی سے ہے
اس قدر آپ ہم پہ ظلم کریں
اس کا انصاف آپ ہی سے ہے
رشک دشمن نہ سہہ سکے گا نظام
یہ بھی ناچار اپنے جی سے ہے

(۲۸۵)

بیان خواہش دل سب تو ہوچکا مجھ سے
کبھی وہ پوچھیں بھی گر حرف مدعا مجھ سے
یہ چھیڑ دیکھو، یہ کہتے ہیں آج کیا مجھ سے
کچھ ایسی بات ہو پھر جائے دل ترا مجھ سے
تری تو عمر پیاموں میں قاصدا گزری
کہا تھا اس نے جو کچھ تو نے کیوں کہا مجھ سے
ذرا سی بات پہ یوں الجھ گئے خفا ہوکر
پھر آپ کہتے ہیں کیوں ہوگئے خفا مجھ سے
ڈرا ہوا ہوں یہ عیاریوں سے اس کی میں
ہزاروں وہم ہوئے گر کبھی ملا مجھ سے
مری زباں سے سنا چاہتے ہو غیر کا ذکر
سبب جو پوچھتے ہیں آپ رشک کا مجھ سے
یہ فکر ہے کہ اب اس سے کہوں تو کیا میں کہوں
جواب پوچھتے ہیں میری بات کا مجھ سے
یہی ہے آپ کی عادت تو جی چکا بس میں
کروں ستم کی شکایت یہ ہوچکا مجھ سے

کبھی تو دل کی تمنا مرے بر آئے گی
کبھی تو تم کو ملائے گا پھر خدا مجھ سے

وصال غیر کی اب مانگنی پڑی ہے دعا
جو بگڑے اُس سے تو ناحق ہوئے خفا مجھ سے

جو کوئی کہتا ہے واں ذکر تھا تمہارا بھی
تو یاد آتے ہیں وہ دن کہ ربط تھا مجھ سے

وہی سناؤ گے پھر تم میں اک نہ مانوں گا
ہزار بار پڑا ہے معاملا مجھ سے

الٰہی برسوں تک اُس سے جدا رہوں افسوس
جو ایک دم کو بھی ہوتا نہ تھا جدا مجھ سے

میں کیا کہوں کہ وہ ان سے تو ہو نہیں سکتا
کروں جو شکوہ تو اُلٹا کریں گلا مجھ سے

اگر کہوں کہ یہ تھا روز حشر یہ بھی جھوٹ
نہ حال پوچھیے ہجراں کی رات کا مجھ سے

میں جانتا ہوں کہ قاصد مزاج داں ہے کچھ
جو سن کے آیا تھا وہ اُس نے کیوں کہا مجھ سے

وہ باتیں پیار کی موقوف دیکھیے تو اور
کہیں تو آپ ہوئے ایسے کیوں خفا مجھ سے

نظام کچھ نہ بن آئی بگاڑ پھر کس کا
کہا جواں سے کہ کیوں آپ ہیں خفا مجھ سے

(۲۸۶)

ضائع نہیں ہوتی کبھی تدبیر کسی کی
میری سی خدایا نہ ہو تقدیر کسی کی

ناحق میں بگڑ جانے کی عادت یہ غضب ہے
ثابت تو کیا کیجیے تقصیر کسی کی

قاصد یہ زبانی تری باتیں تو سنی ہیں
تب جانوں کہ لا دے مجھے تحریر کسی کی

بے ساختہ پھروں ہی کہا کرتے ہیں کیا کیا
ہم ہوتے ہیں اور[1] ہوتی ہے تصویر کسی کی

ایسی تو نظام آن کی نہ عادت تھی وفا کی
وہ جانے نہ جانے یہ ہے تاثیر کسی کی

(۲۸۷)

تمھیں ہاں کسی سے محبت کہاں ہے
ذرا دیکھیے تو وہ صورت کہاں ہے

بھلا اب کسی سے سنو بات کیا تم
تمھیں اپنی باتوں سے فرصت کہاں ہے

ہر اک بات پر رونے سے دیتے ہو اب
وہ شوخی کہاں، وہ شرارت کہاں ہے

پڑے رہتے ہو پہروں ہی منہ لپیٹے
وہ جلسہ کہاں ہے؛ وہ صحبت کہاں ہے

۱- ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

کوئی کچھ کہے اب تمھیں کچھ نہ بولو
وہ تیزی کہاں، وہ ظرافت کہاں ہے
وہ لگ چلنا ہر اک سے آفت تمھارا
وہ تندی، وہ شوخی، وہ فرحت کہاں ہے
کوئی جانتا بھی نہیں اب تو تم کو
وہ پہلی سی خو بو میں شہرت کہاں ہے
تمھیں دیکھو اور[1] غیر کی باتیں سننا؟
وہ شان اب کہاں ہے، وہ شوکت کہاں ہے
تمھیں ہو عدو ہی کا ملنا مبارک
عدو کی سی ہم میں لیاقت کہاں ہے
نظام آپ ہی آپ آئے گا یاں پھر
یہاں رشک سہنے کی طاقت کہاں ہے

(۲۸۸)

کچھ کہے سامنے اس کے، یہ ہے مقدور کسے
چھوڑتا پاس تک اپنے ہے وہ مغرور کسے
ہم نے ایذائیں وہ فرقت کی تری پائی ہیں
اب اگر آپ ملیں بھی تو ہے منظور کسے
ہم تو روتے ہی رہے آپ کے ہاتھوں سے سدا[2]
یہ تو فرماؤ کیا آپ نے مسرور کسے

۱- ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)
۲- ''صدا'' نسخہ مطبوعہ (صفحہ ۱۹۷) میں املا غلط ہے؛ ''سدا'' بنایا گیا ہے - (فائق)

کس لگاوٹ سے، کس اقرار سے، لیتے ہیں وہ دل
طرز یہ آئیں کسے، یاد یہ دستور کسے
واسطے اپنے تو بس کوئے صنم ہے ناصح!
یاں کسے خواہش جنت، طلب حور کسے
آپ کے پاس تو رہنے ہی کے لائق ہے نظام
پاس سے اپنے غضب کرتے ہو تم دور کسے

(۲۸۹)

مل جائے جو وہ ہم سے تو کچھ دور نہیں ہے
ہے شکر ابھی حسن پہ مغرور نہیں ہے
یاں دل کو تو اُس بت کی خواہش ہے کریں کیا
جو بات کہ اُس شوخ کو منظور نہیں ہے
سمجھاتے ہو کیا غیر سے نفرت تمہیں ہوگی
بندہ بھی تو کچھ عقل سے معذور نہیں ہے
مل جاؤ نہیں غیر کو کیا ہوگی توقع
یہ بات ابھی غیروں میں مشہور نہیں ہے
قاصد تری باتوں کا تو ہے اور ہی مطلب
ان باتوں کا خط میں کہیں مذکور نہیں ہے
کیوں پوچھتے ہو کس لیے اظہار کروں میں
کچھ حال مرا آپ سے مستور نہیں ہے
کہتا ہے تمہیں کون، کہیں شب کو رہے ہو
چہرے پہ مگر آج کہیں نور نہیں ہے
بیماری ہجراں تھی تم آئے تو کہاں پھر
سچ کہتے ہو مجھ کو کہ تو رنجور نہیں ہے

کچھ مجھ سے نظام ایسی ہی تقصیر ہوئی ہے
یوں روٹھنے کا اُن کے تو دستور نہیں ہے

(۲۹۰)

دوستو اُس سے نہ ملنا چاہیے
پر مرے دل سے تو پوچھا چاہیے

حال دل کچھ اُس سے کہنا چاہیے
پھر یہی کہنا کہ ایسا چاہیے

ھجر کی اک اک گھڑی اب موت ہے
اور اس کا وصل دیکھا چاہیے

غیر ہی سے پوچھو میرے باب میں
وہ ہی کہہ دے، دل ستانا چاہیے

ھائے یہ دوری ہے قسمت میں لکھی
کب تمھیں دیکھیں گے دیکھا چاہیے

مہربانی میں تمھاری ہے نباہ
میری تقصیروں سے گزرا چاہیے

ہم تمھیں چاہیں، عدو کو چاہو تم
آپ ہی منصف ہوں ، ایسا چاہیے

آپ کا تو سادہ پن بھی ہے غضب
پھر بناوٹ آپ کو کیا چاہیے

حال میرا سن کے واعظ بول اٹھا
ایسے کافر کو تو دیکھا چاہیے

قیدیِ ھجراں رہے کب تک نظام
کچھ تو میعاد اس کی بولا چاہیے

(۲۹۱)

قاصد کی بات کا کسے یاں اعتبار ہے
انکار پر بھی مجھ کو وہی اعتبار ہے

کیا اپنے جذب دل پہ مجھے اعتبار ہے
بے وعدہ بھی تو روز ترا انتظار ہے

برسوں کی آرزو تھی سو وہ بھی بر آئی آج
اب کیا کریں کہ وصل میں دل بےقرار ہے

یہ جانتا ہوں اُن کو محبت ہے غیر سے
پر سب سے پوچھتا ہوں کہ اب کس سے پیار ہے

میں کیا کہوں کہ جاؤ جو جاتے ہو غیر کے
کیا مجھ سے پوچھتے ہو، تمھیں اختیار ہے

ہم‌دم نہ کہہ وہ بات جو دل کو بری لگے
اُس بے وفا سے گو مری رنجش ہزار ہے

صبح شب وصال یہ کیا یاد آ گیا
شرمندہ میں ادھر، وہ اُدھر شرمسار ہے

ہم سے نہیں نبھی ہے تو غیروں سے نبھ چکی
صد شکر اُس کا عہد ہی ناپائدار ہے

اوروں سے ربط بھی ہوئے موقوف بھی ہوئے
اور[1] مجھ سے آج تک وہی قول و قرار ہے

وہ دن گئے کہ سہتے تھے ایذاے انتظار
اب آرزوے وصل بھی یاں دل پہ بار ہے

---

۱ - "اور" بر وزن "فع" (فائق)

وہ چھوڑ دیں گے غیر کو تیرے لیے بھلا
کیوں اے نظام تو تو بڑا ہوشیار ہے

(۲۹۲)

کیوں کہا اُس سے کہ بگڑی خوبیٔ تقدیر سے
آپ نادم ہوگیا اپنی ہی میں تقریر سے
انتظار اُس کا کیا یاں تک کہ یہ حالت ہوئی
دیکھیے اے نامہ بر کیا ہو تری تاخیر سے
اب تو ثابت ہوگیا ہم پر کہ تم عیّار ہو
کہیے ہو ثابت نہ کیوں کر آپ کی تقریر سے
کیا تصور میں بھی کیفیت ہے خود ہو کر محب
پہروں باتیں کرتے ہیں اُس شوخ کی تصویر سے
نامہ بر رک رک کے واں کا حال کیوں کہتا ہے تو
مجھ کو تو کچھ اور ہے کھلتا تری تقریر سے
کیوں گناہوں سے ہے نادم کیوں ہراساں ہے نظام
عفو میں کچھ لطف بھی ہو گا مری تقصیر سے

(۲۹۳)

ہوں جان سے میں خانۂ دلدار کے صدقے
سائے کی طرح ہوں در و دیوار کے صدقے
بوسہ نہ دیا اپنا، مرا چوم لیا منہ
اُس شوخی کے قربان، اور[1] اُس پیار کے صدقے

---

۱ - ''اور'' بر وزن ''فع'' (فائق)

یوں تجھ پہ فدا جان نہ کی ہوگی کسی نے
ہوتی ہے قضا بھی ترے بیمار کے صدقے

چل چل کے وہ مڑ مڑ کے مجھے کوستے جانا
رفتار کے قربان ، تو گفتار کے صدقے

وہ وصل کی شب شام سے سوتے ہیں سحر تک
جاگا کیا اس طالع بیدار کے صدقے

اب رات کہاں ہے جو وہی بات ہے ضد کی
لو صبح ہوئی ، آپ کی تکرار کے صدقے

مل جل کے ترے جسم میں بو ہو گئی کچھ اور
ہوتی ہے صبا اترے ہوئے ہار کے صدقے

بوسہ تو میسر ہوا اسی نقش قدم کا
پھر کیوں نہ ہوں میں کوچۂ اغیار کے صدقے

روتے ہیں ، تڑپتے ہیں کسی پر نہیں ظاہر
کیا لطف ہے فرقت کی شب تار کے صدقے

یہ بات تو ہے ، بات کا تو پاس ہے تم کو
ہر بات پہ انکار ، اس انکار کے صدقے

اے طائر دل تو مرے کام آئے گا کس دن
جاتے ہیں اتارے وہاں دلدار کے صدقے

اس پردہ نشیں پر ہوں نظام اب تو فدا میں
آنکھوں کو کروں روزن دیوار کے صدقے

(۲۹۴)

گر آئے بھی تو ایسے وہ بہتان دھر گئے
کیا زیست، موت سے بھی تو بیزار کر گئے

اتنا نہ پوچھا تونے کہ ہم تیری بزم میں
کس آرزو پہ آئے، کس امّید پر گئے

تم مہرباں بھی ہو تو، تسلی ہو میری خاک
ایذا دہی کے واسطے کیا غیر مر گئے

کیا کیا تھے لطف وصل میں، کیا کیا تھے عیش ہائے
وہ راتیں ہائے کیا ہوئیں، وہ دن کدھر گئے

نومیدی بھی ہے ساتھ ہی اُمید کے یہ کچھ
کوچے سے تیرے ہم ادھر آئے، اُدھر گئے

تیوری چڑھا کے اُس کا یہ کہنا بگڑ کے ہائے
اب تم سے بن چکی، مرے دل سے اُتر گئے

وہ رات دن کے عیش، وہ ساماں نئے نئے
وہ راتیں ہائے کیا ہوئیں، وہ دن کدھر گئے

تاثیر اپنی قسمت برگشتہ کی یہ ہے
وعدہ تھا یاں کے آنے کا، دشمن کے گھر گئے

چپ پڑگئے، کبھی نہ سنی میری ایک بھی
کچھ کہہ گئے کبھی، کبھی کہہ کے مکر گئے

دشمن سے آپ ملتے، یہ تاثیر کس کی ہے
تم جانتے ہو نالے مرے بےاثر گئے

مجھ کو سنا سنا کے یہ کہنا کسی کا ہائے
کیا اُن سے ہوگا، ہجر کے غم سے جو ڈر گئے

رکھنا قدم سنبھل کے رہ عشق میں دلا
یہ راہ وہ ہے جس میں کہ لاکھوں کے سر گئے
منظور کچھ تو ہوگا انھیں ورنہ کس لیے
مڑ مڑ کے دیکھتے مجھے وقت سحر گئے
چھوٹی ہے ایسی بات بھی، ظاہر ہے، مجھ پہ سب
گویا تمھارے ساتھ تھا میں بھی جدھر گئے
ناصح کی بات مان گئے کیا کیا غضب
تم کس کے کہنے پر گئے، کس بات پر گئے
بندے خدا کے نام کو یوں ہیں سبھی نظام
جو اس صنم پہ مر گئے وہ کام کر گئے

(۲۹۵)

منتوں سے جو وہ یاں آج ہیں بلوائے ہوئے
پاس بیٹھے تو ہیں پر مجھ سے ہیں شرمائے ہوئے
ابھی کیا تم نے کہا تھا، ابھی کیا کہتے ہو
دیر بھی تو نہیں کچھ گزری ہے فرمائے ہوئے
جاؤں گا، منہ سے نکلنا ہی غضب ہے اس کے
پھر ٹھہرتا ہے کہاں، پاس وہ ٹھہرائے ہوئے
تم نے قسمت کو کیا ہے مری بدنام یوں ہی
آپ پھر جاتے ہو گھر تک مرے تم آئے ہوئے
جو مری بات ہے وہ تم کو بری لگتی ہے
آج کیا تم کو ہوا، کس کے ہو بہکائے ہوئے

بھاڑ بھاڑ آنکھیں میں دیکھا گیا اور یوں ہی سوا[1]
پاس میرے نہ تم اس وقت میں بھی ھائے ہوئے
کیا نظام اس نے تمہیں پھر ہے لگایا کچھ منہ
کچھ بہت ان دنوں تم پھرتے ہو اترائے ہوئے

(۲۹۶)

دل کی حالت کبھی نہیں جاتی
سانس بھی اب تو لی نہیں جاتی
دم آخر تو آؤ اک دم کو
مفت یوں جان دی نہیں جاتی
اب ستم بھی سہا نہیں جاتا
اور شکایت بھی کی نہیں جاتی
صبح ہونے کو آئی رات گئی
اب بھی ضد آپ کی نہیں جاتی
واں کا جانا تو چھوٹا برسوں سے
لیکن الفت ابھی نہیں جاتی
اور سے کچھ میں کہہ نہیں سکتا
ان سے تقریر کی نہیں جاتی
مجھ میں، ان میں جو کچھ کدورت ہے
جائے گی، پر ابھی نہیں جاتی

۱- ''ھوا'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۰۱) میں بے معنی ہے۔
''سوا'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

ہائے اُس کا بگڑ کے یہ کہنا
یہ تو عادت مری نہیں جاتی

جو ہوا ، وہ ہوا نہ کہہ قاصد
بات ایسی سنی نہیں جاتی

روز یاں ہجر میں ہے حال یہی
جان کچھ آج ہی نہیں جاتی

پھر چکا اُس صنم سے دل ناصح !
دل سے اُلفت کبھی نہیں جاتی

یہ مرا حال اور نظام اُن تک
خبر اس بات کی نہیں جاتی

(۲۹۷)

محفل میں آتے جاتے ہیں انساں نئے نئے
اب تو چلن لیے ہیں مری جاں نئے نئے

اُس زلف و رخ کے عشق کا چرچا ہوا یہ کچھ
حیران نئے نئے ہیں ، پریشاں نئے نئے

آ آ کے اپنی سناتا ہے ہر کوئی
زخم جگر پہ ہیں نمک افشاں نئے نئے

مجھ کو سنا کے کہتے ہیں لوگوں کو اس سے کیا
انداز ہم نے سیکھے ہیں ہاں ہاں نئے نئے

آ جائیں ہم بھی یاد کسی بات پر کبھی
عاشق ہوئے ہیں اب تو مری جاں نئے نئے

ہر دم نئی نئی[1] ہے خلش میری جان کو
لاتی ہے رنج و غم ، شبِ ہجراں نئے نئے

باتوں پر اُن کی کیوں نہ یقین آئے پھر مجھے
قسمیں ، نئی نئی ہیں تو پیماں نئے نئے

گر اب کے وصل ہو تو نہ مانوں میں ایک بھی
دل کے نکالوں حسرت و ارماں نئے نئے

سو سو طرح ستاتی ہے اک اک کی یاد اب
شب آپ نے کیے تھے جو احساں نئے نئے

کس کس کی روز روز خوشامد کیا کریں
ہوتے ہیں اُن کے در پہ تو درباں نئے نئے

اُمید بھی کبھی ، کبھی نومیدی ہے مجھے
دکھلاتی رنگ ہے شبِ ہجراں نئے نئے

کوئی تو آج آئے گا پھر کس لیے نظام
تجویزیں ہیں نئی ، نئی ، ساماں نئے نئے

(۲۹۸)

اُمید تجھ سے ایسی بھی اے فتنہ‌گر نہ تھی
اُلفت بھی پہلے پہلے تو کچھ تھی ، مگر نہ تھی

اس میں بھی خیر گزری کہ تم نے منا لیا
لب پر ہماری آہ تھی اور[2] بے اثر نہ تھی

۱ - ''نئے نئے میں'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۰۲) میں سہوِ کاتب معلوم ہوتا ہے - ''خلش'' اسم صفت مؤنث ہے - خلش بہ معنی چبھن اور کھٹک ہے - ''میں'' کا استعمال بھی غلط ہے اس لیے ''نئی نئی ہے'' - بنایا گیا - (فائق)

۲- ''اور'' بروزن ''فع'' - (فائق)

بےتابیوں نے پہلی ہی شب کام کر دیا
قسمت میں دیکھیے شب غم کی سحر نہ تھی

ہم جانتے تھے ربط ہی اُس سے رہے گا یوں
ہو جاتی ہے جدائی بھی، اس کو خبر نہ تھی

رنجش کا شب کی حال نہ اب مجھ سے پوچھیے
منظور چھیڑ آپ کو کس بات پر نہ تھی

کیا بے قراریٔ شب ہجراں بیاں کروں
مایوسی بھی تو مجھ کو ادھر تھی ادھر نہ تھی

جانے کی تم نے کہہ کے تو کھوئے تھے میرے ہوش
شکر خدا یہی تھا کہ غم کی سحر نہ تھی

کچھ تو سبب ہے، کوئی تو باعث ہے، کچھ تو ہے،
ملنے کی ضد تو ہم سے تمہیں اس قدر نہ تھی

حسرت وہی تھی دل میں، وہی لب پہ آہ تھی
شام قلق تھی، وصل کی شب کی سحر نہ تھی

کس روز ربط آپ کا اغیار سے نہ تھا
کس دن مجھے شکایت درد جگر نہ تھی

اُن کا تو آنا خواب میں بھی دیکھا چاہیے
اُمید تیرے آنے کی بھی نامہ بر نہ تھی

آرام و عیش تو شب عشرت کے اک طرف
قسمت سے نیند بھی تو ادھر، تھی ادھر نہ تھی

اب صاف کہہ دو کیوں ہیں یہ باتیں بگاڑ کی
پھر کیوں رکے تھے دل میں کدورت اگر نہ تھی

شب ہم تھے اور تمہارے تصور کے لطف تھے
وہ بات اپنے گھر تھی جو دشمن کے گھر نہ تھی

رک جانا ملتے ملتے یہ عادت نئی ہوئی
رنجش کی کوئی بات تو اے فتنہ‌گر! نہ تھی

اقرار اُن کے لب پہ ادھر تھا، ادھر نہ تھا
تسکین میرے دل کی ادھر تھی، ادھر نہ تھی

آرام کی تھی کون سی صورت شب وصال
حسرت ادھر نہ تھی کہ رکاوٹ اُدھر نہ تھی

تقدیر کے بگاڑ کی تدبیر کیا بھلا
صحبت مرے نصیب میں اے چارہ‌گر! نہ تھی

چھپ چھپ کے دیکھنے کا مزا دیکھتے نظام
یہ خیر گزری اُس کی ادھر کو نظر نہ تھی

(۲۹۹)

مزا کیا جو یوں ہی سحر ہوگئی
نہیں بھی پہر دو پہر ہوگئی

ترے غم میں شب یوں بسر ہوگئی
غرض روتے روتے سحر ہوگئی

نہ آئینہ ہر وقت دیکھا کرو
کبھو لگے کسی کی نظر ہوگئی

جو باندھی کمر قتل عشاق پر
کمر تو نہ تھی، پر کمر ہوگئی

سبب اُن کی رنجش کا کہنا[1] نہیں
کوئی پوچھے کس بات پر ہوگئی

۱- یہ ''کہتا''؟ - (فائق)

لبوں پر ٹھہرنے نہ اے جاں! حصول
ادھر آ گئی یا اُدھر ہوگئی

کوئی بات اُلفت کی اب تو نہیں
جو کچھ ہوگئی، پیش تر ہوگئی

ترا وعدہ گو جھوٹ ہی کیوں نہ ہو
تسلی ہماری مگر ہوگئی

تغافل ہے ہر بات پر کس لیے
مرے دل کی تجھ کو خبر ہوگئی

قیامت کے آثار بھی ہوگئے
شب غم دراز اس قدر ہوگئی

ستانا رلانا ہی باہم رہا
شب وصل یوں ہی سحر ہوگئی

نہیں[1] کیا کروگے، نہ ہم کو ستاؤ
شکایت عدو کی مگر ہوگئی

خدا ہے جو اُس بت سے پھر ہو ملاپ
غرض آج تو اس قدر ہو گئی

کہا بھی تو اُس نے کچھ ایسا نہیں
ذرا بات میں چشم، تر ہو گئی

نہ مانا نہ مانا اُسی شوخ نے
کہ دنیا ادھر کی اُدھر ہو گئی

۱- "نہ ہم کو ستاؤ نہیں کیا کروگے" نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۰۴) میں ۔ ناموزوں مصرع ہے ۔ مصرع کے اجزا کو الٹ کر بامعنی اور موزوں کر دیا گیا ہے ۔ متن میں تبدیلی موزونیت کے لیے کی گئی ہے ۔ (فائق)

تمھیں ضد نہ ملنے کی ہے کس لیے
مری آہ کیا بے اثر ہوگئی

وہ وعدے سے کیوں پھر گئے کہہ تو کچھ
یہ کیا بات اے نامہ بر ہو گئی

یہ قسمت ، ہوا وصل بھی گر نصیب
تو رنجش بھی ہر بات پر ہوگئی

وہ آئے بھی یاں اس سے اے دلِ حصول
کوئی دم کو تسکیں اگر ہوگئی

ترے غم میں یہ حال تو ہوگیا
خوشی اب تری فتنہ گر ہوگئی

یہ جھوٹی محبت سے اُن کی حصول
شکایت عدو[1] کی اگر ہو گئی

انھیں صلح منظور ہے مجھ سے کب
کہوں کیا ہوئی ، کیوں کہ ، پر ہوگئی

نظام اُس گھڑی کا کہوں حال کیا
جب اُس نے کہا وہ سحر ہوگئی

۱۔ شعر نمبر ۱۲۔ اور ۲۱ کا مصرع ثانی ایک ہی ہے ؛ مسودے سے مرتب "کلیات نظام" نے نقل کر لیا اور چھاپ دیا ؛ اس طرح یہ نقص رہ گیا ۔ (فائق)

(۳۰۰)

روتے ہیں آگے مرے الفت جتانے کے لیے
یہ نئے انداز ہیں میرے ستانے کے لیے

غیر سے کہتے ہیں وہ میرے ستانے کے لیے
ڈھونڈھ لیں گے ہم بھی کوئی دل لگانے کے لیے

خود میں غمگیں ہوں، مجھے چاہو رلاؤ جس گھڑی
اک بہانہ چاہیے میرے رلانے کے لیے

جاتے ہو تو جاؤ، مڑمڑ کے نہ دیکھو اس طرف
یہ ستم مجھ پر نہ کیجے یاد آنے کے لیے

ہم ہیں اور[1] خاموشی اور[2] دل میں ہزاروں وسوسے
وہ ہیں اور[3] سوسو ہیں حیلے روٹھ جانے کے لیے

یہ ہی ہردم تذکرہ ہے، یہ ہی ہر دم دھیان ہے
وہ چلے، یہ آئے وہ، میرے منانے کے لیے

کچھ خبر بھی ہے تمھیں اپنے مریض عشق کی
یاد ہے کہتا تھا کوئی زہر کھانے کے لیے

سرگزشت غیر سننے کا تو تم کو شوق ہے
ہم بھی ہیں کچھ حال دل اپنا سنانے کے لیے

کس کی باتوں سے تمھارا بزم میں رکتا ہے دل
یہ اشارے ہیں فقط میرے اٹھانے کے لیے

آج بدنامی ہوئی ظاہر تمھارے واسطے
کوئی حجت چاہیے میرے ستانے کے لیے

۱، ۲، ۳ - "اور" بروزن "فع"۔ (فائق)

ہو اگر منظور تو ہے فیصلہ اک بات میں
ورنہ یوں کیا چاہیے جھگڑا بڑھانے کے لیے
آ گئے ہیں تنگ وہ بھی بدگمانی سے مری
کہتے ہیں کیا کیا نہ میرے شک مٹانے کے لیے
روٹھ کے بیٹھے ہو اُن سے کس توقع پر نظام
ہوش میں آؤ، وہ آئیں گے منانے کے لیے!

(۳۰۱)

ربط کچھ ہم نے بڑھایا تھا بڑی مشکل سے
ہائے کیوں اُن سے بگاڑی، کوئی پوچھے دل سے
جا کے محروم پھر آیا جو میں اُس محفل سے
دل تو ہے مجھ سے خجل، مجھ کو خجالت دل سے
دوستی تم کو کسی سے نہیں یہ جھوٹ نہیں
سچ تو کہتے ہو مگر کہتے ہو کس کے دل سے
دل بدل دے مرا یا عادتیں اس کی یا رب!
کوئی صورت نہیں بننے کی بت عاقل سے
ناتواں وہ ہوں جدھر دھیان گیا ساتھ گیا
راہ سے کام، نہ مطلب ہے یہاں منزل سے
جھوٹی باتوں کو نہ دشمن کی کہیں سچ سمجھے
کیا کیا تم نے، عبث حال کہا قاتل سے
نا اُمیدی کوئی اُس خستہ جگر کی پوچھے
قتل کی بھی جسے اُمید نہ ہو قاتل سے
یاں جو گزری ہے وہ گزری ہے؛ مگر خوف یہ ہے
داورِ حشر نہ کچھ پوچھے ترے بسمل سے

دم رنجش وہ لگاوٹ سے کسی کا کہنا
پھر عبث شکوہ ، اگر راہ ہے دل کو دل سے

اب کی ذلت میں بھی وہ لطف ملا ہے کہ نہ پوچھ
یوں تو سو بار میں نکلا ہوں ، تری محفل سے

شام ہی سے یہ دعا تھی کہیں چمکے خورشید
بگڑے کیا کیا وہ شب وصل مہ کامل سے

شوخیاں غیر کی یوں اور کوئی کیا جانے
مجھ سے پوچھے کوئی یا پوچھے تمہارے دل سے

تیری خواہش ہی تو دنیا سے نرالی ہے نظام
سہل بر آئے گی ؟ بر آئی بھی ، تو مشکل سے

(۳۰۲)

نہیں ہر بات پر نہیں ہوتی
ہوتی کچھ ، اس قدر نہیں ہوتی

صبر کر لیتے تیرے ملنے سے
بے قراری اگر نہیں ہوتی

کل بھی تو یہ ہی شب تھی ، یہ ہی سحر
آج یارب سحر نہیں ہوتی

تم تو کہنے کو کہتے ہو سب کچھ
دل کو تسکیں مگر نہیں ہوتی

ہائے افسوس ، حیف ، آہ ، غضب
شب غم کی سحر نہیں ہوتی

آرزو دل کی کہہ تو لیتے ہم
گو لبوں پر اُدھر نہیں ہوتی

کب تلک روئیں ، کب تلک تڑپیں
شب غم تو بسر نہیں ہوتی

ہم پہ کیا کچھ گزر گیا شب غم
تمھیں کچھ بھی خبر نہیں ہوتی

تم تو وعدے پہ آؤ گے سچ ہے
دل کو تسکیں مگر نہیں ہوتی

یا ہمیں ہم تھے ان کی محفل میں
یا وہاں تک گزر نہیں ہوتی

جان پر یاں تو بن گئی افسوس
اور ان کو خبر نہیں ہوتی

آہ و زاری پہ میری کہتے ہیں
آہ کیا بے اثر نہیں ہوتی

نظر آتا خدا ہے ہم کو نظام
صلح اس بت سے گر نہیں ہوتی

(۳۰۳)

دنیا کی سر پہ آفتیں لیں ، تیرے واسطے
کیا کیا سہا نہ دشمن دیں ! تیرے واسطے

لب بند ہوگئے مرے عالم غشی کا ہے
آنکھیں کھلی رہیں ، تو رہیں ، تیرے واسطے

آلیں گے ایسے صدمے تو کچھ تو کریں گے پھر
جائیں گے ہم کہیں نہ کہیں تیرے واسطے

تدبیر کس کی ، اب تو ہے تقدیر میں کلام
اس درجہ میں نے کوششیں کیں تیرے واسطے

ظاہر یہ سب پہ ہے، نہیں اچھا کسی کا ذکر
بدنام اک ہوئے تو ہمیں تیرے واسطے
فرقت کی شب ہے یا کہ قیامت کا روز ہے
گردوں مگر ہے برسرِ کیں تیرے واسطے
رنجش کے وقت سچ ہے نہ آیا مجھے خیال
جاتی ہے اب تو جان حزیں تیرے واسطے
کیا وہ ہر اک کو کہتے ہیں قاصد برا بھلا
ہوسکتی ہے یہ بات کہیں تیرے واسطے
تجھ سے تو بات بھی نہیں کرتے نظام وہ
افسوس اتنی بات نہیں تیرے واسطے

(۳۰۲)

ایسے انجان ہوئے ایسے ہی ناداں ہوگے
کچھ تو تم واقف حال دل سوزاں ہوگے
دل بے تاب کا کچھ حال دکھاتا تم کو
ہائے تم پاس نہ میرے شب ہجراں ہوگے
کل کی باتوں کی خبر ہوگئی کیا غیر کو بھی
آج تم کس لیے شرمندۂ احساں ہوگے
کہہ چکے تم تو کہ الفت کا نتیجہ ہے ستم
غیر سے مل کے یقیں ہے کہ پشیماں ہوگے
یاد آئیں گے یہ احسان تمھارے شب ہجر
اور[۱] یہی باعث ایذائے فراواں ہوگے

۱ــ ''اور'' بر وزن ''فع'' ۔ (فائق)

اس بناوٹ کا دکھانا ہمیں، پھر کیا حاصل
آج کی رات کہاں دیکھیے مہماں ہو گے

پوچھتا کیا ہے کہ تو دوست سمجھتا ہے مجھے
اور اب اس کے سوا کیا میں کہوں ، ہاں ہو گے

اک نظر ہی میں لیا دل تو، پر اب لطف ہے قہر
جانتا ہوں کہ مری جان کے خواہاں ہو گے

دوستو تم سے کسی طرح نہ بن آئے گی واں
دیکھ کر اس کو مری طرح سے حیراں ہو گے

پوچھتا کون ہے اس بزم میں ایسوں کو نظام
جا کے بے فائدہ منت کش درباں ہو گے

(۳۰۵)

بے وجہ تم کو میری طرف سے ملال ہے
یاں یاد بھی نہیں تمہیں وہ ہی خیال ہے

کہتے ہیں مجھ سے آپ مجھے جانتے ہیں کیوں
جس کا جواب ہی نہیں، یہ وہ سوال ہے

یہ سچ ہے زیست ہے تو پھر ان سے ملیں گے ہم
لیکن غم فراق میں جینا محال ہے

مٹتا ہے ایک بات میں جھگڑا یہ روز کا
منظور ہو تمہیں تو ابھی انفصال ہے

گر کچھ دنوں رہا یوں ہی تو زیست کب رہی
اک ایک دن فراق کا اک ایک سال ہے

لائق ترے ستم کے بھی ظالم نہیں ہوں میں
میرا قصور ہے تجھے کیوں انفعال ہے

جو جو مزے کیے ہیں زباں سے میں کیا کہوں
پاس اپنے آج تک ترے منہ کا اگال ہے
گر کہیے اس الم سے کبھی ہوں گے بھی رہا
تو ہنس کے کہتے ہیں یہ محبت کا جال ہے
سب اپنی اپنی کہتے ہیں کس کس کی سنیے ہائے
یاں اور ہی خیال دم انتقال ہے
یہ ظلم دیکھو آ کے مری قبر پر کہا
سب جھوٹ ہے، فریب ہے فقرہ ہے، چال ہے
خواہش نہیں کسی کی کوئی آئے یا نہ آئے
اب تو ترے مریض کا کچھ اور[1] حال ہے
واں ربط غیر قہر، یہاں صبر جاں گداز
اس شوخ کا یہ حال ہے؛ اپنا یہ حال ہے
حالیہ شعر سن کے مرے کہتے ہیں نظام
اب فن شاعری میں تجھے بھی کمال ہے

(۳۰۶)

ظاہر ہوا یہ میری ہی گفتار سے ابھی
آتا ہوں میں ہی محفل اغیار سے ابھی
کس منہ سے یہ کہوں کہ نہ پھر بوسہ لوں گا میں
ایسی تو بات ہوگی گنہگار سے ابھی

۱- ''اور ہی'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۰۸) میں ہے؛ اس طرح حرف بھی گرتے ہیں اور عیب تنافر بھی پایا جاتا ہے؛ ''ہی'' کاتب کا سہو ہوگا، اس لیے ''ہی'' حذف کیا گیا (فائق)

کیوں آپ سے کہوں مگر اک ایسی بات ہے
سن کر گلے لگا لو مجھے پیار سے ابھی

اچھا کیا جو جھانک کے در بند کر لیا
ٹکرا کے سر کو پھوڑوں گا دیوار سے ابھی

اس کا وہ بات بات پہ کہنا شب وصال
میں روٹھ جاؤں گا تری تکرار سے ابھی

گر کہیے یہ ستم ہے تو ہم جان سے گئے
تو ہنس کے کہتے ہیں مری بیزار سے ابھی

کہتے ابھی ہیں اس نے مرا دل جلا دیا
واقف نہیں ہے آہ شرر بار سے ابھی

اے دل! ذرا ٹھہر کہ یہ کیا آ گیا نظر
جھانکا کسی نے روزن دیوار سے ابھی

اب دل ہے کس کے پاس جو تجھ کو دکھائیے
پامال ہو گیا تری رفتار سے ابھی

یاں تیرا انتظار ہے کیوں آئی ہے قضا
لے سکتی جان ہے ترے بیمار سے ابھی

لطف وصال تو مری قسمت میں ہو نہ ہو
تسکین دل ہوئی ترے اقرار سے ابھی

یہ کیا کیا نظام کہ پھر جی لگا لیا
اچھا ہوا تھا تو تو اس آزار سے ابھی

(۳۰۷)

اگر کہوں کوئی اتنی[1] جفا بھی کرتا ہے
تو ہنس کے کہتے ہیں کچھ تو خدا بھی کرتا ہے

شب وصال میں کوئی حیا بھی کرتا ہے
کوئی بتائے تو ایسا ہوا بھی کرتا ہے

ہماری باتوں کو سن سن کے نامہ‌بر نے کہا
وہ ایسی باتیں کسی کی سنا بھی کرتا ہے

یہ بات پوچھتے ہم واں کے جانے والوں سے
ہمارے باب میں وہ کچھ کہا بھی کرتا ہے

ستم سے اپنے ندامت پھر آپ کو ہے عبث
سوائے شکر کوئی کچھ گلا بھی کرتا ہے

جو بے وفائی کرے سب سے وہ تو کیا شکوہ
غضب تو یہ ہے کسی سے وفا بھی کرتا ہے

یہ کیا ستم ہے کہ بہتان مفت کے مجھ پر
کسی طرح کا کوئی تذکرا بھی کرتا ہے

کب ایسا ہے کوئی واں جانے اور[2] مری سی کہے
جو غیر کرتے ہیں وہ آشنا بھی کرتا ہے

سبب کچھ اور ہی ہوگا مگر یہ بات بھی ہے
وہ ہم سے ملتے ہوئے کچھ حیا بھی کرتا ہے

۱- ''اتنا'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۰۹) میں سہو کتابت ہے۔
''اتنی'' تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)
۲- ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

میں جانتا ہوں کہ اب میرے مدعا کی کہی
جواب میں جو توقف ذرا بھی کرتا ہے
یہ بے وفا تمھیں سب تو غلط بھی کہتے ہیں
مگر کوئی تو شکایت بجا بھی کرتا ہے
نظام کا بھی عجب حال ہے ، عجب ہے طریق
بتوں کی یاد بھی ، یاد خدا بھی کرتا

(۳۰۸)

اس[1] سے پھر کیا گلا کرے کوئی
جو کہے من کے کیا کرے کوئی
ہم بھی کیا کیا کہیں خدا جانے
گر ہماری سنا کرے کوئی
ہائے وہ باتیں پیار کی شب وصل
بھولے کیا ، یاد کیا کرے کوئی
لوگ کیوں پوچھتے ہیں حال مرا
ذکر کس بات کا کرے کوئی

۱- نظام کی یہ غزل (نمبر ۳۰۷) غالب کی اس مشہور غزل کی زمین میں ہے جس کا مطلع ہے ؟
ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
اس غزل کے بعض مصرعے غالب کے مصرعوں سے متوارد ہیں اور بعض اشعار کا مضمون بھی مثلاً شعر نمبر ۶ - لیکن پوری غزل کا ڈھانچہ ایک ہی رنگ میں ہے - اور نظام نے حتی الوسع توارد سے بچنے کی کوشش کی ہے - (فائق)

درد دل کا علاج ہو کس سے
یوں مسیحا ہوا کرے کوئی

بے وفا گر کہوں تو کہتے ہیں
کیا ہر اک سے وفا کرے کوئی

جائے گر جاں تو سو ہیں تدبیریں
جائے گر دل تو کیا کرے کوئی

کوئی اپنی خطا تو ہو معلوم
عذر کس بات کا کرے کوئی

دل کا کچھ حال ہی نہیں کھلتا
گر مرض ہو دوا کرے کوئی

کبھی میں نے بھی کچھ کہا تم سے
نہ سنو ، کچھ کہا کرے کوئی

تم سے بے رحم پر نہ دل آئے
اور آئے تو کیا کرے کوئی

سیکڑوں باتیں کہہ کے کہتے ہیں
پھر ہمیں کیوں خفا کرے کوئی

کوئی کب تک نہ دے جواب تمہیں
چپکا کب تک سنا کرے کوئی

شکوہ اُس بت کا ہر کسی سے نظام
اُس سے کہہ دے خدا کرے کوئی

(۳۰۹) :

فکر یہی ہے ہر گھڑی ، غم یہی صبح و شام ہے
گر نہ ملا وہ کچھ دنوں ، کام یہاں تمام ہے

اب ہیں ہمارے نام پر سیکڑوں گالیاں یہ لطف
کہتے تھے تم میاں میاں ، وہ ہی تو یہ غلام ہے

خیر نہ ملیے روز روز ، یوں ہی سہی کبھی کبھی
اس سے بھی انحراف ہے ، اس میں بھی کچھ کلام ہے

اے دل بے قرار ! کچھ گر وہ رکے تو رکنے دے
فائدہ اضطراب سے ، صبر کا یہ مقام ہے

کوئی کہے برا بھلا ، کوئی عدو ہو یا ہو دوست
اور کسی سے کام کیا ، آپ سے مجھ کو کام ہے

ہائے ہر اک کی وہ سنے ، کچھ میں کہوں تو یہ کہے
آپ نہ مجھ سے کچھ کہیں ، آپ سے کب کلام ہے

آج ہیں ہم تو جاں بہ لب کل کو گر آئے بھی حصول
تم کو کسی سے کیا غرض ، اپنی خوشی سے کام ہے

یہ بھی غضب کا رشک ہے ، خط تو ہے نام غیر پر
اور لفافے پر لکھا ، سہو سے میرا نام ہے

کس کو کیا شہید ناز ، کس کی ہوئی وفا پسند
کہتے ہیں اُن کے دَر پر آج خلق کا ازدحام ہے

اب ہیں فریب کس لیے ، ہوگا یقیں کسی کو اب
تم سے وفا کی آرزو ، یہ بھی خیال خام ہے

توبہ کا یاں کسے خیال ، مے کو سمجھتے ہیں حلال
جس کے لیے حرام ہے ، اُس کے لیے حرام ہے

دن ہو تو آفتیں یہ کچھ، رات ہو تو یہ کچھ ستم
کیسی ہماری صبح ہے ، کیسی ہماری شام ہے
ہجر کے وہ ستم سہے ، اب نہ رہی ہوائے وصل
حال یہی ہے نامہ بر یہ ہی مرا پیام ہے
سن کے مری فغاں کا شور ، پوچھا کسی نے کون ہے
بولے سنا نہ ہوگا کیا ، یہ تو وہی نظام ہے

(۳۱۰)

بگڑنے سے تمہارے کیا کہوں میں ، کیا بگڑتا ہے
کلیجا منہ کو آ جاتا ہے دل ایسا بگڑتا ہے
شب غم میں پڑے تنہا تسلی دل کی کرتے ہیں
یہی عالم کا نقشہ ہے ، سدا بنتا بگڑتا ہے
وہ یاد آتا ہے عالم وصل کی شب کا وہ آرائش
وہ کہنا چھو نہ اس دم ، زلف کا حلقا بگڑتا ہے
ہمارے اٹھ کے جانے میں تری کیا بات بنتی ہے
ہمارے یاں کے رہنے میں ترا کیا کیا بگڑتا ہے
وہ کچھ ہوجانا رنجش اس پری سے باتوں باتوں میں
وہ کہنا پھیر کر منہ یہ تو کچھ اچھا بگڑتا ہے
جو بعد از عمر خط لکّھا تو یہ تقدیر کا لکّھا
عبارت گر کہیں بنتی ہے تو معنا بگڑتا ہے
اگر خاموش رہتا ہوں تو جی پر میرے بنتی ہے
اگر کچھ منہ سے کہتا ہوں تو وہ کیسا بگڑتا ہے
سفارش پر بگڑ کر ہائے وہ اس شوخ کا کہنا
منا لیتا اسے میں پر مرا شیوا بگڑتا ہے

نظام اُس کی عنایت ہے تو پھر کس بات کا غم ہے
بناتا ہے وہ جس کا کام ، کب اُس کا بگڑتا ہے

(۳۱۱)

جو سرگزشت اپنی ہم کہیں گے، کوئی سنے گا تو کیا کریں گے
جو یاد آئیں گی تیری باتیں تو چپ ہی پہروں رہا کریں گے
جو چاہو کہہ لو، یہی خوشی ہے تو ہم بھی پھر کیوں گلا کریں گے
جو کچھ سنائے گی اپنی قسمت ، تمھارے منہ سے سنا کریں گے
کسے غرض ہے ' پھر آپ کو کیوں' صنم کا بندا کہا کریں گے
جو یوں ہی ہم کو بھلائیں گے وہ تو ہم بھی یاد خدا کریں گے
عبث یہ ہر دم کا چونکنا ہے، عبث یہ اٹھ اٹھ کے دیکھنا ہے
بھلا وہ ایسے ہونے تھے کس دن ، وہی تو وعدہ وفا کریں گے
الٰہی قاصد ابھی نہ آئے' کہ یہ توقع بھی ہے غنیمت
کیا گر انکار صاف اُس نے تو دل کی تسکین کیا کریں گے
لو مل بھی جاؤ نہ کچھ تمھاری خطا تھی اس دم نہ کچھ ہماری
جو یہ ہی دل کے معاملے ہیں تو یوں ہی جھگڑے رہا کریں گے
ہمیں تو دیکھو یہ کیا ہوا ہے کہ اُن کے کہنے کا پھر یقیں ہے
وہ جھوٹ یوں ہی کہا کریں گے: عدو سے یوں ہی ملا کریں گے
ستم کی کیجیے اگر شکایت تو کہتے ہیں بس تمھیں بھی دیکھا
یہاں کچھ ایسی غرض ہے کس کو کسی پہ ہم کیوں جفا کریں گے
یہ سچ ہے ناصح ! نہ ہوگا ملنا ، نہیں ہے اچھا 'نہ ہوگا اچھا
پھر آپ کو کیا برا کریں گے تو اپنے حق میں برا کریں گے
نظام تقریر پھر عبث ہے جواب کچھ اُس کا دے سکو گے
وہ اُس کا ہر بات پر یہ کہنا کہ ہم تو اپنا کہا کریں گے

(۳۱۲)

وہ ایسے بگڑے ہوئے ہیں کئی مہینے سے
کہ جاں پہ بن گئی ، تنگ آ گیا میں جینے سے
ہوئے نمود جو پستاں تو شرم کھا کے کہا
یہ کیا بلا ہے جو اٹھتی ہے میرے سینے سے
وہ دور کھچ کے شب وصل اُس کا یہ کہنا
کوئی اِدھر ہی کو بیٹھا رہے قرینے سے
جو بوسہ دیتے ہیں تو لب بچاتے[1] ہیں لب سے
لپٹتے[2] بھی ہیں تو سینہ چرا کے سینے سے
وہ ساتھ سونا کسی کا ، وہ گرم جوشی ہائے
نمی وہ جسم کی چولی وہ تر پسینے سے
خوشی یہی ہے کہ اک دن تو غم سے چھوٹیں گے
نہ موت آئے تو کیا حاصل ایسے جینے سے
وہ نیچی نیچی نگاہوں سے دیکھنا مجھ کو
وہ پیار تکیے کو کرنا لگا کے سینے سے
یہی وہ راہ ہے جو دل سے دل کو ہوتی ہے
حصول کون سا چاک جگر کے سینے سے ؟
میں اور کچھ نہیں کہتا مگر یہ سن رکھیے
عدو کا دل ہے لبالب حسد سے ، کینے سے

۱- ''بچاتے'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۱۳) میں غلط ہے - ''بچاتے'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

۲- ''لپٹیے'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۱۳) میں غلط ہے - ''لپٹتے'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

خدا کی شان ہے یہ بات اور منہ آل کا
نظام پھر کروں توبہ شراب پیتے ہے

(۳۱۳)

مری سانس اب چارا گر ٹوٹتی ہے
کبھی جڑتی ہے پھر کبھی ٹوٹتی ہے

یہ خو ہے تمھاری تو کیوں کرنے کی
ادھر بنتی ہے تو ادھر ٹوٹتی ہے

نہ ہم پر ہنسو ، حال ہوتا ہے یہ ہی
مصیبت جو انسان پر ٹوٹتی ہے

سمجھتا ہوں کچھ میں بھی باتیں تمھاری
یہ ہر طعن کیا غیر پر ٹوٹتی ہے

خدا کے لیے پھر تو ایسا نہ کہنا
مری آس اے نامہ بر! ٹوٹتی ہے

یہاں جس کے بے دیکھے جی ٹوٹتا ہے
وہاں اس کی ہر دم نظر ٹوٹتی ہے

غضب ہاتھا پائی کا ہے، لطف ہوتا
کوئی ان کی چوڑی اگر ٹوٹتی ہے

۱- ''کبھی پھر'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۱۳) میں کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ مصرع ناموزوں ہے ، ''پھر کبھی'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

۲- ''ہوتا ہے لطف'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۱۳) میں ہے - مصرع ناموزوں ہے - کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے ، ''ہے لطف ہوتا'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

عدو کا بھی تو گھر ہے اے چرخ ظالم !
جو آفت ہے میرے ہی گھر ٹوٹتی ہے
تری بات کا کیا ہے عنوان قاصد !
توقع ہماری مگر ٹوٹتی ہے
یہ غم ہے تو رونا بھی اپنا یہی ہے
یہ رونا ہے تو چشم تر ٹوٹتی ہے
یہ کہنا نظام اب تو سونے دے مجھ کو
کوئی بیٹھے کب تک کمر ٹوٹتی ہے

(۳۱۴)

تم بگڑو غیر سے ابھی اک ایسی بات ہے
میں کہہ تو دوں پر اور کے کہنے کی بات ہے
هم آپ سے خفا هوں کوئی ایسی بات ہے
کیا کہتے هو یہ آپ کے کہنے کی بات ہے
هم غیر کا گلہ کریں ، تم بگڑو اس قدر
هاں کیوں برا نہ مانو کہ یہ اپنی بات ہے
وہ گو کہ غیر سے کہیں کچھ بات اور هی
میں یہ هی جانتا هوں کہ کچھ میری بات ہے
یہ تو نہ کہیے زهر سی لگتی ہے تیری بات
پھر کہیے کون سی مرے جینے کی بات ہے
یہ کون آکے در پہ موا ، کچھ سنا ہے آج
تم کیوں سنو گے غیر کے مرنے کی بات ہے
هر وقت هم سے چھیڑ یہ عادت ہے کیا بھلی
هر بات پر بگاڑ ، یہ کیا اچھی بات ہے

سب کے تو ہم برے ہوئے اک تیرے واسطے
اور' تو بھی پھر برا کہے کیا اچھی بات ہے

دشمن سے آن سے ہوتے ہیں جو عہد، یہ ستم
پھر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیسی بات ہے؟

اُلفت ہے مجھ سے آپ کو، یوں کہیے غیر سے
کیا اس کا اعتبار یہ منہ دیکھی بات ہے

آتے ہی میرے کس لیے خاموش ہوگئے
پھر مجھ سے کیوں چھپاتے ہو، گر میری بات ہے

کہتے ہیں اور باتیں زیادہ ہیں سب نظام
ہم تجھ سے بول لیتے ہیں یہ تھوڑی بات ہے

(۳۱۵)

مجھ سے اُلفت ہے، کہہ دیا یہ بھی
تیری عادت ہے بے وفا یہ بھی

کبھی ملنا سہی سہا یہ بھی
نہیں منظور تم کو کیا یہ بھی

کیوں نہ اپنی خطا کا عذر کیا
مجھ سے' یہ بھی ہوئی خطا یہ بھی

وہ بھی حیراں ہیں حال پر میرے
کچھ عجب ہے معاملا یہ بھی

۱- ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)
۲- ''یہ بھی'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۱۵) میں زائد معلوم ہوتا ہے۔ ''یہ بھی''ردیف ہے، کتابت کی غلطی ہوسکتی ہے۔ ''کیسی'' سے بندش درست ہو جاتی ہے - (فائق)

تم مناتے تو پھر روٹھاتے کیوں
ایک انداز جور تھا یہ بھی

حال سن سن کے میرا کہتے ہیں
مفت بدنام ہوگیا یہ بھی

تم مرے دیکھنے کو کیوں آئے
غیر کا کچھ فریب تھا یہ بھی

تم اگر پوچھتے تو کہتا کچھ
دل میں ارمان اک رہا یہ بھی

داد بھی چاہتا ستم کے بعد
مجھ پر احسان ہے[1] آپ کا یہ بھی

کل بھی تو آپ نے کہا تھا کچھ
آج جو کہتے ہو سنا یہ بھی

کیا کسی سے وفا نہیں کرتے
ہے طریقہ تو آپ کا یہ بھی

دل بے تاب نے ہمیں مارا
آئے ، یا صبر جائے ، یا یہ بھی

بے سبب ایسا دل کا گھبرانا
کچھ نہ کچھ رنگ لائے گا یہ بھی

پیار سے دیکھیے تو کہتے ہیں
ہاں ارادہ ہے آپ کا یہ بھی

۱- ''ہے'' تصحیح قیاسی ہے مطبوعہ مصرع میں ''ہے'' نہیں ہے۔ اگر مصرع کی نثر بنائی جائے تو ''ہے'' کی کمی محسوس ہوتی ہے - فائق

روکنا کس کا ، کہہ تو لیتے ، کچھ
دم رخصت نہ ہوسکا یہ بھی
جانتے ہو نظام کو کیا تم
ایک ہے اپنی وضع کا یہ بھی

(۳۱۶)

درد دل کی سے ، گو اُن کو دوا آتی ہے
پر مجھے کہتے ہوئے شرم و حیا آتی ہے
کہتے ہیں ظلم ابھی کس نے کیا ہے تم پر
تم سمجھتے ہو مجھے طرز وفا آتی ہے
دل میں تاب آتی ہے ، کیا کوئی پیام آتا ہے
تن میں جان آتی ہے ، کیا باد صبا آتی ہے
حق تعالیٰ کسی کافر کے نہ پالے ڈالے
دل تو کیا آتا ہے ، اک جان پہ بلا آتی ہے
چپ پڑے رہنے کا حیلہ تو یہ مل جاتا ہے
بے ترے شب کو ہمیں نیند بھلا آتی ہے
سن کے قاصد سے مرا حال کہا کیا کریں ہم
روز وہ مرتے ہیں ، موت اُن کو سدا آتی ہے
ہم کہیں غیر کو اچھا ، یہ تمھاری خوبی
ایسی تقریر کسی کو بھی بھلا آتی ہے
رشک کس کس کا کریں ، سمجھیں عدو کس کس کو
پاس اس بت کے تو اک خلق خدا آتی ہے
داد میں چاہتا وہ چاہتے ہیں اُلٹی داد
مجھ سے کہتے ہیں مجھے کیسی جفا آتی ہے

آن کا آنا تو کہاں گر ہے یہی درد فراق
تو یہ ہم سمجھے ہوئے ہیں کہ قضا آتی ہے

مجھ سے کہتے ہیں کہ اچھا کرو سب میں بدنام
جانتے ہو مجھے دینی بھی سزا آتی ہے

کیسی تاثیر وہ دعوا کسے، ناز اس کا ہے
دل سے لب تک تو کبھی آہ رسا آتی ہے

حال کچھ سن کے وہ اس رشک پری کا کہنا
ان فریبوں میں ترے، میری بلا آتی ہے

کوسنا ہی تمھیں آتا ہے مریض غم کا
اور تدبیر بھی کچھ اس کے سوا آتی ہے؟

آہ و زاری کے سوا یاد بھی وہ عیش نہیں
شب غم ساتھ لیے رنج و اذا[1] آتی ہے

کیا کہیں آپ کے نزدیک ہی رہتا ہے نظام
روز پچھلے کو جو رونے کی صدا آتی ہے

(۳۱۷)

توجہ سہی ہم پہ کم اور بھی
ترے پاس آئیں گے ہم اور بھی

توقف کریں جان دیتے ہیں ہم
جو منظور ہو کچھ ستم اور بھی

---

۱ - ''اذا'' بالفتح آزار و انچہ ازاں آزار باشد - شمس‌اللغات جلد ۱، صفحہ ۳۵ - (فائق)

الٰہی غم عشق اپنے نصیب
زمانے میں تھے درد و غم اور بھی
یہاں درد دل اور[1] وہاں ربط غیر
ترقی یہ ہے دم بہ دم اور بھی
ترے کشتۂ ناز کی نعش ہے
ذرا ساتھ چل دو قدم اور بھی
وہ ہنستے تو ہیں میرے رونے پہ شکر
رواں اشک ہوں چشم نم اور بھی
نہ ترک جفا ہو، وفا تو کہاں
غضب ہے وہ عذر ستم اور بھی
عدو کا نہ پھر نام لیتے کبھی
اگر رہتے ہم تم بہم اور بھی
چلے جانا گھبرا کے اٹھنا ہی کیا
توقف سہی کوئی دم اور بھی
تمھیں آئنہ شانہ کیا چاہیے
بنے بگڑے گیسو کا خم اور بھی
غنیمت ہے کم کم بھی آن کا تپاک
نہ قسمت سے ہوجائے کم اور بھی
توہم کہوں وصل کے کیا نظام
خوشی کا تو ہوتا ہے غم اور بھی

---

۱ - ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

(۳۱۸)

ذکر کس بات کا چھیڑا تو نے
ہائے کیا یاد دلایا تو نے

نامہ بر! اُس سے کہا کیا تو نے
حیف کچھ یاد نہ رکھا تو نے

شب غم کیسے گزر جاتی ہے
ایک دن بھی نہ یہ پوچھا تو نے

میرے ہی ملنے میں بدنامی ہے
یہ بہانہ لیا اچھا تو نے

یہ ستم کس سے اُٹھے اے ظالم!
کیوں کیا عذر ستم کا تو نے

دیکھ کر غیر کو، شوخی دیکھو
مجھ سے کہتے ہیں کہ دیکھا تو نے

یہ تو اُمید مجھے تجھ سے نہ تھی
کہہ تو ظالم یہ کیا کیا تو نے

ہم سے اقرار تھے کیا کیا تیرے
کیے تھے عہد وہ کیا کیا تو نے

بدگماں میں ہوں، تو تُو ہے بدعہد
مجھے بھی خوب ہی سمجھا تو نے

اس کی اُلفت نہ مجھے دینی تھی
جان لی ہوتی خدایا تو نے

یاد ہیں مجھ کو بھی وہ لطف نظام
ہائے کیا یاد دلایا تو نے

(۳۱۹)

تم سے امید بر آئے کوئی
تمھیں کیا جان سے جائے کوئی

وہ ملے آج تو روٹھے سب دوست
روز کس کس کو منائے کوئی

میری گستاخیوں پہ کہتے ھیں
تجھے تو منہ نہ لگائے کوئی

سب یہاں کہتے ھیں اپنی اپنی
پاس تک اُن کے تو جائے کوئی

صبر ھی دل کو مرے آ جائے
یہ ھی تدبیر بتائے کوئی

دل کو سمجھائیں بھی لیکن کب تک
یاد رہ رہ کے جب آئے کوئی

آ ھی جاتی ھے لبوں پہ کوئی بات
راز دل کیسے چھپائے کوئی

آپ سے مل کے نصیحت یہ ھوئی
دل کسی سے نہ لگائے کوئی

میں سمجھتا ھوں کہ تو ھی آیا
دور سے جب نظر آئے کوئی

اُس کا کہنا وہ شب وصل **نظام**
ھاتھ مجھ کو نہ لگائے کوئی

(۳۲۰)

آپ نے آج نکالی ہے یہ تکرار نئی
یہ نیا لطف ہے، تقریر ہے ہر بار نئی

سامنے کو دیکھتے چلنا، کبھی کچھ کہہ جانا
یہ طریقہ ہے نیا اور یہ رفتار نئی

کوئے جاناں میں گر اب جائیں بھی تو کیا دیکھیں
کوئی روزن نہ رہا، بن گئی دیوار نئی

یہی تقدیر ہے اپنی تو رسائی معلوم
روز تدبیر وہاں کرتے ہیں، اغیار نئی

ہر ادا میں تری انداز نکلتا ہے نیا
تیری ہر بات ہے اے شوخ ستم گار نئی

کبھی کچھ حال ہے اپنا، کبھی کچھ صورت ہے
صورتیں مجھ کو دکھاتا ہے غم یار نئی

یہی اغیار کی صحبت ہے تو کیا کچھ ہوگا
عادتیں آپ کی پہلے سی ہیں دو چار نئی

کسی حیلے سے یہاں پر اسے لے آئیں گے
کوششیں کرتے ہیں کیا کیا مرے غم خوار نئی

خواب میں دیکھ کے اُس کو قلق دل ہو سوا
تیری تاثیر ہے یہ طالع بیدار نئی

دل کو ایذا بھی ہے پر لطف بھی ہے سب سے جدا
مرض عشق میں ہے لذّت آزار نئی

صلح ٹھہری تو ہے پر ہے یہ ابھی خوف نظام
کوئی حجت نہ نکالے وہ جفا کار نئی

(۳۲۱)

هم کیوں[1] ملیں کسی سے یہ اچھا جواب ہے
ہر اور سے بھی یا یہ مجھی سے خطاب ہے؟
کچھ انتہا بھی وہم کی، وہ کیوں نہ تنگ آئے
سچ تو یہ ہے، ہماری بھی عادت خراب ہے
بیزار جس قدر ہو وہ، مائل ہو اور دل
کیا اس کا حال کہیے یہ اُلفت کا باب ہے
مضمون سوجھتے ہیں ہزاروں نئے نئے
قاصد! یہ خط نہیں مرے غم کی کتاب ہے
عادت کے کیوں برے ہو کہ اچھے ہو ہر طرح
کچھ اس میں بات ہے کہ جو مجھ پر عتاب ہے
وعدہ خلافیوں کو تمھاری میں کیا کہوں
کہتے ہو تم تو مجھ کو عبث اضطراب ہے
اچھا نہیں کے کہنے کی عادت ہی ہو کہیں
ہر بات کا ہماری وہی اک جواب ہے
گر وصل ہو تو اور قلق دل کا ہو سوا
یا رب! یہ میری جان پہ کیسا عذاب ہے؟
آئے بھی وہ، چلے بھی گئے، یاں کسے خبر
حیراں ہوں میں، خیال ہے یہ یا کہ خواب ہے
ہمسائے آ کے وہ رہیں اور[2] رنج ہو سوا
اے چرخ! آفریں، یہ عجب انقلاب ہے

۱- ''کیوں'' تصحیح قیاسی ہے۔ نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۱۹) میں ''ہم ملیں'' ہے، مصرع ساقط الوزن ہے۔ (فائق)
۲- ''اور'' بر وزن ''فع'' ۔ (فائق)

کہتے ہیں میرے آگے کسی کا نہ ذکر آئے
اللہ ! میرے نام سے یہ اجتناب ہے
ناحق کسی کے دعوے میں سچ تو یہ ہے نظام
اُس بت کے آگے کچھ کہے یہ کس کی تاب ہے

(۳۲۲)

جھگڑے شب وصال یہ باہم دگر پڑے
کروٹ سے اپنی اپنی، رہے تا سحر پڑے
اندھا اگر جہان کہے ، منظور ہے مجھے
کچھ اور گر دکھے نہ دکھے تو نظر پڑے
اُس کا بگڑ بگڑ کے وہ کہنا جھٹک کے ہاتھ
کچھ واسطہ بھی ، کوئی عبث پاؤں پر پڑے
کچھ اُن سے ایسی بات نہ کہنا تو نامہ بر
ایسا نہ ہو کہ تیری بلا میرے سر پڑے
دل ہل گیا جو وصل میں کھٹکا ذرا ہوا
یہ ڈر ہوا کہ چونک نہ مرغ سحر پڑے
کہنا کچھ اُن سے سہل ہے ، دشوار تو یہ ہے
پھر کیا کروں خلاف طبیعت اگر پڑے
اللہ! ہم تو یاں شب غم یوں بسر کریں
وہ سوتے ہوں گے عیش سے واں بے خبر پڑے
کیا چین آئے بستر غم پر جو یاد آئے
کہنا وہ اُس کا خاک ترے پیار پر پڑے
اے نامہ بر ! پھر اُن سے نہ کہنا یہ سرگزشت
صورت اگر ملاپ کی کچھ بھی نظر پڑے

ایسا خودی کو میٹوں ، وہ حیرت زدہ بنوں
آئینہ دیکھوں ، یار کی صورت نظر پڑے

یہ کہہ کے کیا گئے ہیں کہ سن لوگے تم کچھ آج
ٹھہرائی ہے جو دل میں موافق اگر پڑے

اس کا گلہ نہیں کبھی رنجش ہوئی ، ہوئی
ہاں یہ غضب ہے ایسی ہی عادت اگر پڑے

کیوں یہ کہوں کہ آپ کی عادت سے تنگ ہوں
کیوں یہ سنوں کہ صبر تری جان پر پڑے

منہ سے نکل گئی کہ یہ عادت تو کچھ نہیں
اتنی سی بات پر وہ اُلجھ کس قدر پڑے

قاتل کے پاس تک تو میں پہنچا ، زہے نصیب
اب آرزو ہے ہاتھ کوئی کارگر پڑے

تنگ آکے مجھ سے اُن سے یہ کہتے ہیں اب تو سب
ایسے معاملے میں نہ کوئی بشر پڑے

قسمت سے ایک دن بھی نہ ایسا ہوا نظام
کیا کیا خیال باندھتے ہیں رات بھر پڑے

(۳۲۳)

واقف ہی نہیں لذت آزار سے کوئی
اس بات کو پوچھے ترے بیمار سے کوئی

یہ کہہ کے جھجک کر وہ لپٹ جانا کسی کا
وہ جھانکتا ہے روزن دیوار سے کوئی

یوں حال ہم اپنا کہے دیتے ہیں کسی سے
کہہ دیں گے اگر پوچھے گا تکرار سے کوئی

گر کہیے کہ اس وعدہ خلافی کا سبب کیا
کہتے ہیں کہ کیا پھر گیا اقرار سے کوئی

یوں نیچی نگہ کر نہ چلو، مڑ کے بھی دیکھو
پامال ہوا جاتا ہے رفتار سے کوئی

بے فائدہ قسمیں ہیں، یہ انکار عبث ہیں
پہچان بھی کچھ جائے گا آثار سے کوئی

مطلب کو سمجھ کر وہ کسی شوخ کا کہنا
یہ باتیں ہوا کرتی ہیں تکرار سے کوئی

میری نہ سنی ایک بھی اپنی کہیں صدہا
بر آئے گا اس شوخ جفا کار سے کوئی

کیا جی لگے بے آپ کے، انصاف تو کیجے
تنہا کرے باتیں در و دیوار سے کوئی؟

گر وہ نہیں سنتے نہ سنیں، غم نہیں اس کا
پر میری حقیقت کہے اغیار سے کوئی

وہ ان کا مزاج اور نظام آپ کی یہ خو
تنگ آئے نہ کب تک تری تکرار سے کوئی

(۳۲۴)

کیوں بار بار عرض تمنّا کرے کوئی
جب مانتے نہ ہو تو نہ پوچھا کرے کوئی

ضد[۱] ہے ہماری اور اُدھر منہ کو پھیر لو
دیکھیں گے ہم تو، ہم کو نہ دیکھا کرے کوئی

۱- "سے" ؟ - (فائق)

سچ ہے نصیب میں نہ ہو جو بات، کیسے ہو
تدبیر اُس کے ماننے کی پھر کیا کرے کوئی

پھر اُن کو کیا غرض ہے جو بے داد چھوڑ دیں
جس دم کہ شکر رنجش بے جا کرے کوئی

وعدے کو اُن کے کیسے سمجھ لے کوئی غلط
تسکین کس طرح شب وعدا[1] کرے کوئی

دل کس کا کوئی لائے کہ تم سے نہ کچھ کہے
خاموش بیٹھا کس طرح دیکھا کرے کوئی

غیروں کے سامنے تو نہ بے پردہ بیٹھیے
ہاں ہم تو خوش ہیں، ہم سے بھی پردا کرے کوئی

ایذائے انتظار بھی کچھ جانتے ہو تم
منظور گر نہ ہو تو نہ وعدا کرے کوئی

کہتے ہیں کوئی مانے گا ایسی کسی کی کیوں
کچھ اپنے جی میں شوق سے سمجھا کرے کوئی

دل پک گیا نظام کی باتوں سے ہائے ہائے
ایسے خیال خام نہ باندھا کرے کوئی

۱۔ ''شب و عدہ'' صحیح ہے لیکن ''شب وعدہ'' کی ہائے ہوز بہ حالت اضافت الف سے تبدیل نہیں ہوسکتی۔ اساتذۂ متاخرین ایسے عیوب سخن میں شمار کرتے ہیں - (فائق)

(۳۲۵)

حجت نکالی خوب یہ تکرار کے لیے
سوتے میں بوسے کیوں مرے رخسار کے لیے

للہ کچھ تو کہیے نہ بت بن کے بیٹھیے
منہ میں زباں ہے کس لیے گفتار کے لیے

یہ دن تو صرف آپ کے وعدوں میں ہوگئے
اب دن نیا نکالیے اقرار کے لیے

یا رب! مرے نصیب میں درد فراق ہو
اور[1] وصل اُس صنم کا ہو اغیار کے لیے

اک وہ کہ رات دن رہیں محفل میں اُس کی ہائے
اک ہم کہ ترسیں سایۂ دیوار کے لیے

چھپ چھپ کے جاتے ہیں کہیں نامے، کہیں پیام
تجویزیں ہیں نئی مرے آزار کے لیے

ناز بتاں اُٹھانے کی طاقت کسے یہاں
محو دعا ہوں اب تو نہ سرکار کے لیے

اللہ! کیا کروں، مرے اللہ! کیا کروں
جاتی ہے جاں بھی اُس بت عیّار کے لیے

کیجے نہ ذبح ہاتھ تو اک چھوڑیے ادھر
خوں چاٹنے کو چاہیے تلوار کے لیے

کیا نیند آئے لب پہ[2] تو اک آہ آہ ہے
پہلو میں دل تپاں ہے جدا یار کے لیے

۱- ''اور'' بر وزن ''فع''۔ (فائق)

۲- ''لب تو'' کے درمیان ''پہ'' کتابت کی غلطی سے رہ گیا ہے۔ اس لیے تصحیح قیاسی کی گئی ورنہ مصرعہ ناموزوں ہو جاتا (فائق)

مجھ کو نہ دیکھنا تو عدو کو تو دیکھنا
روزن ضرور چاہیے دیوار کے لیے

گر کچھ کہوں تو کہتے ہیں پھر وہ ہی آئی بات
میں بولتا نہیں اسی تکرار کے لیے

اک دم کی زیست کی ہے توقع یہاں کسے
ہو عمر نوح وعدۂ دیدار کے لیے

اللہ! ایک دن نہ بنی اُس سے یہ نصیب
سب سے بگاڑی جس بت عیّار کے لیے

ہو ہو کے گرم شوق سے جل جل کے کوسیے
اب یہ دعا ہے آپ کے بیمار کے لیے

محروم لذتوں سے رہیں زاہدا عبث
رحمت تو ہے خدا کی، گنہ‌گار کے لیے

پہنچیں گے دونوں منزل مقصود پر نظام
ہے راہ ایک کافر و دیں دار کے لیے

(۳۲۶)

خیر یوں ہی سہی تسکیں ہو کہیں تھوڑی سی
''ہاں'' تو کہتے ہو مگر ساتھ ''نہیں'' تھوڑی سی

حال دل سن کے مرا برسر رحمت تو ہیں کچھ
ابھی باقی ہے مگر چین جبیں تھوڑی سی

ہوئی جاتی ہے سحر ایسا بھی گھبرانا کیا
رات گر ہے بھی تو اے ماہ جبیں! تھوڑی سی

جام سے دیکھ کے لبریز، کس انداز کے ساتھ
اُس کا کہنا کہ نہیں، اتنی نہیں، تھوڑی سی

بے خودی یہ دم رخصت تھی کہ سب کچھ بھولا
اُن کی باتیں بھی مجھے یاد رہیں تھوڑی سی

اب یہ پیغام کسی کا کوئی لے کر جائے
ابھی لب پر ہے مرے جان حزیں تھوڑی سی

یوں تو تم روز ہی کہتے ہو سبھی کچھ مجھ سے
آج کی بات ہوئی ذہن نشیں تھوڑی سی

اُن سے کچھ کہہ نہ سکا، میں شب غم کی باتیں
گو کہ بھولا تھا مگر یاد بھی تھیں تھوڑی سی

بوسہ تو اُس لب شیریں سے کہاں ملتا ہے
گالیاں بھی ملیں ہم کو تو ملیں تھوڑی سی

اب تو سب کا ترے کوچے ہی میں مسکن ٹھہرا
یہی آباد ہے دنیا میں زمیں تھوڑی سی

اُٹھے جاتے ہیں ہمیں، آپ نہ بیٹھیں خاموش
آپ کی بات سمجھتے ہیں ہمیں تھوڑی سی

یاد کچھ آ کے یہ حالت ہوئی میری کہ نہ پوچھ
پچھلی گھڑیاں شب غم کی جو رہیں تھوڑی سی

صبح تک شام سے وہ گو کہ رہے پاس مرے
حسرتیں دل کی مگر رہ ہی گئیں تھوڑی سی

کوستے کیا ہو، ابھی ہوتے ہیں ہم شادی مرگ
گر ملے دفن کو کوچے میں زمیں تھوڑی سی

سب مرا حال وہاں کیسے کہے گا قاصد!
تو تو سنتا ہے مری بات نہیں تھوڑی سی

دولت فقر سے سب ہوگئی تسکین نظام
اب کریں کیا طلب تاج و نگیں تھوڑی سی

(۳۲۷)

یہ کیوں کہیں ، کچھ اور ارادا نہ کریں گے
جب جان سے تنگ آئیں گے تو کیا نہ کریں گے

جو بات کہ ہم سمجھے تھے وہ ہائے نہ نکلی
اب کہیے کس امیّد پہ شکوا نہ کریں گے

ظالم تجھے یہ سن کے بھی کچھ رحم نہ آیا
یوں روکے کہیں ہم کہ اب آیا نہ کریں گے

دل ہو کے لہو آنکھوں سے بہہ جائے بلا سے
کچھ ہو ترے ملنے کی تمنّا نہ کریں گے

وہ نالہ کریں گے کہ ہلا دیں گے فلک کو
پر یاد تمہارا قدِ بالا نہ کریں گے

کیا فائدہ کیوں جان بلا میں کوئی ڈالے
اب مفت بھی ہم زلف کا سودا نہ کریں گے

خوش‌بو وہ پسینے کی تری یاد نہ آ جائے
گل کیسا ، کبھی عطر بھی سونگھا نہ کریں گے

وہ زلف جو کاندھے پہ[1] لچکتی ہے نہ ہو یاد
دریا کی روانی کا تماشا نہ کریں گے

وہ بال سنوارا کریں بیٹھے ہوئے اپنے
بگڑا کرے دل ، ذکر بھی اُس کا نہ کریں گے

یاں بگڑے گا کیا ، آپ ہی کی بگڑے گی عادت
ایسے گلۂ رنجشِ بے جا نہ کریں گے

۱- ''یہ'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۲۳) میں صحیح نہیں - ''پہ'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

اب تجھ کو بھلائیں گے ، جو ایذا ہو سہیں گے
فریاد میں بھی یاد ہی اصلا نہ کریں گے

بے ساختہ گھر سے نکل آنا ، ترا بھولیں
اب گوشۂ تاریک سے نکلا نہ کریں گے

دل لاکھ ہو بے تاب مگر چپ ہی رہیں گے
شوخی تری یاد آئے گی ، تڑپا نہ کریں گے

جاگیں گے تو کیا ذکر ، خیال آنے دیں تیرا
گر خواب میں دیکھیں گے تو سویا نہ کریں گے

باتیں تری بھولے سے بھی آ جائیں گی گر یاد
پڑ جائیں گے چپ ، ذکر کسی کا نہ کریں گے

یہ گوشۂ تنہائی تو قسمت میں ہے اپنی
ہم بھول کے بھی یاد وہ جلسا نہ کریں گے

یاد آ کے کوئی بات پھر[1] آیا کریں اک دن
پی جائیں گے ہم اشکوں کو رویا نہ کریں گے

ہر دم کا وہ آنا ترے کوچے کا گیا اب
مر جائیں گے پر منہ اُدھر اپنا نہ کریں گے

گر راہ میں بھی تم نظر آؤ گے یکایک
دل تھام کے رہ جائیں گے ، دیکھا نہ کریں گے

مر جائیں گے گھٹ گھٹ کے مگر آہ کا کیا ذکر
رسوائی کا ڈر ہے تمھیں رسوا نہ کریں گے

بے فائدہ کیوں عذر کرو ، مفت کی تکلیف
تم لاکھ کہو ، ایک بھی شکوا نہ کریں گے

۱- ''پھر'' ؟ - (فائق)

پھر مان لیں اس بات کو ، ایسے نہیں ہم بھی
یہ کس لیے کہتے ہو کہ ایسا نہ کریں گے

جو کہتے تھے تم ، مانتے ہم ، وہ بھی گئے دن
اب سچ تو کسی بات کو سمجھا نہ کریں گے

ہم کہتے تھے ، دشمن کا کہا ہوگا ضروری
تم کہتے تھے ، ہم غیر کا کہنا نہ کریں گے

میں ظلم سہوں ، کچھ نہ کہوں، یہ بھی ہے ممکن
کیا اور بھی اس بات کا چرچا نہ کریں گے ؟

تسکین و تسلی نہیں ، یوں بھی تو ہیں خوش ہم
یہ ہی کہو ، اب سے ستم اتنا نہ کریں گے

کیا اور تو کرسکتے ہیں ، رک جائیں گے ہم آپ
دشمن سے ملو ، یہ تو گوارا نہ کریں گے

پردے سے ہیں ناچار خدا جانے کہ کیا ہو
یہ کیسے کہیں آپ کی پروا نہ کریں گے

ق

ہم آپھی[1] اسی عہد پہ ہیں گرچہ ہے رنجش
تدبیر ترے ملنے کی کیا کیا نہ کریں گے

زندہ ہیں تو دم تیری ہی چاہت کا بھریں گے[2]
بد عہد ہمیں تو کہے ، ایسا نہ کریں گے

۱- ''آپ ہی'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۲۶) میں ہے، بہ لحاظ تلفظ ''آپھی'' بنایا گیا - (فائق)

۲- ''کریں گے'' نسخہ مطبوعہ (صفحہ ۲۲۶) میں صحیح نہیں ہے۔ کتابت کی غلطی ہے - ''بھریں گے'' تصحیح قیاسی کی گئی ہے۔ (فائق)

پر ضد جو ہے اپنی آئے کر چھوڑیں گے کچھ ہو
گو ایسی ہے فہمید، ہم ایسا نہ کریں گے
گر میرا خدا چاہے تو تم آ کے کہو یوں
''تقصیر ہوئی اب کبھی روٹھا نہ کریں گے''
جو تیری خوشی ہوگی کریں گے آسے ہم بھی
اب تجھ سے کسی بات کا پردا نہ کریں گے
سب باتیں نظام اُن کی ترے سر کی قسم جھوٹ
ممکن ہے کہ وہ پاس عدو کا نہ کریں گے

(۳۲۸)

دیکھوں تو میرے پاس کہاں تک نہ آئیں گے
مر جاؤں گا وہ تو بھی یہاں تک نہ آئیں گے
یہ خوب، ہم گلہ نہ کریں، تم ستم کرو
دل میں رہیں گے شکوے زباں تک نہ آئیں گے
سو بار آئے منہ کو کلیجہ شب وصال
الفاظ شکوہ میری زباں تک نہ آئیں گے
ہم کو یہ انتظار، ابھی شام دور ہے
اور[۱] وہ کہ صبح کی بھی اذاں تک نہ آئیں گے
قاصد ہزار بار تو یوں ہی پھرا سہی
واں تک نہ آؤں گا، وہ جہاں تک نہ آئیں گے
ہونٹوں میں بڑبڑا کے یہ کیا آپ رہ گئے
یہ لفظ میرے گوش گراں تک نہ آئیں گے

۱- ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

منظور ہے ہمارا نہ آنا یہاں تو خیر
ہم کیا ہمارے شور و فغاں تک نہ آئیں گے

یاں تو وہ مجھ مریض کی پرسش کو آچکے
گر در پہ آ پڑوں گا ، وہاں تک نہ آئیں گے

کیا اُن سے اور حال کہیں گے شب وصال
ہم کو تو یاد غم کے بیاں تک نہ آئیں گے

سو بار ہم تو دیکھ چکے آج پھر سہی
اے جذب دل ! کبھی وہ یہاں تک نہ آئیں گے

اُمید زندگی شب وعدہ ہو کیا نظام
جب دل پہ صدمے آئیں گے جاں تک نہ آئیں گے

(۳۲۹)

ایذائیں وصل میں بھی اُٹھائیں نئی نئی
جو بات اُس نے ہم سے کہی وہ کہی نئی

دونوں طرف سے شوق وہ باہم کے پیار ہاے
کیا لطف تھا جو اُس سے ملاقات تھی نئی

ہمدم ہماری جاں کو تو رونا ہے روز کا
اُس بےوفا سے بگڑی ہے کیا آج ہی نئی

دشمن سے اور رشک بڑھا لطف یہ ہوا
اُس نے شب وصال میں جو بات کی نئی

مجھ کو رلا کے اپنی تو آنکھیں نہ پوچھیے
یہ آج میرے ساتھ نکالی ہنسی نئی

تسکین کی ہم کو جن سے توقع تھی ہائے وہ
کہتے ہیں کہیے کون سی ایذا سہی نئی

اعدا کو بھی میں کیا کہوں تم کو بھی کیا کہوں
سننے میں اب تو آتی ہیں باتیں نئی نئی
تم سے تو یہ توقع نہ تھی اور کیا کہوں
اک بات آج غیر کے منہ سے سنی نئی
غصے بھی ہونا آپ ہی ، پھر روٹھنا بھی آپ
انصاف یہ نیا ہے ، یہ ہے منصفی نئی
دشمن کا حال کس سے سنا جائے ، کیوں کہو
یہ بات پہلے کب تھی ، یہ عادت ہوئی نئی
غارت گر جہاں ہے وہ کافر تو اے نظام
کیا اس پہ[1] ایک آپ ہی نے جان دی نئی

(۳۳۰)

رخ پہ وہ زلف دوتا لوٹ گئی
دل کے لینے کو بلا لوٹ گئی
ذکر آتے ہی وہاں جانے کا
میرے قدموں پہ حیا لوٹ گئی
کس قدر موت نہ مانگی شب غم
سن کے یہ بات ، قضا لوٹ گئی
منہ جو جالی کے دوپٹے سے چھپا
جال میں پھنس کے ادا لوٹ گئی

۱- ''اس پہ'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۲۷) میں ہے - مصرع ساقط الوزن ہے - ''اس پہ ایک'' تصحیح قیاسی ہے (فائق)

دیکھتے ہی آپ کے دل لوٹ گیا
جان اُس سے بھی سوا لوٹ گئی

قتل تو کرتی وہ ابرو مجھ کو
پاؤں پر زلف دوتا لوٹ گئی

آئنے پر جو پڑا عکس اُس کا
رنگ عارض پہ صفا لوٹ گئی

ہم بھی گرتے ہی کچھ ایسے لوٹے
نگہ ناز فزا لوٹ گئی

شوق سجدہ میں جبیں اُس در پر
مثل نقش کف پا لوٹ گئی

دم مرگ آیا جو بالیں پہ وہ بت
روح بھی نام خدا لوٹ گئی

دل یہ کہتا ہے وہ آئیں گے نظام
عرش پر جا کے دعا لوٹ گئی

(۳۳۱)

یا رب! جو دل دیا ہے تو دل کو قرار دے
اور[۱] گر قرار دے، تو شب انتظار دے

ہر دن فراق کا کوئی کیوں کر بسر کرے
ہر رات ہجر کی کوئی کیوں کر گزار دے

دیکھا ہے تم نے خواب میں دشمن سے اپنا ربط
تعبیر اُس کی کہیے تو یہ جاں نثار دے

۱- ''اور'' بروزن ''فع'' - (فائق)

اے چرخ ! ایک بات ہو ، رونا ہو یا ہنسی
دیتا ہے مجھ کو رنج تو پھر بے شمار دے

وہ بت نہ بس میں ہو مرے کہنے میں دل تو ہو
اللہ ! اس قدر تو مجھے اختیار دے

اللہ ! اُس صنم کے کہاں تک ستم سہوں
یا اُس کو رحم یا مرے دل کو قرار دے

تدبیر درد دل کی کوئی کیا نہ کرسکے
فرصت تو سانس لینے کی یہ انتظار دے

ساقی ! ذرا ذرا تو خدا کے لیے نہ دے
بھر بھر کے جام دے مجھے اور[1] بار بار دے

جو کچھ[2] کسی نے حال وہ قاصد سے سن لیا
اب کچھ جواب اے دل اُمیدوار دے

کہتے ہیں ''بس بس آپ ذرا ہوش میں رہیں
کیا جانے کیا کرو ، جو کوئی اختیار دے''

تسکین ہو ہی جائے گی دل کو بھی کچھ نہ کچھ
وہ ایک بات کو کہیں ظالم قرار دے

اُس بت سے اور کام برائے خدا کرے
باتوں ہی میں جو صاف ہر اک کو اُتار دے

۱۔ ''اور'' بر وزن ''فع'' (فائق)

۲۔ ''جو کچھ کسی نے حال'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۲۸) میں بے معنی سا فقرہ ہے ۔ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے ۔ ''جو کچھ کہا کسی نے'' تصحیح قیاسی ہے ۔ اس طرح جملہ مکمل اور بامعنی ہو جاتا ہے ۔ (فائق)

کچھ ہو نظام آج نہ وعدے پہ کل کے چھوڑ
اب ایک تو نہ مان وہ دھوکا ہزار دے

(۳۳۲)

میری قسمت بھی کیا بجا ٹھہری
شوق سے تھا وہی دوا ٹھہری

کچھ تو کہہ دے جو دل مرا ٹھہرے
نامہ بر! کہہ تو آج کیا ٹھہری؟

آپ کا ظلم بھی بجا ٹھہرا
میری تقصیر بھی بجا ٹھہری

آپ آئیں تو ہم نہ بولیں کچھ
خوب یہ شرط مدّعا ٹھہری!

روز رنجش یہ اُن کا ٹھہرا لطف
روٹھنا ہر گھڑی ادا ٹھہری

آتے ہی کہتے ہو بہت بیٹھے
ابتدا میری انتہا ٹھہری

ابھی قاصد وہاں گیا بھی نہیں
جان پہلے ہی لب پہ آ ٹھہری

باتیں آنکھیں ملا ملا کے کرو
یہ بھی اُس روز کی حیا ٹھہری

جان دینے میں انتہا ہے کہاں
یہ تو اُلفت کی ابتدا ٹھہری

وہیں اک بات غم کی یاد آئی
گر طبیعت کبھی ذرا ٹھہری

پھر شکایت میں کیوں قصور نظام
جب کہ رنجش ہی برملا ٹھہری

(۳۳۳)

اگر فریب ہمارے بھی تم پہ چل جاتے
تمھاری بزم سے اعدا یوں ہی نکل جاتے

بہت تو میں نہیں کہتا تمھیں ٹھہرنے کو
مری خوشی سے اگر آج رہتے ، کل جاتے

ہوا کرے ہوس دل وہاں کے جانے کی
لحاظ ہم کو تو آتا ہے بر محل جاتے

لبوں پہ جان ہے گو بات کر نہیں سکتے
وہ اب بھی آتے تو ارمان کچھ نکل جاتے

جو اب کے نامہ بر آئے تو یہ تو ہو یا رب!
کچھ ایسی بات وہ کہتا جو ہم بہل جاتے[1]

یہ آرزو تھی کہ جاں نکلے اُن کے زانو پر
وہ ایسے تھے کہ نہ اس دم یہاں سے ٹل جاتے

یہ کیوں کہا کہ تم آئینہ دیکھو ، شانہ کرو
بلا سے زلف میں رہتے جبیں کے بل جاتے

جو ہم سے چھپ کے کہیں ہوتا آپ کو جانا
تو وضع کیسی، تم آواز بھی بدل جاتے

۱- ردیف مضمون شعر کے خلاف ہے - شاید یہ قلمزد اشعار میں سے ہو - (فائق)

کسی کے کہنے سے کیوں اٹھ کے آئے اس در سے
نہ آئے ہوتے وہیں سے ، وہیں مچل جاتے
عبث ہے ناز کسی کو برہنہ پا جانا
ہم اس کے کوچے میں جاتے تو سر کے بل جاتے
مثال شمع نہ جلتے شب فراق اگر
بہ رنگ موم اسے دیکھ کر پگھل جاتے
نہ آئیں وہ ، نہ بلائیں مجھے ، نہ بھیجیں خط
تو یہ خیال ہی دل سے مرے نکل جاتے
وہ داغ رشک ہی دیتے بلا کے پاس مجھے
تو یہ تو ہوتا کہ اعدا تو سن کے جل جاتے
کبھی یہ ربط تھا کیا کیا نہ ان کو شک آتے
جو بے بلائے بھی پاس ان کے فی المثل جاتے
نظام کیا کوئی ان کا پیام لایا آج
اگر وہ آتے تو تم ہوش سے نکل جاتے

(۳۳۴)

ہمارے عشق کی کیا داستان اچھی ہے
وہ سن کے کہتے ہیں ''طرز بیان اچھی ہے''
ارادہ شکوے کا کس نے کیا یہ تہمت خوب
لڑائی مفت کی اے بدگمان اچھی ہے؟
کچھ اور کہہ لو جو کہنا ہو میں تو کہتا ہوں
کلام آپ کا اچھا ، زبان اچھی ہے
وہ مہرباں نہ ہو ہم پر تو غیر پر بھی نہ ہو
یہ کج روی ہو تو اے آسمان اچھی ہے

بناؤ بھی ہے غضب ، سادگی بھی آفت ہے
جو ناز خوب ہے اُس کا تو آن اچھی ہے
نہ اُس کو میٹ کہ تیرا ہی نام ہے قاتل
ہماری قبر پرائے نشان اچھی ہے
سبب ہے خندۂ گل کا ، برا نہ اس کو سمجھ
یہ بلبوں کی فغاں باغبان اچھی ہے
عدو کے ربط سے انکار ہو تو ہو آن کو
یہ بات بھی تو دل بدگمان اچھی ہے
سمجھ کا پھیر ہے دیر و حرم سے در گزرے
ہمارے سجدے کو وہ آستان اچھی ہے
وہ دن بھی تھے کہ ہمیں اُس صنم سے ملتے تھے
الٰہی شکر تری یہ بڑی شان اچھی ہے
یہ چھیڑ چھیڑ کے رنجش ذرا خدا سے تو ڈر
یہ خو بھی اے بت نا مہربان اچھی ہے
نظام وہ دم شکوہ کسی کا یہ کہنا
''برے تمھیں ہو، مری تو زبان اچھی ہے''

(۳۳۵)

لگاوٹ یاد ہے وہ ابتدا کی
وہ باتیں پیار کی ، قسمیں جفا کی
پھرا میں عہد سے ، میں نے دغا کی
شکایت آپ نے میری بجا کی
محبت ہم نے کی تم سے ، خطا کی
عداوت تم نے ہم سے کی ، بجا کی

جدائی اُس بت نا آشنا کی
کسے منظور ہے ، مرضی خدا کی
تمہارے جاتے ہی بس کچھ نہ پوچھو
کوئی دم ہی میں ہے آمد قضا کی
بھلا اک واسطہ تو آپ سے ہے
شکایت کون کرتا ہے جفا کی
اُمید وصل پر ہے زیست موقوف
کہوں کیا ہجر کے رنج و اذا کی
مزا تو جی کو آیا گو نہ ہو راست
غضب تقریر تو نے قاصدا کی
نہ سمجھاؤ مجھے کچھ دوستو اب
بھلی یہ دوستی تم نے ادا کی
ترے کوچے سے اُٹھ کر جائیں کس جا ؟
اُٹھائے کون ذلت جا بہ جا کی
سہی سب کچھ پر اس دل کو تو دیکھو
محبت ہے وہی اُس بے وفا کی
خدا کی جان ہے جب چاہے لے لے
دل اپنا نذر ہے اُس دل ربا کی
یہ سمجھے ہم کچھ اُس کو بھی ہے اُلفت
محبت دھوکے میں بڑھا کی
اُنھیں چھپ کر جو ہے منظور جانا
مٹی جاتی ہے صورت نقش پا کی
عداوت بے سبب اُس بت کو ہم سے
یہ ہم پر مہربانی ہے خدا کی

گلہ کیا اُس کا یہ خوبی سمجھ کی
وفا کی تم نے ، ہم سمجھے جفا کی
پڑھا کر یاں سے تو بھیجا ہے قاصد
نہیں معلوم واں تقریر کیا کی
ابھی وہ پاس ہیں اورؔ ہے سحر دور
دل بے تاب نے آفت بپا کی
وہ اُس کا وصل کی شب روٹھ جانا
وہ ہر ہر بات پر شوخی ادا کی
وہ کہتے ہیں کبھی ہم تو نہ آتے
یہ ہے تاثیر آہ نارسا کی
سمجھتے کچھ تو تم سے روٹھتے کیوں
یہ سچ ہے پھر ہمیں نے التجا کی
یہ کہنا کوئی ملتا بھی ہے تم سے
گرہ کیوں کھول دوں بند قبا کی
ہوا گر وصل بھی ، تو بھی اک آفت
ہماری اُن کی رنجش ہی رہا کی
یہ تیری بے نیازی شکر یا رب !
محبت دی بت ناآشنا کی
یہاں اُس بت کی فرقت کس کو منظور
مگر کیا کیجیے ، مرضی خدا کی
شکایت کی کسی کی کیا جگہ ہے
نظام اس دل نے میرے ساتھ کیا کی

---

۱ - ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

(۳۳۶)

یہی کچھ حظ ہے جینے کا ، یہی کچھ لطف ہستی ہے
متاع درد گر جاں کے عوض آئے تو سستی ہے

سوا میرے پھر ایسا کون ہے ، کس کو ستاتے ہو
یہ کیا محفل کا نقشہ ہے ، یہ کیا بے بندوبستی ہے

وہ ہم ہیں ، ذبح بھی گر ہوں ، نہ ماریں دست و پا ہرگز
عبث مشاطہ اُس جوڑے کو بل دے دے کے کستی ہے

دل بیمار ہجراں کے لیے ملتی تو میں لیتا
دوائے صبر وہ شے ہے ، نہ مہنگی ہے نہ سستی ہے

جو کچھ بھی دست رس ہوتی تو ہم کچھ کھا کے مر جاتے
یہ تنگ آئے ہیں جینے سے ، یہاں تک تنگ دستی ہے

یہ کیا یا رب ! نظر آتا ہے مجھ کو ہجر جاناں میں
جسے میں دیکھتا ہوں اُس پر اک وحشت برستی ہے

بلا زلف چلیپا ہے ، غضب جوڑے کی بندش ہے
اگر دل اُس میں پھنستا ہے تو اس میں جان پھنستی ہے

تمھاری آنکھ جادو ہے ، مگر وحشی کیا کس کو
تمھاری زلف ناگن ہے ، مگر دل کس کا ڈستی ہے

الٰہی ! خیر ہو ، ایسا نہ ہو اُن سے بگڑ جائے
اُدھر تو دور کھچتا ہے ، ادھر چالاک دستی ہے

کوئی آئے تو کیا آئے ، کوئی دیکھے تو کیا دیکھے
جہاں مسکن ہمارا ہے ، بلندی ہے نہ پستی ہے

مزا وہ درد اُلفت نے دکھایا ہے کہ کیا کہیے
میں اپنے حال پر روتا ہوں اور[1] مخلوق ہنستی ہے

۱- ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

نظام ایسی بھی کیا باتیں ہیں کیوں ہم سے چھپاتے ہو
تمھاری شکل پر تو آج کچھ رونق برستی ہے

(۳۳۷)

یہ تو مانا ، کبھی تم نے نہ مری مانی ہے
حال دل تم سے نہ کہنا بھی تو نادانی ہے
کیوں شب وصل میں بھی ہم سے نہ رک کر بیٹھو
غیر کے سامنے تم کو تو قسم کھانی ہے
اتنی ہی ہوتی ہے تکلیف بھی مجھ پر شب وصل
جس قدر آپ کو وعدے سے پشیمانی ہے
میرے کہنے کا یہ مطلب تھا ، یہ تم کیا سمجھے
اور پھر آپ کو دعوائے سخن دانی ہے
سامنے میرے برا غیر کو کہنا کیا خوب
کچھ تو خو آپ کی بندے نے بھی پہچانی ہے
دل بے تاب ہے پھر زہر کا کھانا کس دن
آج گھر غیر کے اس شوخ کی مہمانی ہے
تم سے امید کسی بات کی ، یہ تو معلوم
حال کیوں اپنا کہا اس کی پشیمانی ہے
شام ہجراں ہے ابھی، دیکھو تو تحریک ہو کیا
دم بہ دم غم کی ترقی ہے ، فراوانی ہے
لے کے ساغر وہ جھجک کر ، یہ کسی کا کہنا
"آگ کا شعلہ ہے اور نام کو یہ پانی ہے"
تم بھی ہم سے نہ کہو حال کچھ اپنے دل کا
ہم بھی کیوں تم سے کہیں جی میں جو کچھ ٹھانی ہے

ہاتھ آئے گا وہ دامن ، کبھی یوں بھی ہوگا
اب تو اے دست جنوں چاک گریبانی ہے

دل کو زخمی تو مرے ٹیڑھی نگاہوں سے کیا
اس پہ پھر چھیڑ کی باتیں نمک افشانی ہے

طلب بوسہ ہے کچھ اور بھی دل میں میرے
بات یہ آپ نے جانی بھی تو کیا جانی ہے

غیر پر لطف یہ کہیے اسے کیا جانا ہے
ہم سے ہر بات پہ رنجش یہ ادا جانی ہے

یہ تو امید ہو ملنا کبھی ہوگا تم سے
پھر جو مشکل ہے مرے واسطے آسانی ہے

یہ دعا بھی کبھی ہم نے تو نہ مانگی تھی نظام
وہ صنم آپ ملے قدرت ربانی ہے

(۳۳۸)

سچ ہے ، بجا ہے ، مجھ سے شکایت جناب کی
سہہ سہہ کے میں نے ظلم ہے عادت خراب کی

دل کی کہوں کہ دل کے کہوں اضطراب کی
مجھ سے نہ پوچھیے شب غم کے عذاب کی

آئے جو قبر پر بھی تو دشمن کو لائے ساتھ
مرنے کے بعد بھی مری مٹی خراب کی

کہتا ہوں حال دل تو یہ کہتے ہیں کیا سنیں
کیا آپ کو خبر ہے مرے اضطراب کی

کیا سوچتے ہو، کیوں نہیں کہتے جو دل میں ہے
کہیے تو فکر آپ کو کیا ہے جواب کی ؟

مجھ کو یقیں اب آپ کی باتوں کا آ چکا
تسکین ہوچکی دل خانہ خراب کی

تم اور[1] کہو یہ بات ، یہ شکوہ تو مجھ کو ہے
میں اور[2] کسی کے آگے شکایت جناب کی

ہم بادہ کش ہیں ، ہوش ہے کس بات کا ہمیں
زاہد تجھے پڑی ہے ثواب و عذاب کی

بے باک اب یہ کچھ ہو ، یہ کہیے وہ کیا ہوئیں
وہ نیچی نیچی نظریں ، ادائیں حجاب کی

جادو تھی وہ نگہ کہ چپ ہی ہوئے بنی
کچھ بھی چلی نہ پھر گلۂ بے حجاب کی

کیا مل بھی جاتی ہیں کبھی جو ہوتے ہیں جدا
افسانہ گو یہ سچ ہے کہ باتیں ہیں خواب کی

رنجش کے بعد لطف مرے حال پر ہے کیوں
یہ خوف ہے کہیں نہ ہو عادت عتاب کی

کہہ شوق سے کچھ اُس نے کہا تو یہ شکر ہے
اُمید ہی نہ تھی مجھے قاصد جواب کی

دیکھو ادھر کو پوچھتے یہ کیا ہو غیر سے
آتی ہے کس طرف سے مجھے بو کباب کی

پھر نیند اُڑ گئی مری ، پھر جاگنا پڑا
آنکھوں میں آپ کی تو اب آمد ہے خواب کی

گاہے نظام سے بھی کوئی بات تو سہی
ہر بات پر نہ ٹھہری نہیں کیوں جناب کی

---

۱ ، ۲ - ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

(۳۳۹)

اُس نے جو کچھ کہا کیے ہی بنی
دل تو کیا جان بھی دیے ہی بنی

دل نے جو کچھ کہا کیے ہی بنی
جان اُس شوخ کو دیے ہی بنی

اب شکایت مجھے کیے ہی بنی
اورا تسلی تمھیں دیے ہی بنی

کل کا وعدہ کیا پھر اُس نے آج
اور بھی ایک دن جیے ہی بنی

ہم سمجھتے ہیں ان اشاروں کو
منہ کو اُس بزم میں سیے ہی بنی

ہوں نکیرین سے یہ گور میں تنگ
نام اُس کا بتا دیے ہی بنی

وہ اداؤں سے پوچھنا اُس کا
حال دل مجھ کو کہہ دیے ہی بنی

بے خطا مجھ سے ایسے بگڑے وہ
بات اپنی طرف لیے ہی بنی

کیں وہ باتیں بگڑ کے میں نے بھی
کہ بس اُن کو منا لیے ہی بنی

حال پر میرے رحم آ ہی گیا
صلح اُس شوخ کو کیے ہی بنی

۱- ''اور'' بر وزن ''فع'' (فائق)

ایسی ہوتی ہے آپ کی رنجش
کہ مجھے زہر کھا لیے ہی بنی
مجھے پیٹے جو اور اب چھوڑے
بولے وہ بوسہ جب دیے ہی بنی
نہ کوئی دیکھے یہ خلش ہے انھیں
زخم دل کو مرے سیے ہی بنی
یوں شب غم تو کٹ نہیں سکتی
کوئی تجویز اب کیے ہی بنی
کچھ نہ بن آئی ، سن کے میرا حال
انھیں ترک جفا کیے ہی بنی
دور سے دیکھ کر ، سمجھ کر کچھ
پاس مجھ کو بلا لیے ہی بنی
بے وفا ان کے آگے کون بنے
صلح اغیار سے کیے ہی بنی
توبہ تو مے کشی سے کی تھی نظام
ساتھ اس شوخ کے پیے ہی بنی

(۳۲۰)

دل میں وہ بات تو اے دشمن دیں بیٹھ گئی
اب نکلتی ہے کہیں ایسی نہیں بیٹھ گئی
بعد مردن بھی نہ ہم کوچۂ جاناں سے اٹھے
ایسے کچھ بیٹھے کہ ساتھ اپنے زمیں بیٹھ گئی
اب بر آتی ہے تمنا دل مضطر کی کہاں
اس ستمگر کی زباں پر تو نہیں بیٹھ گئی

شب غم ہی میں نہ آئی تو یہ کس کام آئی
آج شاید کہ قضا چھپ کے کہیں بیٹھ گئی

اب نہ منکر ہو کہ میں اور کو یوں کہتا تھا
دل میں وہ بات تو از راہ یقیں بیٹھ گئی

دور کھچ کر جو شبِ وصل میں وہ بیٹھ گئی
تو اجل آ کے وہیں میرے قریں بیٹھ گئی

سانس لینے کی بھی طاقت نہیں، اللہ رے ضعف
تھک کے کیا میری[1] کہیں جان حزیں بیٹھ گئی

ناتوانی میں خموشی کے سوا کیا کیجے
آہ اٹھی بھی اگر لب سے وہیں بیٹھ گئی

ہے یہ گریہ تو سمجھ لے کہ کوئی لحظے میں
یہ عمارت تری اے چرخ بریں بیٹھ گئی

کوچۂ یار کا جانا ترا اور[2] پھر آنا
دو قدم چل کے صبا تو تو نہیں بیٹھ گئی

کون آتا ہے کہ جاتے ہیں یہ پیہم نالے
ڈاک ہرکاروں کی تا عرش بریں بیٹھ گئی

اپنی انداز کے کہہ شعر، نہ کہہ یہ تو نظام
کہ چناں بیٹھ گیا اور چنیں بیٹھ گئی

۱۔ ''میری جان حزیں'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۳۶) میں ہے۔ مصرع ساقط الوزن ہے۔ ''میری'' کے بعد ''کہیں'' اضافہ کیا گیا۔ مصرع موزوں ہوگیا۔ تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)

۲۔ ''اور'' بر وزن ''فع''۔ (فائق)

(۳۴۱)

آرزو دل کی بر نہیں آتی
جان رہتی نظر نہیں آتی

ایسے خاموش تم نہ ہوتے کبھی
بات کرنی مگر نہیں آتی

شب فرقت کٹے گی آنکھوں میں
نیند آتی نظر نہیں آتی

کوئی دم کو تو بھول جاتے غم
غشی بھی اس قدر نہیں آتی

یہ بھی کہیے ، مری بلا آئے
وہ بھی تو میرے گھر نہیں آتی

نیند کو بھی یہ میرے ساتھ ہے ضد
ادھر آئی ، اُدھر نہیں آتی

وصل کی شب نہ مر گئے افسوس
روز اُمید ، بر نہیں آتی

بے خبر ایسے ہو گئے وہ کیوں
کس لیے کچھ خبر نہیں آتی

مر گئے انتظار مرگ میں ہم
اب نہ آئے ، اگر نہیں آتی

شب غم جان لے کے جائے گی
نہیں آتی سحر نہیں آتی

اُن کو تو کوئی بات اُلفت کی
یاد وقت سحر نہیں آتی

اور باتیں نہ ہوں نہ ہوں یارب
اتنی خواهش بھی بر نہیں آتی

جان هی جاتی هے هماری تو
موت هی آتی ، پر نہیں آتی

هائے وہ رات دن کے عیش نظام
اب وہ صورت نظر نہیں آتی

(۳۴۲)

تنہا نہ اس کی چاہ نے رسوا کیا مجھے
اپنی بھی آہ آہ نے رسوا کیا مجھے

محفل میں سب کی میری هی جانب نگاہ هے
ترچھی تری نگاہ نے رسوا کیا مجھے

منہ سے نکل گیا مرے اک شعر حسب حال
صاحب کی واہ واہ نے رسوا کیا مجھے

سچ تو یہ هے کسی سے محبت نہیں تمھیں
اس جھوٹی رسم و راہ نے رسوا کیا مجھے

تم کب کہیں گئے ، میں پھرا در بہ در عبث
اپنے هی اشتباہ نے رسوا کیا مجھے

گمراهوں کی طرح میں بھٹکتا پڑا پھرا
کوچے کی اس کے راہ نے رسوا کیا مجھے

هر اک کو دیکھنے کا مرے اشتیاق هے
اس حالت تباہ نے رسوا کیا مجھے

هر ایک پوچھتا هے سبب ، کہیے کیا کہوں
اس لطف گاہ گاہ نے رسوا کیا مجھے

کہتے ہیں دیکھ دیکھ کے رسوائیاں مری
سید نظام شاہ نے رسوا کیا مجھے

(۳۴۳)

دل ربائی کا یہی[1] طرز تمھیں یاد رہے
کچھ دنوں لطف رہے کچھ دنوں بیداد رہے

تو نہیں دل میں تو ناسور بھی ہے، درد بھی ہے
یہ وہ گھر ہے کہ جو ویران رہے آباد رہے

اب نہ وعدہ کرو، کیوں مفت ندامت ہو ہم
مجھے نسیان، تمھیں سہو، کسے یاد رہے

آپ دیکھیں تو مرے دل میں بھی کیا کیا کچھ ہے
یہ بھی گھر آپ کا ہے، کیوں نہ پھر آباد رہے

وصل اُس کا، یہی قسمت ہے تو ہونا ہی نہیں
اور ہو بھی تو یہ وہ دل نہیں جو شاد رہے

ہائے یہ کہہ کے سحر کو وہ کسی کا جانا
چھیڑنا رات کا میرا بھی ذرا یاد رہے

اُس کے کوچے کی یہی گرچہ ہوا ہے تو یقیں
بعد مرنے کے مری خاک بھی برباد رہے

سہی اب رنج کی تقریر بھی پر لطف رہے
نہ ہمیں یاد رہے پھر نہ تمھیں یاد رہے

یوں ملے سب سے مگر دل نہ ملا ایک سے بھی
سب سے باہم رہے اور[2] سب سے ہم آزاد رہے

۱- ''یہ ہے'' ؟ - (فائق)
۲- ''اور'' بر وزن ''فع'' (فائق)

وہ سمجھے ہیں یہ کیا کچھ نہ کہے گا شب وصل
اور[1] یہاں یاد کسے شکوۂ بیداد رہے

منہ نہ اوپر کو اٹھایا نہ ادھر کو دیکھا
آنکھیں نیچی کیے سنتے مری فریاد رہے

یاد رکھنے کی جو باتیں تھیں وہ سب بھول گئے
بھول جانے کی جو ہو بات تمھیں یاد رہے

کچھ تو انصاف کرو کس سے وفا کس پہ جفا
ایسی عادت نہ تری اے ستم ایجاد رہے[2]

کیا تصور کہ ہر اک حال میں اس کا ہے خیال
بھول بھی جائیں اگر ہم تو ہمیں یاد رہے

مجھ سے تنگ آکے، نہ تم حسن کو اپنے کو سو
یہی بندہ نہ رہے، حسن خداداد رہے

جان دی ہوگی کسی نے مگر اس حسرت سے
لاش پر میری نہ کیوں گریۂ جلاد رہے

پھر خدا جانے یہ کیا ہو یہ پڑے کس کے گھر
یہی بہتر ہے مرے دل میں ہی فریاد رہے

۱- ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

۲- یہ شعر اور اس کے بعد کا شعر حاشیے میں دیا گیا ہے - اس شعر کا مصرع ثانی حاشیے میں اس طرح ہے ؟ - ''ایسی عادت تو تری اے ستم ایجاد نہ تھی'' - (صفحہ ۲۳۸ ''کلیات نظام'') شاید مرتب نے سہواً غلط لکھ دیا ہو - اس لیے تصحیح قیاسی کی گئی ہے - (فائق)

اے فلک ظلم ترے ، اپنی خوشی سہتا ہوں
نالہ کر بیٹھوں تو پھر کب تری بنیاد رہے
دیکھنے والے کہیں رنج کشیدہ ہے کوئی
رنگ ایسا مری تصویر کا بہزاد رہے
یہ شرارت کبھی صورت نہ دکھائی مجھ کو
کہ تصور سے مرے ہجر میں کیوں شاد رہے
میرا کہنا تو عبث آپ نہ سنیے پھر کیوں
غیر کی بات نہیں ہے جو تمھیں یاد رہے
وہ بھی کیا ربط ہے کچھ جس میں نہ رنجش ہو کبھی
وہ بھی کیا لطف ہے جس میں کہ نہ بیداد رہے
گل کھلیں اب کے بہار آئے اور[1] ایسا ہو نظام
ہم چمن میں رہیں اور[2] قید میں صیّاد رہے

(۳۴۴)

باہم الفت کی باتوں میں کدورت آ ہی جاتی ہے
ہماری جان پر ہر طرح آفت آ ہی جاتی ہے
جدائی کا مری ہاں کیوں نہ غم ہوگا تمھیں ، سچ ہے
باہم جب ربط بڑھ جاتا ہے اُلفت آ ہی جاتی ہے
کسی کا دل ستانا ایسا ہوتا ہے تمھیں دیکھو
کہ اس شوخی پہ بھی تم کو ندامت آ ہی جاتی ہے
وہ کیا دن تھے وہ کیا راتیں تھیں کیا کیا لطف ہوتے تھے
بھلائیں لاکھ پر وہ یاد صحبت آ ہی جاتی ہے

---

۱ ، ۲ - ’’اور‘‘ بر وزن ’’فع‘‘ - (فائق)

یہ کہہ لیتے ہیں اب ایسا کہو تو اپنا منہ پیٹوں
زباں پر اُن کی گالی حسب عادت آہی جاتی ہے

زبانی میری میرا حال پھر تم کیوں نہیں سنتے
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں مروت آ ہی جاتی ہے

دم انکار بوسہ ، خوبئی تقدیر تو دیکھو
زباں پر اُس پری پیکر کی لکنت آہی جاتی ہے

خفا گر غیر سے ہوں تو بھی ہم سے بولنا چھوڑیں
نصیبوں کی جو ذلت ہے تو ذلت آ ہی جاتی ہے

خدا کے واسطے کچھ کچھ بھی لو[1] دل صاف ہو جائے
کدورت آ ہی جاتی ہے شکایت آ ہی جاتی ہے -

گلہ کس کس کا کیجے جان کے خواہاں ہزاروں ہیں
اجل بھی چھپ چھپا کے شام فرقت آ ہی جاتی ہے

بتوں کے عشق سے توبہ تو کی ہے پر نظام اب بھی
جو صورت اچھی ہوتی ہے طبیعت آ ہی جاتی ہے

(۳۴۵)

جان پر اپنی وہ آساں ہے جو مشکل آئے
پر خدا سے یہ دعا ہے نہ کہیں دل آئے

دل میں ارماں مرے کیا کیا دم بسمل آئے
کب نصیب ایسے کہ پھر پاس وہ قاتل آئے

کیا کہیں یہ کہ کب اُن تک ہے رسائی اپنی
پوچھنے والوں سے کہتے ہیں کہ ہاں مل آئے

---

۱ - ''تو'' ؟ - (فائق)

سہل ہے حال دل اُس شوخ کے آگے کہنا
بات دل میں بھی جو آئے تو بہ مشکل آئے
رحم بھی آیا جو مجھ پر تو غضب کا آیا
آئے تربت پہ بھی تو غیر کے شامل آئے
نامہ بر حال وہاں کا کہے کیا سچ ہے یہ بات
ہوش کیا آئے جو وہ دیکھ کے محفل آئے
گو وہ جاں بخش جہاں ہے پہ وہاں سے ہم تو
نیم جاں ، جاں بہ لب و زخمی و بسمل آئے
تیری تصویر میں بھی تیرے سے انداز کہاں
منہ ہے آئینے کا جو تیرے مقابل آئے ؟
گر کہوں جان سے جاتا ہوں تو اس کا کسے غم
اور ان باتوں میں وہ حور شمائل آئے
آپ ہی کہیے کہ پھر اس سے ہے کچھ تو منظور
غیر کا ذکر تو ہر دم سر محفل آئے
آج کا ذکر ہے کیا ، روز کا رونا ہے یہی
کون سے روز ہم اُس بزم سے خوش دل آئے
ہوں وہ مانوس اذیت کہ دعا ہے یہ نظام
آئے راحت بھی تو کچھ رنج کے شامل آئے

(۳۲۶)

یہ ہوا سرد چلی ، اور یہ بادل آئے
کہو ساقی سے کہ ساغر چلے ، بوتل آئے
مجھ سے تو لیجے قسم کچھ بھی اگر سمجھا ہوں
آپ کی سی کسے تقریر مسلسل آئے

کبھی بر آئے تمنّا، یہ تمنّا ہی نہیں
یہ ہے وہ نخل نہ پھولے نہ کبھی پھل آئے

منتظر روز رہوں، خوبیٔ قسمت اپنی
آپ کچھ آج یہاں آئیں گے، کچھ کل آئے

اُن سے ملنے کی تو ٹھہری ہے مگر فکر یہ ہے
پہلے[1] کیا ذکر ہو، کیا تذکرہ اول آئے

یہ بہانہ دل بے تاب ہے پھر جانے کا
کیوں وہ ماتھے پہ لگائے ہوئے صندل آئے

کچھ کہا بھی ابھی میں نے، کہ تم ایسے بگڑے
لب بھی ہلنے لگے پیشانی پہ بھی بل آئے

یوں وہ اٹھ جائیں سنبھالے ہوئے دامن اپنا
اور مرے ہاتھ دوپٹے کا نہ آنچل آئے

آنکھیں، جب جائیں گی جب پاس سے تم جاؤگے
دل، جو تم آئے تو تلووں کے تلے مل آئے

وہ نہ آج آئے نہ کل آئے یہ اک بات ہی ہے
اور یہاں آج ہے یہ حال کہ کب کل آئے

تصد بھی کیجیے بوسے کا تو اللہ رے رشک
رخ پہ بل کھاتی ہوئی زلف مسلسل آئے

۱۔ مصرع ثانی نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۴۰) میں اس طرح ہے:
"پہلے کیا ذکر کیا تذکرے اول آئے"
لیکن یہ مصرع بے ربط اور بے معنی ہے۔ اس لیے متن میں تصحیح قیاسی سے کام لیا گیا۔ (فائق)

گر وہ آتے تو ترے ساتھ ہی آتے قاصد
یہ کہا ہوگا کہ ہم بھی ، ابھی تو چل، آئے

وہ اُدھر بال بنایا کیے شب اور ادھر
تار رونے کا بندھا ، اشک مسلسل آئے

اس کا وعدہ بھی ہے، درپے ہے اجل بھی، دیکھیں
پہلے موت آئے کہ وہ موت سے اول آئے

خود سمجھتا نہیں قاصد کہ میں کہتا کیا ہوں
کبھی پیغام بھی آئے تو یہ مہمل آئے

مے کشی چھوڑے تو برسیں ہوئیں پر اب بھی نظام
دل بھر آئے ، جو مرے سامنے بوتل آئے

(۳۴۷)

اجل بھی آئے کہیں انتظار کے بدلے
شب قلق تو ہے روز شمار کے بدلے

وہ ملتے ہوں گے کسی سے ،کسی پہ ہوگا لطف
ہمارے ساتھ تو رنجش ہے پیار کے بدلے

گھڑی میں دل کو خوشی ہوگئی ، گھڑی میں غم
ہزاروں رنگ شب انتظار کے بدلے

جو سچ بھی آپ کہیں تو بھی میں نہ سمجھوں سچ
یہ ناامیدی ہے اب اعتبار کے بدلے

تمھاری طرز وہی ہے جو کچھ کہ پہلے تھی
یہ سچ ہی طور ہیں اس جاں نثار کے بدلے

جو پوچھو تم تو کبھی اپنا مدعا نہ کہوں
سناؤں اور ہی کچھ حال زار کے بدلے

ہوا ہے سرد یہ دل تیری سرد مہری سے
کہ آتی ہے مجھے سردی بخار کے بدلے

جو ساتھ پی ہے تو پھر سو بھی ساتھ ہی رہتے
وہ نیند آنکھوں میں آئی خمار کے بدلے

فلک نہ دیکھے تری گردشوں کی کچھ تاثیر
کبھی وصال تو ہو ہجر یار کے بدلے

رہا بھی ہم ہوں چمن سے تو ایسی بدلی ہوا
خزاں ہی آئی چمن میں بہار کے بدلے

جو یہ ہی سوزش دل ہے تو جل کے ہوں گے تمام
اڑے گی خاک ہماری مزار کے بدلے

جگر بھی، جان بھی، ایماں بھی، دل بھی دیتا ہوں
لو ایک بوسہ تو دو مجھ کو چار کے بدلے

تمہاری باتیں کہاں تک سنا کرے کوئی
میں ایک بھی نہ کہوں کیا ہزار کے بدلے

عوض ملاپ کے تھی اک لڑائی وصل میں بھی
جدا پڑے رہے بوس و کنار کے بدلے

جو بوسہ دینے میں ضد آپ کی شمار کی ہے
تو گالیاں مجھے دیجے شمار کے بدلے

وہ باتیں پیار کی سننا تو کب نصیب میں ہیں
نہ جھڑکیاں بھی سنیں ہم نے پیار کے بدلے

نظام یاں کے وہ رہنے میں لطف ہے کہ نہ پوچھ
نہ لوں بہشت کبھی کوئے یار کے بدلے

(۳۴۸)

الفت کی ایسی چوٹ ہے دل پر لگی ہوئی
اک ہچکی نزع کی ہے برابر لگی ہوئی

وہ شمع رو کسی کی بھی پروا نہیں جسے
لو اس کی ہے تجھے دل مضطر لگی ہوئی

بس بس وہ ذکر پھر نہ مرے آگے چھیڑیے
اب تک وہ چوٹ ہے مرے دل پر لگی ہوئی

سوتوں میں جان ڈال کے انگڑائیاں نہ لو
ہاں آنکھ آپ کی ہے مقرر لگی ہوئی

یہ تو نہ کہیے یہ مری تقریر ہی نہیں
کس کی ہے مہر نامے کے اوپر لگی ہوئی

اے چشم‌تر ارادۂ طوفاں ہے آج کیا
مینہ کی جھڑی تو رہتی ہے اکثر لگی ہوئی

ﷲ یہ بھی رشک ہے اپنے نصیب کا
تصویر اس صنم کی ہے گھر گھر لگی ہوئی

یہ منتظر ہوں حلقۂ در کہتے ہیں جسے
یہ میری آنکھ ہے ترے در پر لگی ہوئی

وہ کون سی جگہ ہے کہ جاتے نہیں ہو تم
رہتی ہے میری آنکھ تو گھر گھر لگی ہوئی

تنگ آکے واں کے جانے سے قاصد یہ بول اٹھا
ہر دم کی کیا مجھی پہ ہے یہ کر لگی ہوئی

تجھ سے لگی ہے آنکھ ہی کیا دل بھی ہے لگا
دل کیا کہ جان بھی ہے ستم گر لگی ہوئی

اُس لب کا بوسہ یہ بھی کبھی ہو گیا نصیب
یہ چاٹ ہے بری دلِ مضطر لگی ہوئی

وہ ربط اب کہاں کہ جو چاہا وہی ہوا
اب ہے طبیعت اُن کی جفا پر لگی ہوئی

کب تک نہ وہ ملیں گے ملے ہیں گے ایک دن
اُمید تو ہے اے دلِ مضطر لگی ہوئی

بھولے سے بھی نہ یاد کیا آپ نے کبھی
پھر دل سے میرے یاد ہے کیوں کر لگی ہوئی

اللہ تو نکالے ہمیں اور[1] پھر آئیں ہم
ہوتی بری ہے اے بتِ کافر لگی ہوئی

ظالم شبِ فراق میں کیا خاک دل لگے
ہچکی تو نزع کی ہے برابر لگی ہوئی

اُس سنگ دل نے اتنا تو پوچھا ہزار شکر
تربت نظامؔ کی ہے یہ پتھر لگی ہوئی

(۳۲۹)

پھر کہتے ہو ہم پاس کسی کا نہیں کرتے
کیوں وصل کی شب بھی مرا کہنا نہیں کرتے

اغیار کے کہنے سے ستم کیا نہیں کرتے
سچ یہ ہے کسی کا بھی وہ کہنا نہیں کرتے

دیکھیں تو بھلا آپ تو یہ بات بتائیں[2]
ہم کس لیے اظہارِ تمنا نہیں کرتے

۱- ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

۲- ''بتائیں'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۴۳) میں - ''بتائیں'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

احسان سمجھتے ہیں ستم کو بھی وہ اپنے
بے جا بھی وہ کرتے ہیں تو بے جا نہیں کرتے

کہتے ہیں کہ ہاں آپ کا اب خوف کریں گے
گر کہیے کہ کچھ خوف خدا کا نہیں کرتے

تا کچھ بھی نہ تسکیں دل مضطر کو ہو میرے
اس واسطے جھوٹا بھی تو وعدا نہیں کرتے

یہ سچ ہے کہ بیتاب ہوں میں حد سے زیادہ
تم بھی تو کسی پر ستم ایسا نہیں کرتے

یہ داد ملی صبر کی فرماتے ہیں کیا خوب
گر کرتے ستم ہم تو وہ شکوا نہیں کرتے

وہ رمز و کنایے میں نہ کہہ جاتے ہیں کیا کیا
یوں مجھ پہ ستم کرتے ہیں گویا نہیں کرتے

اب ناز ہے کس بات پہ ہم سے تو یہ کھچنا
اور غیر سے ملنے کے لیے کیا نہیں کرتے

یہ خوف ہے کہہ بیٹھے نہ کچھ بات میں میری
ضد سے مری دشمن کا بھی کہنا نہیں کرتے

ارباب ہوس کو تو نہ کچھ حوصلہ ہوگا
اچھا ہے جو وہ عذر ستم کا نہیں کرتے

اک غیر کہ اس ربط پہ بھی کہتے ہیں کیا کچھ
اک ہم کہ کسی بات کا چرچا نہیں کرتے

اب ہم سے چھپانے سے بھلا فائدہ کچھ بھی
کیا عہد کیے تھے مگر اب کیا نہیں کرتے

کیا کانوں سے سنتے نہیں کچھ حال تمھارا (کذا)
کیا آنکھوں سے جو ہوتا ہے دیکھا نہیں کرتے

یوں اپنی تسلی کو نظام آپ کہیں کچھ
اور[1] وہ تو کسی بات میں صرفا نہیں کرتے

(۳۵۰)

تمھارے وعدے پہ کیوں دل کو بے قراری ہے
خطا تمھاری نہیں ، یہ خطا ہماری ہے
کچھ آج تو مجھے کہنے دو ، کچھ تو سن لو تم
ابھی نہ بگڑو کہ جھگڑوں کو رات ساری ہے
تمھارے ہاتھ نہ دکھتے تو قتل کا تھا لطف
یہ کیسی تیغ ہے اور[2] کیسی آب داری ہے
ملوں نہ اُس سے تو کیوں کر ہو زندگی ناصح
یہ اچھی دوستی ہے ، اچھی غم گساری ہے
ہمیں وہ لطف ملا ہے کہ جانتا ہے دل
ستم سے اپنے عبث تم کو شرم ساری ہے
نہ ہم فراق کو سمجھیں ، نہ وصل کو جانیں
بس اک غشی کی ہے حالت کہ دل پہ طاری ہے
یہ حال ہے مرے دل کا یہ میری قسمت ہے
شب وصال میں بھی وہ ہی آہ و زاری ہے
یہ کچھ تو صدمہ ہے جو آہ آہ کرتا ہوں
خدا بچا لے مگر دل پہ زخم کاری ہے
وہ تنگ آکے شب وصل اُس کا کہنا ہائے
”ستا لو خیر ہمیں اپنی باری ہے“

---

۱ ، ۲- ”اور“ بر وزن ”فع“ - (فائق)

جو باتیں ہوں گی کچھ اُن سے تو جانے کیا ہوگا
فقط یہ دور کے دیکھے کی بے قراری ہے

الٰہی اب دل مضطر کی آرزو کیا ہے
وصال میں بھی وہی لب پہ آہ و زاری ہے

کسی کے واسطے ناحق بگاڑیے اُن سے
نہ دل عزیز ہے ہم کو نہ جان پیاری ہے

نظام ایک ہے سب کچھ تو پھر گلہ کس کا
وہ کس کو بھولے ہیں یاں کس کی یادگاری ہے

(۳۵۱)

دل دیا ہاں یہ کیا کیا میں نے
تمھیں دل بر بنا دیا میں نے

کیا گلہ اپنی اپنی قسمت ہے
یہ جواب اُن کو کیا دیا میں نے

اب تو آبیٹھا تیرے کوچے میں
خوف دل سے اُٹھا دیا میں نے

خضر کوے بتاں میں آتے ہیں[1]
اُنھیں رستہ بتا دیا میں نے

کہتے ہیں ، سب یہ میری باتیں ہیں
تجھے شاعر بنا دبا میں نے

۱۔ ''ھں'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۳۵) میں ہے ، ''ھیں'' بہتر ہے۔ (قالب)

روٹھ[1] صورت بنائے بیٹھے تھے
کیں وہ باتیں ہنسا دیا میں نے

آپ کچھ سمجھے باتوں باتوں میں
حال کس کا سنا دیا میں نے

سچ ہے میری تو یاد ہے تم کو
اور تم کو بھلا دیا میں نے

تیر اس کا چھپا کے سینے میں
حال دل کا دکھا دیا میں نے

تمھیں تو یاد ہوں گے اپنے ظلم
دل سے شکوہ بھلا دیا میں نے

ایسی حسرت سے جان دی کہ تجھے
اک تماشا دکھا دیا میں نے

کہہ کے کچھ غیر کو وہ کہتے ہیں
تمھیں بھی یہ سنا دیا میں نے

کیا کیا بوسے لے کے ہائے نظام
نقش پا کو مٹا دیا میں نے

---

۱ - "روق" نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۳۵) میں خلاف روزمرہ تھا - "روٹھ" تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

(۳۵۲)

بات کس دن آپ نے مانی مری
اب کہوں گر کچھ تو نادانی مری

خنجر قاتل نہ[1] منہ موڑے کہیں
آبرو رکھنا گراں جانی مری

وقت رخصت اُس سے وہ شکوے غضب
اور[2] وہ اُس دم کی پشیمانی مری

اپنی آرائش انھیں چھوڑے بنی
پہنچی[3] اس درجے پہ حیرانی مری

میں نگہباں اُن کا تھا یہ لطف ہے
اب وہ کرتے ہیں نگہبانی مری

خار صحرا چومتے ہیں میرے پاؤں
وحشت دل بھی ہے دیوانی مری

اب تو چپ ہوں وہ لگائیں منہ ذرا
پھر سنو تقریر لاثانی مری

دوست کا احساں ، نہ دشمن کا ستم
ہے ملاقات اُن سے روحانی مری

---

۱ - ''نہ موڑے'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۰۵) میں مصرع اول کو ناموزوں بنا رہا ہے - کتابت کی غلطی سے ''منہ'' رہ گیا - اس لیے ''نہ ،نہ موڑے'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

۲ - ''اور'' بر وزن ''فع'' (فائق)

۳ - ''نیچی'' (صفحہ ۲۰۵ ''کلیات نظام'') کتابت کی غلطی ہے- ''پہنچی'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

جمع خاطر آپ کی بھی پھر کہاں
کر رہی یوں ہی پریشانی مری
رشک دشمن پر بھی مجھ سے روٹھنا
یہ خطا بھی آپ نے جانی مری
سچ تو یہ ہے آپ کی عادت یہ ہے
جھوٹی باتوں پر قسم کھانی مری
رشک دشمن پر بھی کہتے ہیں نظام
تو نے بھی عادت نہ پہچانی مری

(۳۵۳)

نظر آتے ہو آج حیراں سے
کیا نظام آئے بزم جاناں سے
ایسا رونا نصیب ہو کس کو
اشک پوچھیں وہ اپنے داماں سے
تم کہو تو بھی وہ نہ آنے دے
دشمنی ہے یہ ، مجھ سے درباں سے
آنھیں کیا کیا گماں ہوں گے جنوں
ہاتھ اُٹھا[1] لے مرے گریباں سے
حال دل سن کے کچھ نہ بولے وہ
رہ گئے کیا ہی ہم پشیماں سے
دوستو اس گھڑی نہ کچھ پوچھو
ابھی آتا ہوں بزم جاناں سے

---

۱ - ''اُٹھائے'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۸۶) میں کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے - ''اُٹھالے'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

مجھ پہ تم کچھ ستم نہیں کرتے؟
غیر ہی کہہ دیں اپنے ایماں سے
تمھیں سچے ہو ایسے ، دیکھیں گے
پھر گیا میں ہی عہد و پیماں سے
ہوگیا اک جہان کا دشمن
دوستی کرکے دشمن جاں سے
کچھ نہ ہوگا تو یہ تو ہوگا آج
تم نہ آئے ، تو ہم گئے جاں سے
ایسی باتیں بہت سنی ہیں نظام
کوئی کیا خوش ہو جھوٹے احساں سے

(۳۵۴)

میرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوئی
کیا خوشی آپ کی یہ بھی نہ ہوئی
پوچھنے والوں نے مارا مجھ کو
کیا کہوں واں گزر اب بھی نہ ہوئی
رہ گئیں حسرتیں باقی دل میں
کچھ ملے پر بھی تسلی نہ ہوئی
غیر کے کہنے سے ہم سے روٹھے
بات یہ بھی تو کچھ اچھی نہ ہوئی
نہ تو موت آئی نہ وصل اُس کا ہوا
آرزو ایک بھی اپنی نہ ہوئی
ہم سے ملنے نہیں دیتے تمھیں غیر
اس میں کچھ آپ کی مرضی نہ ہوئی

یوں بتوں کی ہو خدائی تابع
یا خدا تیری خدائی نہ ہوئی

کیا ترے ہوتے بھلا جانیں ہم
وصل کی شب کبھی روزی نہ ہوئی

رہ گئے دیکھ کے ہم حسرت سے
اُن کے در تک جو رسائی نہ ہوئی

کوئی امید نہ بر آئی نظام
کوئی خواہش مرے دل کی نہ ہوئی

(۳۵۵)

جو کہیے ''کچھ خبر تم کو کسی مضطر کی ہوتی ہے؟''
تو کہتے ہیں ''یہاں حالت یہی اکثر کی ہوتی ہے''

یقیں کیوں کر نہ آئے گا ہمیں، ہاں آپ آئیں گے
قسم سچی جو ہوتی ہے ہمارے سر کی ہوتی ہے

زبانِ غیر سے میری شکایت سچ سنی تم نے
تمہارے دھیان میں فرصت کسے دم بھر کی ہوتی ہے

جو واعظ ذکرِ کعبہ مجھ کو ترغیباً سناتا ہے
تو کیا کیا دل میں خواہش اُس صنم کے در کی ہوتی ہے

شبِ تنہائی میں چاروں طرف کو دیکھتا ہوں میں
یہی وہ گھر ہے رونق ایسی کچھ اس گھر کی ہوتی ہے

ہماری خستہ جانی پر تو کچھ اُن کو نہ رحم آیا
ستم یہ ہے کہ پھر تعریف بھی خنجر کی ہوتی ہے

یہ رحمت حال پر میرے، کہیں باراں بے موسم
حکایت گر وہاں کچھ میری چشمِ تر کی ہوتی ہے

تمھارے عشق سے توبہ ، کبھی میں توبہ کرتا ہوں
سمجھتا ہوں جو کچھ خواہش نصیحت گر کی ہوتی ہے
جفائیں غیر کی سہنا پڑیں ، اپنی خوشی ہم کو
ہمارے رنج دینے میں خوشی دلبر کی ہوتی ہے
یہاں تک حال واں کا پوچھتا ہوں میں کہ مت پوچھو
غرض اک جان آفت میں پیام آور کی ہوتی ہے
نظام ایماں ہوتا ہے جدا اُس کا خدائی سے
محبت جس کے دل میں اُس بت کافر کی ہوتی ہے

(۳۵۶)

کوئی ہزار طرح اُس کا غم بھلائے مجھے
کبھی نہ بھول سکوں اور یاد آئے مجھے
تمھارے غم میں یہ جینے سے تنگ آیا ہوں
کسی کی آئی ہوئی موت اب تو آئے مجھے
جو تم ہی مجھ کو ستاؤ تو میں کہوں کس سے
کہوں میں تم سے کوئی گرچہ کچھ ستائے مجھے

ق

الٰہی ! پھر ہو شب وصل، پھر ہوں باہم لطف
میں دور بیٹھوں تو وہ پاس ہی بٹھائے مجھے
پھر اپنے ہاتھ سے دے جام مے چھلکتا ہوا
نہ میں پیوں تو وہ اپنی قسم دلائے مجھے
پھر ایک ہاتھ تو وہ ڈالے میری گردن میں
اور ایک ہاتھ سے ساغر وہی پلائے مجھے
ذرا سی چکھ کے جھجک کر جو منہ پھراؤں میں
تو ہائے کیا کیا لگاؤ سے پھر ستائے مجھے

غرض یہی ہی بنے مجھ کو بعد پینے کے
نشہ سا ہوئے تو بے ہوشی سی کچھ آئے مجھے
پھر آ کے نشے میں وہ بھی لپٹ کے سینے سے
تمام شب عجب انداز سے سلائے مجھے
سحر کے خوف سے ہردم میں چونک‌چونک پڑوں
کہ پھر یہ رات میسر نہ ہوگی ہائے مجھے
جو صبح ہوئے تو مل مل کے خوب سا روؤں
کہ رحم کھا کے وہ پاس اپنے پھر سلائے مجھے
نظام میں تو دعا مانگوں تو کہو آمین
جو کچھ یہ میری ہوس ہے خدا دکھائے مجھے

(۳۵۷)

یا جدا دل سے خدایا تپ ھجراں ہوجائے
یا اجل آئے کہ مشکل مری آساں ہوجائے
یہ دعا ہے تہ شمشیر لب بسمل پر
دل میں کچھ سوچ کے قاتل نہ پشیماں ہوجائے
روش نکہت گل عشق نہیں چھپ سکتا
لاکھ پردوں میں نہاں ہو تو نمایاں ہوجائے
دل فقط سوز محبت نے جلایا تو کیا
سیر تب ہے کہ بدن سرو چراغاں ہوجائے
ساتھ سوتے ہوئے گرمی میں وہ گھبراتے ہیں
دن جو پھر جائیں ہمارے تو زمستاں ہوجائے
چشم جاں باز بتاں سے جو کرے دل پتھر
تو ابھی درد جگر قابل درماں ہوجائے

باد اُس خندۂ پر شور کی روز افزوں ہے
رفتہ رفتہ نہ کہیں دل سے نمک داں ہو جائے
صاف آئینہ یہ کہتا ہے کسی کے منہ پر
آپ جس دل میں سما جائیں[1] وہ حیراں ہوجائے
کیا اثر ہو صفت گیسوئے جاناں میں نظامؔ
لاکھ مضمون بندھے چست پریشاں ہوجائے

(۳۵۸)

ناحق میں مجھ سے اہل وفا سے بگڑ گئی
عادت ہی اُن کی جور و جفا سے بگڑ گئی
زیب اور تیرے حسن خدا داد کو[2] ہے کیا
رنگت بتو! لبوں کی حنا سے بگڑ گئی
قسمت سے گر شفا ہو تو تدبیر بن پڑے
بیماری اپنی اور دوا سے بگڑ گئی
دو دن بھی اُس صنم سے نہ اپنی نبھی کبھی
جب کچھ بنی تو فضل خدا سے بگڑ گئی
اُن کو بھی ضد ہے، کہتے ہیں دیکھیں تو ہم اثر
بات اپنی اور آہ و بکا سے بگڑ گئی

۱- ''جائے'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۳۹) میں - جائیں تصحیح قیاسی - (فائق)

۲- ''ہی کو کیا'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۳۹) میں ہے - مطلب واضح نہیں ہوتا ، کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے - ''کو ہے کیا'' سے معنی بن جاتے ہیں - یہ تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

یہ تیرا انتظار دم مرگ تک رہا
تیرے مریض غم کی قضا سے بگڑ گئی
کچھ مجھ سے حال ایسا نہ کہنا تھا نامہ بر
تیرے کلام رشک فزا سے بگڑ گئی
اس رشک گل ہی سے نہیں اپنا بگاڑ کچھ
اپنی تو واں سبھا کی سبھا سے بگڑ گئی
اس سے بگاڑ ہے تو یہ کہتے ہیں دوست خوب
اچھا ہوا جو رنج رسا سے بگڑ گئی
یاں آپ کے بگاڑ میں جان پر ہے آ بنی
واں تم کو کیا ، تمھاری بلا سے ، بگڑ گئی
اب کیا کہیں کسی سے کبھی ہم بھی تھے نظام
صورت ہماری رنج و اذا سے بگڑ گئی

(۳۵۹)

نہیں ملتا کسی ڈھب دل ربا ، کیجے تو کیا کیجے
بری جاگہ[۱] لگا ہے دل مرا ، کیجے تو کیا کیجے
مجھے کیا کیا ہنسی میں کہہ گئے میں بھی کہوں گر کچھ
ذرا میں ہوتے ہو تم تو خفا ، کیجے تو کیا کیجے
وہاں سے تو خفا ہو کر میں آیا ہوں یہاں پر اب
کسی صورت نہیں دل مانتا ، کیجے تو کیا کیجے
جو ملتا ہوں تو آفت ہے، نہ ملتا ہوں تو مرتا ہوں
تری چاہت میں یہ کچھ ہے مزا ، کیجے تو کیا کیجے

۱- ''جاگہ'' بجائے ''جگہ'' متروکات سخن میں سے ہے - (فائق)

بنی[1] بات اپنی ہائے اب کہ کہنے میں عزیزوں کے
ہوا وہ آشنا نا آشنا ، کیجے تو کیا کیجے
کہوں کس سے نظام اپنی ، مری کب کوئی سنتا ہے
وہ اب سنتے ہیں غیروں کا کہا ، کیجے تو کیا کیجے

(۳۶۰)

جب سے اس بت پہ طبع آئی ہے
دشمن جان مری خدائی ہے
وہ ہیں اور[2] ربط ہے رقیبوں سے
ہم ہیں اور[3] صدمۂ جدائی ہے
آپ کو مل گیا بہانہ خوب
میری قسمت میں ہی جدائی ہے
ہم سے اظہار رنجش اعدا
یہ بھی اک طرز بے وفائی ہے
یاں مرا حال اور ہی کچھ ہے
واں ابھی الفت آزمائی ہے
پوچھ ہم دم نہ میرے دل کا حال
آج کچھ بات یاد آئی ہے

۱- مصرع اول کا مفہوم واضح نہیں ہوتا ، مصرع کی شکل کتابت میں تبدیل ہوگئی ہے - اگر مصرع اس طرح تبدیل کریں :
''بنی بات اپنی بگڑی اب کہ کہنے میں عزیزوں کے''
تو شعر کا مطلب صاف ہو جاتا ہے - (فائق)

۲ ، ۳- ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

سچ ہے یا جھوٹ ہے یہ بات نظام
تیری اس بزم تک رسائی ہے

(۳٦١)

کیا پیش جائے ایسے ستم گر کے سامنے
کہتا ہے کیوں کھڑے ہو مرے در کے سامنے
منظور ہاں مجھی کو تو ہے آپ سے بگاڑ
یوں پھر تو کہنا آنکھیں ذرا کر کے سامنے
میرے تو دیکھنے سے برا مانیں ایسے آپ
خود دیکھو پھروں آئنہ یوں دھر کے سامنے
ملنا تمھارا کیسے ہو کچھ تو بتائیے
یہ بات سہل ہے دل مضطر کے سامنے
کیوں ہم نے اک جہان کو دشمن بنا لیا
کہہ کہہ کے اپنا حال دل اکثر کے سامنے
کیں لاکھ کوششیں نہ بر آئی اک آرزو
تدبیر چلتی کب ہے مقدّر کے سامنے
حق پوچھیے تو واں کی بھی ذلت میں لطف ہے
توقیر کیسی اس بت کافر کے سامنے
یہ کس سے ہو کہ دیکھیے یا بات کیجیے
پھر کس ہوس پہ جائیے دلبر کے سامنے
کب تک نہ پاس اپنے بلائے گا تو ہمیں
ہم بھی پڑے رہیں گے ترے در کے سامنے
اعدا کو آتے جاتے نہ ہر دم تو دیکھیے
کیوں ہم نے گھر بنایا ترے گھر کے سامنے

کچھ تو خدا کا ہے انھیں عرفان اے نظام
یوں لوگ سجدہ کرتے نہ پتھر کے سامنے

(۳۶۲)

یہ چلتے وقت آپ مجھے کیا سنا چلے
ہم وہ نہیں کہ ہم پہ کسی کا کہا چلے
آتے ہی ''جاؤں جاؤں'' یہ کہنا تو ہے ستم
انصاف کیجیے ، ابھی کیا آئے ، کیا چلے
عادت ہے اُس کی ظلم کی، ایذا پسند ہے
سمجھانے دوستو ! آسے بے فائدا چلے
جب کس کے پاس بیٹھے تھے پوچھی نہ بات بھی
اب بیٹھیں کیا کہ مفت کی ذلت اُٹھا چلے
سنیے تو میرا حال یہ سچ ہے غلط ہے سب
پر آپ تو ابھی سے کچھ آنکھیں چرا چلے
میں چپ سنا کیا وہ سبھی کچھ کہا کیا
اُس بد زباں کے آگے ، زباں میری کیا چلے
ناصح کی پند ، دوستوں کی طنز ، کیا سنوں
سب کچھ کروں میں دل پہ اگر بس مرا چلے
وہ بات کون سی ہے جو آتی نہیں تمھیں
کب میرے آگے آپ کا عذر جفا چلے
کچھ وعدے پر اب آئے ہو پھر آؤ گے ضرور
کیا صاف دو ہی باتوں میں مجھ کو اڑا چلے
کچھ نا امید ہو کے چلا ہے نظام آج
پھر پھر کے کیوں نہ تیری طرف دیکھتا چلے

(۳۶۳)

بھا گیا ہے لطف ایسا رشک دشمن کا مجھے
دل ہی میرا تم سے اب ملنے نہیں دیتا مجھے
کیجیے شکوہ تو کہتے ہیں وہ اُلٹا کیا مجھے
ہم نے جو چاہا وہ چاہا تم نے کیوں چاہا مجھے
خواہش دل دے کے کس کس طرح سے مجھ کو ستائے
ہائے پھر وہ ہی ستمگر آج یاد آیا مجھے
یہ ہی کہتے ہیں کہ اب تم کو بلانے کا نہیں
یاد ہے وہ وصل کی شب آپ کا کہنا مجھے
پاس جب سے وہ نہیں ہے تو یہ حالت ہے مری
دم بہ دم رونا مجھے ، چاروں طرف تکنا مجھے
اب کوئی تدبیر بن آتی نہیں، ناچار ہوں
ہائے رے اُس شوخ کو دل ہی نہ دینا تھا مجھے
یوں وہ غیروں سے ملیں اور ہائے میں دیکھوں **نظام**
یہ ہی دل ہے تو دکھائے گا ابھی کیا کیا مجھے

(۳۶۴)

روز محشر سے بھی افزوں شب وعدا[1] دیکھی
یہ قیامت تو نئی ہم نے خدایا دیکھی
دل لگانے کا ابھی صدمہ نہیں دیکھا ہے
وہ بھی مرتے ہیں کسی پر ، مری دیکھا دیکھی

۱- ''شب وعدہ'' مرکب اضافی ہے ، وعدہ کی ہائے ہوز کو ''الف'' سے تبدیل کرنا جائز نہیں - حرف روی الف ہے - اسے عیوب شعری میں شمار کرتے ہیں - (فائق)

آ کے بے ساختہ کس پیار سے وہ پوچھتے ہیں
اب تو بر آئی ہوئی اپنی تمنّا دیکھی
دور سے غیر کو نزدیک جو بیٹھے دیکھا
اس کی محفل میں نہ پھر بیٹھنے کی جا دیکھی
کچھ رکا سا مجھے دیکھا تو سنا کر یہ کہا
کیا مرے ملنے میں کچھ لوگوں نے ایذا دیکھی؟
یوں مرے پاس تم آ کر یہ عنایت فرماؤ
آج کیا آپ نے جاتی ہوئی دنیا دیکھی
یہی دیکھا کہ وہ ملتا ہے یوں ہی غیروں سے
خواب بھی ہم نے جو دیکھی، قلق افزا دیکھی
آنکھوں آنکھوں میں شب وصل کچھ ایسی گزری
اُن کی صورت بھی نہ اچھی طرح اصلا دیکھی
کچھ تو ہے بات جو وہ دوست بنا ہے ایسا
بات دشمن میں کوئی مجھ سے زیادا دیکھی
یہ نئی چھیڑ ہے اب پوچھتے ہیں مجھ سے نظام
کیوں خفا مجھ سے ہو، تقصیر مری کیا دیکھی

(۳۶۵)

نہ گوکھ ''بالی'' کی رخسار سیم بر میں چبھے
الٰہی یہ مرے دل میں چبھے، جگر میں چبھے
یہ محو آئنہ ہیں اب یہی خلش ہے مجھے
کہ شانہ کرنے میں شانہ کہیں نہ سر میں چبھے
عدو کو دیکھ کے واں آئیں اور خواب آئے
تمام رات تو کانٹا سا چشم تر مین چبھے

کہاں ہے خار کو نسبت تمھاری مژگاں سے
چبھے وہ پا میں کسی کے، تو یہ جگر میں چبھے
محبت اُن کی مرے دل سے جائے کیا ناصح
کہ میرے دل میں تو پہلی ہی وہ نظر میں چبھے
الٰہی اب تو کوئی عذر اُس کا پیش نہ جائے
نہ خار راہ کوئی پائے نامہ بر میں چبھے
کمر تو باندھتے ہیں آپ ایسی کس کس کر
نہ کامدانی کا پٹکا کہیں کمر میں چبھے
نگاہ تیز سے بھی دیکھتے میں[1] ڈرتا ہوں
خلش یہ ہے نہ کہیں جسم فتنہ گر میں چبھے
کسی کا عہد تھا کیا اپنا شیشۂ دل بھی
کہ ریزے ریزے سے کچھ آج میرے بر میں چبھے
کبھی تو ہم کو بھی ایسی نگاہ سے دیکھو
کہ نیش رشک دل غیر بد نظر میں چبھے
کبھی اثر نہ کرے اُس پہ آہ کیا کیجے
جو تیر آہ سدا چرخ کی سپر میں چبھے
نظام رکھ رہ اُلفت میں بے ہراس قدم
کہ خار گم رہی[2] یاں خوف میں خطر میں چبھے

۱۔ "ہیں" نسخۂ مطبوعہ صفحہ ۲۵۳ میں غلط۔ "میں" تصحیح قیاسی۔ فائق

۲۔ نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۵۳) میں "کم رہے"۔ "گم رہی" تصحیح قیاسی۔ (فائق)

(۳٦٦)

کب وہ بال اپنے سنگھاتے ہیں مجھے
غش پہ غش کیوں چلے آتے ہیں مجھے

غیر کا حال سناتے ہیں مجھے
دوست بن کر بھی ستاتے ہیں مجھے

کہتے ہیں کون ستاتا ہے تجھے
کیا کہوں آپ ستاتے ہیں مجھے

کرے ہر اک سے وفا ، کس کی بلا
غیر سے کہہ کے ستاتے ہیں مجھے

اچھی کرتے ہیں تسلی ہم دم
اور یاد اس کی دلاتے ہیں مجھے

میری اُلفت سے تو آگاہ ہیں خوب
روٹھ جانے پہ ڈراتے ہیں مجھے

بھولنے دیتے ہیں کب درد فراق
پچھلے غم یاد دلاتے ہیں مجھے

اک پری وش کی میں ہوں یاد میں محو
لوگ دیوانہ بتاتے ہیں مجھے

شکوۂ ظلم نہ کرنے پہ یہ لطف
اُلٹے احسان جتاتے ہیں مجھے

کیا کوئی اور ستم یاد آیا
کس لیے آپ مناتے ہیں مجھے

گر یہی ہے قلق دل تو نظام
طور بے ڈھب نظر آتے ہیں مجھے

(۳٦۷)

دل پھرا ناصح کب اُس عیّار سے
پھر گیا سر اس تری گفتار سے
بے وفائی کی شکایت یار سے
دوستی در پردہ ہے عیّار سے
گو یوں ہی ہر بات کہہ لیتے ہیں وہ
پھر تسلی ہوگئی ؛ اقرار سے
پھر ہی دینا میری باتوں کا جواب
ایک سے کیا ، پوچھ کر دو چار سے
پھر کے اُس کو دیکھنا تو چاہیے
گر کوئی پامال ہو رفتار سے
آج مطلب آپ کا کچھ اور ہے
ہے یہ ظاہر شوخیٔ گفتار سے
اور اُن کو ضد نہ ملنے کی ہوئی
بات بگڑی اپنی ہی تکرار سے
اور مطلب کی ہوس اب کیا کریں
محو ہیں ہم لذت دیدار سے
کچھ سبب آزار کا کھلتا نہیں
پوچھتے ہیں سب ترے بیمار سے
غیر سے یہ بات مل کر پوچھتے
مل گیا کیسے یہ اُس عیار سے
جس سے کہتا ہوں وہ کہتا ہے کہ بس
ہم ہیں واقف تیرے حالِ زار سے

رشک تو دشمن کو ہم سے ہو گیا
یہ بھی حاصل اُن کے جھوٹے پیار سے
یاں کسے واعظ کی باتوں کا یقیں
کون جائے کوچۂ دل دار سے

ذکر ہر دم غیر کا ہے میری موت
کم نہیں یہ بات بھی تلوار سے
کچھ نہ کچھ تو ہے سبب اس کا نظام
یوں کوئی آتا ہے کوچے یار سے

(۳۶۸)

صاف باتوں میں تو کدورت ہے
اور[۱] لگاوٹ سے ظاہر اُلفت ہے
غیر سے بھی کبھی تو بگڑے گی
روٹھنا تو تمھاری عادت ہے

وعدہ تو کیجیے، حیلے پھر سو ہیں
اور پھر آگے میری قسمت ہے
آپ کے لطف میں تو شک ہی نہیں
دل کو کس بات کی شکایت ہے

اُس ستم گر سے شکوہ کس سے ہو
اور اُلٹی مجھے ندامت ہے
بولے دکھلا کے آئنہ شبِ وصل
''دیکھیے تو یہی وہ صورت ہے؟''

۱- ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

موت کو بھی نظر نہیں آتا
ناتوانی نہیں، قیامت ہے

کچھ کہا ہوگا اُس نے بھی قاصد
کچھ نہ کچھ تیری بھی شرارت ہے

غیر سے کہتے ہیں سنا کے مجھے
جس سے اُلفت ہے اُس سے اُلفت ہے

شام ہی سے یہ بےقرار ہوں میں
اور ابھی دور صبح فرقت ہے

دل میں اُلفت بھی اتنی تو ہوئے
جس قدر آنکھ میں مروّت ہے

کہو سب کچھ، نہ روٹھنے کی کہو
یہ ہی کہنا تمھارا آفت ہے

واہ کیا تیری شاعری ہے **نظام**
کیا فصاحت ہے، کیا بلاغت ہے

(۳۶۹)

واں رسائی ہو تو ذلت ہو جائے
یوں ہی اے خوبیٔ قسمت ہو جائے

ظلم تو ایسے نہ مجھ پر کیجیے
غیر کو جائے شکایت ہو جائے

کچھ ترے ملنے نہ ملنے پہ نہیں
دل کو تسکیں کسی صورت ہو جائے

مجھے کیا دیکھتے ہو، تم کو تو
آئنہ دیکھے سے حیرت ہو جائے

حق سے کیا وصل صنم چاہے نظام
کر دعا اپنی اجابت ہو جائے

(۴۷۰)

منظور وصل کب تمھیں، وعدا کیا سہی
یہ دیکھ لیں گے آج ہی، پھر اس کو کیا سہی
مانا برا کچھ آپ نے کیا شب کے ذکر سے
اچھا ادھر تو دیکھو وہ میری خطا سہی
تم اور کس کو چاہتے ہو، میں تو وہ ہی[1] ہوں
اوروں کا گر خیال ہے وہ ہی سرا سہی
کیوں اپنے حال سے تمھیں آگاہ کیجیے
کیوں تم سے کہیے، شکوہ کسی بات کا سہی

(۴۷۱)

کبھی ملتے تھے ہم[2] سے، وہ زمانہ یاد آتا ہے
بدل کر وضع، چھپ کر شب کو آنا یاد آتا ہے
وہ باتیں بھولی بھولی اور وہ شوخی ناز و غمزے کی
وہ ہنس ہنس کر ترا مجھ کو رلانا یاد آتا ہے
گلے میں ڈال کر باہیں وہ لب سے لب ملا دینا
پھر اپنے ہاتھ سے ساغر پلانا یاد آتا ہے

۱- ''وھی'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۵۶) میں غلط ہے، ''وہ ہی'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

۲- ''وہ ہم سے'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۲۵۶) میں سہو کتابت معلوم ہوتا ہے، ''ہم سے وہ'' تصحیح قیاسی ہے (فائق)

بدلنا کروٹ اور[۱] تکیہ مرے پہلو میں رکھ دینا
وہ سونا آپ اور[۲] میرا جگانا یاد آتا ہے

وہ سیدھی اُلٹی اک اک منہ میں سو سو مجھ کو کہہ جانا
دم بوسہ وہ تیرا روٹھ جانا یاد آتا ہے

وہ باتوں کا اڑانا اور شرمانا ترا ظالم
وہ اپنی سرگزشت غم سنانا یاد آتا ہے

تسلی کو دل بے تاب کی میرے ، دم رخصت
نئی قسمیں وہ جھوٹی جھوٹی کھانا یاد آتا ہے

وہ رشک غیر پر رو رو کے ہچکی میری بندھ جانا
فریبوں سے وہ تیرا شک مٹانا یاد آتا ہے

وہ میرا چونک اٹھنا سحر کے غم سے اور[۳] تیرا
لگا کر اپنے سینے سے سلانا یاد آتا ہے

کبھی کچھ کہہ کے وہ مجھ کو رلانا اس ستم گر کا
پھر آنکھیں نیچی کرکے مسکرانا یاد آتا ہے

(۳۷۲)

اُدھر آرائشیں ہیں اور[۴] ادھر نوحہ ہے زاری ہے
وہاں افشاں چنی جاتی ہے ، یاں اختر شماری ہے

کوئی اس آفت جاں سے بچائے کس طرح دل کو
جو باتیں بھولی بھولی ہیں تو صورت پیاری پیاری ہے

---

۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ''اور'' بر وزن ''فع'' (فائق)

سبب کچھ تو بتاؤ وعدے سے کیوں پھر گئے قاصد
کسی کی اس میں کیا تقصیر ، یہ قسمت ہماری ہے
خدا جانے دل مضطر کی اپنے ، آرزو کیا ہے
غضب ہے وصل کی شب میں بھی وہ ہی بے قراری ہے
گئے وہ دن جو گھڑیاں ہجر کی راتوں کی گھٹتی تھیں
بنی ہے جان پر اب ہچکیاں ہیں دم شماری ہے
یہ صورت ہوگئی اس آئنہ رو کی جدائی میں
کہ اک سکتے کا عالم ہے غشی ہر لحظہ طاری ہے
یہ بیٹھے بیٹھے آہیں بھرنا ، اشک آنکھوں میں بھر لانا
کوئی جانے کہ ان کو بھی کسی کی یادگاری ہے
اثر اس بت پہ تو یارب نہیں ہوتا نہیں ہوتا
یہ کیسی آہ و زاری ہے یہ کیسی اشک باری ہے
عدو سے ان سے گر رنجش بھی ہوتی ہے تو یہ قسمت
بگڑ کر مجھ سے کہتے ہیں ، شرارت یہ تمھاری ہے
جھکائے جا ہمیں ساقی ، یہاں غم کس کو محشر کا
ہمارے سر پہ سایہ ، ابر رحمت ، فضل باری ہے
شب وصل اس کا وہ گھبرانا اور[1] تنگ آکے یہ کہنا
ستالو آج ہم کو ، خیر اپنی اپنی باری ہے
تمھاری بات کو کب سچ نہ جانا جھوٹ کب سمجھے
شکایت کون کرتا ہے تمھیں کیوں شرم ساری ہے
نہ ہم سے ہی نبھی تو غیر سے بھی کیوں نہ بگڑے گی
تسلی اب ہماری ہے کہ یہ عادت تمھاری ہے

---

۱ - ''اور'' بر وزن ''فع'' - (فائق)

(۴۷۳)

وہی لوگ پھر آنے جانے لگے
مرے پاس کیوں آپ آنے لگے

کوئی ایسے سے کیا شکایت کرے
بگڑ کر جو باتیں بنانے لگے

یہ کیا جذب دل کھینچ لایا انھیں
مرے خط ، مجھے پھر کے آنے لگے

ابھی تو کہا ھی نہیں میں نے کچھ
ابھی تم جو آنکھیں چرانے لگے

ھمارے ھی آگے گلے غیر کے
ھماری ھی طرزیں اُڑانے لگے

نہ بن آیا جب اُن کو کوئی جواب
تو منہ پھیر کر مسکرانے لگے

(۴۷۴)

گردش ھمیں وطن میں ھے ایذا سفر میں ھے
آرام ھے جو کچھ تو اسی رہ گزر میں ھے

جو کچھ اشارے ھوتے ھیں سب دیکھتا ھوں میں
ساری شرارت آپ کی میری نظر میں ھے

(۳۷۵)

ذرا سمجھ تو ضد اُن کی ہزار باقی ہے
ابھی تو شب بھی دل بے قرار باقی ہے
مری ہی بات ہے تو صاف رنج کھلتا ہے
مرے ہی دل میں تو اب تک غبار باقی ہے
کوئی بھی اس دل بے تاب کی ہے کچھ تدبیر
کوئی علاج بھی اے غم گسار باقی ہے
اب آرزو دل بے تاب کی نہیں معلوم
وصال میں بھی وہی اضطرار باقی ہے
کسی کے ساتھ کسی نے تو شب کو پی ہوگی
یہ شکر، آنکھوں میں اب تک خمار باقی ہے

(۳۷۶)

دل میں سمجھے ہوئے ہیں کچھ اپنے
اس لیے نعش پر نہیں آتے
اُن کو منظور ہوتا گر آنا
کیوں نہ آتے، مگر نہیں آتے
غیر بھی ہوں مری طرح نالاں
تمھیں جور اس قدر نہیں آتے

(۳۷۷)

جو منہ سے کہا ہے وہی اب کر کے اٹھیں گے
اب بیٹھ گئے در پہ ترے، مر کے اٹھیں گے

جب اٹھتے ہیں واں پر سے تو آتا ہے یہی دھیان
اب جا کے جو بیٹھیں گے تو دل بھر کے اٹھیں گے

ہر اک نہ کہے کچھ مجھے تو چاہے سو کہہ لے
بس طعنے نہ مجھ سے ترے گھر بھر کے اٹھیں گے

قاتل! یہ ہمیں ہیں کہ ذرا اف نہیں کرتے
کب وار کسی سے ترے خنجر کے اٹھیں گے

(۳۷۸)

گئے ہیں وہ ابھی یاں سے پتا نہیں ملتا
یہ کس نے بوسے مری طرح نقش پا کے لیے

نہ پاس رشک بھی اب تو رہا ترے غم میں
گیا میں غیر کے بس پاس التجا کے لیے

یہ خون بہا وہ دم قتل دے چلے مجھ کو
بہائے اشک گہر میرے خون بہا کے لیے

بتوں[1] کا عشق کہاں تک ذرا خدا سے تو ڈر
نظام چھوڑ دے عشق بتاں خدا کے لیے

---

۱ - ''بتوں عشق'' مطبوعہ ''کلیات نظام'' (صفحہ ۲۵۹) میں ہے - مصرع ناموزوں ہے - ''بتوں کا عشق'' تصحیح قیاسی ہے - کاتب کی غلطی سے حرف ''کا'' رہ گیا ہے - (فائق)

(۳۷۹)

دل دھڑکتا ہے وہاں پر جاتے
پھر یہ کہتا ہوں کہ ذلت ہی سہی
ہم بھی ایسے نہ برا مانیں گے
روٹھ جانا تری عادت ہی سہی
کبھی ہم سے بھی ملا کیجے گا
غیر سے آپ کو اُلفت ہی سہی
روٹھ کر آپ چلے جائیے گا
جان پر میری اذیت ہی سہی
وصل میں بھی یہ رکاوٹ ہے غضب
چلے کچھ شکوہ شکایت ہی سہی
تو مرے حق میں جو ذلت چاہے
تو مرے واسطے ذلت ہی سی
آپ راضی رہیں مجھ سے ہر طور
نہ سہی وصل تو فرقت ہی سہی
حال دل یار سے کہہ بیٹھ نظام
نہ سہی کچھ تو ندامت ہی سہی

(۳۸۰)

ہزاروں وہم ہوئے گر ہوا وصال مجھے
ستائے بن نہیں رہتا ترا خیال مجھے
یہ روز روز کے صدمے تو اٹھ نہیں سکتے
جو مارتا[1] ہے تو اک روز مار ڈال مجھے

---

۱ - ''مارتا''؟ - (فائق)

تمھیں خیال نہیں میرے رنج کا کچھ بھی
جو رنج غیر کو بھی ہو تو ہو ملال مجھے
وہ اُلفتیں جو تری پہلی یاد آتی ہیں
تو اس ستم پہ وفا کا ہے احتمال مجھے
ہوا ہوں فرط محبت میں اس قدر ناداں
کہ ظلم وہ کریں اور[1] آئے انفعال مجھے
میں[2] اپنے دل کو کروں کیا کہ پہلی وہ رسمیں
کہ آج تک ہے اُسی طرح کا خیال مجھے
کسی پھر ایسے سے کیا کوئی سن کے جو یہ کہے
"میں جانتا ہوں ، سناؤ نہ اپنا حال مجھے"

(۳۸۱)

اُٹھتا ہوں اُس کی بزم سے جب ہو کے ناامید
پھر پھر کے دیکھتا ہوں ، کوئی اب پکار لے

(۳۸۲)

سبب وہ پوچھتے ہیں مجھ سے میری ایذا کا
یہ کیا کہوں کہ عنایت یہ آپ ہی کی ہے

۱- "اور" بر وزن "فع" - (فائق)
۲- مصرع اول اور ثانی میں ربط نہیں ہے - کتابت کی غلطی ہوگی یا قدرت علی خاں مرتب "کلیات نظام" کی - (فائق)

(۱) قصائد

(۲) قطعات

(۳) سہرے

(۴) قطعات اور غزل (فارسی)

(۱)

قصیدۂ نو رسیدہ در صنائع و بدائع

بہ مدح جناب نواب مستطاب فیض مآب حضرت حاجی محمد کلب علی خان صاحب بہادر نیر اعظم ،کشور ہند ، جی ، سی ، ایس ، آئی فرزند دل پذیر دولت انگلشیہ فرماں فرمائے دارالریاست مصطفیٰ آباد عرف رامپور دام اقبالہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صنعت توشیح

ج جوشش نشو و نما ہے یہ چمن میں ہر جا
ن نکہت گل نے کیے ہیں پر بلبل پیدا
ا اثر باد بہاری سے گلستان جہاں
ب بن گیا گلشن جنت کا نمونہ گویا
ن نکہت گل سے معطر ہے مشام عالم
و واہ کیا فیض ہوا کا ہے اثر صل علیٰ
ا آب انگور ہے جاں بخش دل و راحت روح
ب بادۂ ناب میں ہے کیفیت آب بقا
م محو نظارہ بنی نرگس شہلائے چمن
س سرمئی دیکھی جو کاجل سے دھواں دھلر گھٹا

ت تازگی بخش گلستاں ہے نسیم سحری
ط طرب انگیز و دل آویز ہے گلشن کی ہوا
و اتر آئی ہے مگر لال پری شیشے میں
ب بادۂ سرخ سے لبریز کہاں ہے مینا
ف فصل گل میں چمنستان جہاں ہے سیراب
ی یہ وہ موسم ہے کہ ہر چیز کو ہے نشو و نما
ض ضبط فریاد اسیران قفس نا ممکن
م مانتا ہی نہیں دل ، کرتے ہیں شور و غوغا
آ آئنہ خانہ ہے یا شہر حلب ہے گلشن
ب باغ بانوں کو تحیّر سے ہوا ہے سکتا
ح حامئی موسم گل ہے کرم ابر بہار
ض ضامن فصل خزاں ہے اثر باد صبا
ر روکش گنبد اخضر ہے زمین سرسبز
ت تا فلک اڑ کے پہنچتا ہے غبار غبرا
ح حیرت افزا ہے صفائے در و دیوار چمن
و آب آئینہ سے کس نے رخ گلشن دھویا
ج جام برکف ہے جو ساقی تو کھوں میں پھبتی
ی ید بیضا میں ہے یہ مشعل طور سینا
م مترنم ہو اگر صحن چمن میں قمری
ح حالت وجد کرے سرو لب جو پیدا
م موسم گل میں ترقی پہ ہے فیضان بہار
د دامن دشت و جبل لالۂ حمرا سے بھرا
ک کیا عجب ہے اثر باد بہاری سے اگر
ل لعل و یاقوت کے بدلے ہوں زمرد پیدا

ب بن گیا گل جو شرر سنگ سے نکلا کوئی
ع عیسئی وقت ہے فیض دم جاں بخش صبا
ل لاجوردی نہیں رنگ فلک نیلی فام
ی یہ اس آئینے میں عکس پر طاؤس آترا
و خلش خار خزاں کا نہیں کھٹکا باقی
ن آمد فصل بہاری سے نیا گل پھولا
ن نظر آ جائے اگر آئنۂ عارض گل
ص صورت آئنہ حیران رہے چشم بینا
و اس ترق پہ جو ہے گرمئی بازار نشاط
ح حدّت بادہ سے کب برف میں ٹھہرے مینا
ب باغ عالم میں عجب دھوم سے آئی ہے بہار
ب بوسے لیتے ہیں لب جام کے مست صہبا
ہ ہو نہ جائے شجر طور کہیں پھر سرسبز
و 'ارنی' کہنے لگیں پھر نہ جناب موسیٰ
د دم عیسیٰ سے نہیں کم نفس باد بہار
ر روح پرور ہے نسیم سحری کا جھونکا
ن نسترن ریز ہے ہر جیب جبال و کہسار
ر یاسمیں راز ہے ہر دامن دشت و صحرا
ر رونق محفل رنداں ہو اگر مے کے سبب
آ آرزو مند ملاقات ہوں سو دل سے فدا
ع عیش ہے تلخ مرا بے مئے تلخ اے ساقی!
ظ ظلم ہے، قہر ہے، آفت ہے، مصیبت ہے، بلا
م میرے آئینۂ دل پر تری عکسی تصویر
ک کس مصور نے اتاری ہے، مجھے بھی تو بتا

ش شوق نظارہ میں ہوں جاں بہ‌لب آ دیر نہ کر
و وقت فرصت کو غنیمت سمجھ اے حور لقا !
ر رونق افزا ہو اگر دختر رز محفل میں
ہ ہو عجب طرح کا ہنگامۂ عشرت برپا
ن نشۂ بادہ سے ہم رند ہیں ایسے مدہوش
د دونوں عالم سے جداگانہ ہے عالم اپنا
ج جی کو بے چین مرے دیکھ کے بجلی تڑپی
س سینہ کوبی کو مری سنتے ہی بادل کڑکا
ا ایستادہ پئے تعظیم ہیں سرو لب جو
آ آئی کس دھوم سے گلشن میں بہار رعنا
ف فیض بخش ازلی کا ہے یہ ایثار کرم
ر رحم سے جو زر و گوہر گل و شبنم کو دیا
ز زیب و زینت میں ہیں مصروف عروسان چمن
ن ناز و انداز سے پھولوں کا پہن کر گہنا
د دے مجھے ساغر مے مغبچۂ بادہ فروش
د دیکھ میری طرف اور آنکھ ذرا مجھ سے ملا
ل لب ساقی سے خجل ہو کے چھپا ظلمت میں
پ پانی پانی عرق شرم سے ہے آب بقا
ذ ذکر دلبر نے بھلایا غم عالم دل سے
ی یاد جاناں میں فراموش ہے دین و دنیا
ر رقص طاؤس ہے بے تابیٔ دل پر صدقے
د دل پر داغ ہے طاؤس گلستان وفا
و واہ کیا خوب سیہ مست گھٹا چھائی ہے
ل لائق سیر و تماشا ہے بہار دنیا

ت - تو جو اس موسم گل میں ہے جدا اے ساقی
ا اشک خوں دیدۂ تر سے نہیں دم بھر تھمتا
ن نگہ مست سے ساقی کی ہوئے ہم بے ہوش
گ گردش چشم ہوئی گردش ساغر سے سوا
ل لادوا ہے مرض ہجر اگر وصل نہ ہو
ش شوق پابوس میں جینا ہمیں مشکل ٹھہرا
ی یوں تو اشعار ہزاروں کے سنے ہیں تو نے
ہ ہم سے بھی سن یہ غزل اے صنم بے پروا

غزل

ف فتنۂ زلف کا اندھیر ہے طوفان بلا
ر رہ زن دین مسلماں ہے یہ کافر بہ خدا
م مرحبا اے سر آوارگیٔ دشت جنوں
ا آفریں اے اثر وحشت و جوش سودا
ن نہ خود آتا ہے ستم گر نہ بلاتا ہے مجھے
ف فائدہ کیا جو پس از مرگ کبھی یاد کیا
ر روز و شب سوختۂ آتش پنہانی ہوں
م مضطرب ہجر میں دل ، آگ میں جیسے پارا
ا آمد قافلۂ اشک رواں ہے دیکھو
ے یوسف دل تو نہیں چاہ زنخداں میں گرا
د داغ پر داغ دیے سوز دروں نے مجھے
ا اے پری سرو چراغاں ہے ترا دیوانا
ر رنج پر رنج کہاں تک تری فرقت میں سہوں
ا آدمی ہوں ، نہیں پتھر کا کلیجا میرا
ل لطف اے آتش دل ، خاک ہوئی جان حزیں
ر رحم اے سوز جگر ، خوب جلایا پھونکا

ی یاد آئی ہے مجھے کس کے قد و قامت کی
ا آہ و زاری سے جو ہے شور قیامت برپا
س ساقیا دے وہ مئے وصل کا ساغر جس سے
ت تر و تازہ ہو دماغ و دل و روح و اعضا
م میں ہوں تنہا کوئی تسکیں کے لیے پاس نہیں
ص صبر مرحوم کہاں، طاقت مغفور کجا
ط طرز و انداز بلا، غمزہ ستم، ناز غضب
ف فتنۂ دہر ہے، آفت کا ہے تو پرکالا
ی یا خدا جس بت بے رحم پہ میں مرتا ہوں
ا اس جفا کیش کو مطلق نہیں میری پروا
ب برق خرمن نہ کہیں باغ میں بن جائے بہار
آ آتش گل نہ جلادے کہیں دامان صبا
د دام صحن چمنستاں سے اٹھا لے صیّاد
ع عندلیبان چمن کرتے ہیں فریاد و بکا
ر رات دن رہتی ہے پیش نظر دیدۂ دل
ف فکر تدبیر وصال صنم ہوش ربا
ر رخ پر نور دکھا دے ہمیں اے رشک مسیح
ا اب تو دیدار سے محروم نہ رکھ بہر خدا
م مشرب عشق میں ہے کفر دلا مایوسی
پ پاک بازوں کو نہیں بوالہوسی کا چسکا
و وصل جاناں کی تمنا میں لبوں پر دم ہے
ر رحم اے اختر قسمت، مدد اے بخت رسا
د دشمن جان مرے واسطے مینائے شراب
ا آفت جاں ہے مرے واسطے جام صہبا

م میں ہوں اے شوخ سیہ چشم ترا وحشی چشم
ؤ آنکھیں اس طرح نہ ہر دم مجھے شوخی سے دکھا
ق قلقل شیشۂ مے میں اثر قم قم ہے
ب بادہ ہے معجزۂ ساقی اعجاز نما
اے صنم کچھ نہ خدا تو ہے نہ موسیٰ میں ہوں
ل لن ترانی کا مناسب نہیں ناز بے جا
ہ ہے جو اظہار بلاغت مجھے منظور نظام
م میرے ہر لفظ سے ہے حسن معانی پیدا

گریز شاعرانہ

جوہر طبع رسا عرض کروں کس کے حضور
کیا کہوں کوئی زمانے میں سخن داں نہ رہا
نہ رہا نام و نشان قدر سخن کا باقی
کہیں کہتے نہ ہوں شاید کہ اسی کو عنقا
اپنے مذہب میں مگر کفر ہے مایوسی و یاس
کیا عجب دام میں آ جائے کسی روز ہما
دیکھ لو یاوری بخت اسے کہتے ہیں
کس قدر اوج پہ ہے اختر تقدیر رسا
شکر صد شکر بہ درگاہ خداوند کریم
کیا ہی ممدوح ہمیں خوبیٔ قسمت سے ملا
قدردان سخن و جوہری جوہر علم
نیّر اعظم اوج فلک ذہن و ذکا
حضرت کلب علی خان، بہادر نواب
صاحب شوکت و اقبال و حضور والا

ہے وہ نواب نظام اور ہوں میں شاہ نصیر
آصف الدولہ ہے وہ، میں ہوں رفیع السواد
نصرت الدیں ہے اگر وہ تو نظامی ہوں میں
سعد وہ ہے تو میں ہوں سعدی تاج الفصحا
ارسلاں شاہ وہ ہے، میں ہوں ظہیر فاراب
ہے وہ عباس، میں ہوں، صائب فخر الشعرا
میں غنیمت ہوں، اگر ہے وہ شہ عالم گیر
صفت شاہ جہاں وہ ہے، میں قدسی آسا
میں ظہوری ہوں جو مالک ہے مرا عادل شاہ
عنصری میں ہوں جو محمود ہے میرا آقا
خان خاناں جو ہے نواب تو میں عرفی ہوں
میں ہوں فیضی اگر اکبر ہیں حضور والا
بو ظفر وہ ہے تو میں غالب و ذوق و مومن
پایۂ تخت کا شاعر ہوں غرض میں بہ خدا
ہو برا گردش تقدیر کا یا رب جس نے
آج تک حاضر خدمت مجھے ہونے نہ دیا
کھینچ لایا مگر اب شوق قدم بوس، حضور
بخت بیدار ہوئے، میرا نصیبا جاگا
چرخ بے فیض سخن سنج نہیں ہے تو نہ ہو
میرا نواب ہے فیاض و سخن داں کیسا
باد پیمائے قلم اپنا ز رہ جولانی
عرصۂ مدح میں بھرتا ہے طرارے کیا کیا

صنعت غیر منقوط

واه او کلک گہر سلک عطارد کردار
مطلع عاطلہ کس دھوم کا واللہ لکھا

مطلع عاطلہ

مصدر مہر و ولا وکرم و رحم و عطا
سالک راہ ھدا سرور عالم آرا

صنعت منقوط

پیش بین تخت نشین زینت بخشش ذی فیض
بغضب تیغ زن چین جبین زیبا

صنعت فوق النقاط

مظہر صدق و صفا ، قدر شناس مردم
مخزن فضل و سخا ، معدن الطاف و عطا

صنعت تحت النقاط

گوہر درج ھمم ، کوکب برج اکرام
صاحب دبدبہ و سروری و مجد و علا

صنعت متصل الحروف

گلبشگفتہصحنچمنخلقعمیم
صفتنگہتگلنگہتفیضشہہجا

گل بشگفتۂ صحن چمن خلق عمیم
صفت نکہت گل نکہت فیضش ہمہ جا

صنعت منفصل الحروف

داور داد رس و رب ودود و دادار
دادہ در روز ازل روزی ادراک اورا

صنعت جامع الحروف

مظہرفیض و عطا ، منعم ذی جود و سخا
صلح کل مشرب و ثابت قدم روز وغا

صنعت ذو بحرین

نیتر اوج شرف ، ابر کرم ، فخر جہاں
گوہر بحر سخاوت ، در دریاے عطا

عربی

ان فی الخلق لقد جاء عمیم الاشفاق
صاحب الخلق والاحسان ملاذ الغربا

صنعت واصل الشفتین

میرا ممدوح امیر ابن امیر ابن امیر
میں کمر بستہ کمیں خادم مدحت ہوا

صنعت واسع الشفتین

اس طرح کا ہے سخن سنج کہ جس کا ثانی
آج تک اہل جہاں نے کہیں دیکھا نہ سنا

صنعت تجنیس

ہو حیات ابدی حصۂ احباب جناب
سر خود سر خود سر ہو حباب دریا

صنعت مقلوب مستوی

نم شدت کا سہی درد یہ ساکت دشمن
اشک ہرگاہ رکا ، خاک رہا گرہ کشا

ن م ش دت ک ا س ہ ی در دی ہ س اک ت دش م ن
اش ک ہ رگ اہ رک ا خ اک رہ اگ رہ ک ش ا

صنعت اضداد

تیرے احباب کی آبادی ہو گلشن گلشن
تیرے بد خواہ کی ویرانی ہو صحرا صحرا

مطلع تازہ حضوری میں سناتا ہے **نظام**
مدح غالب سے تسلی نہیں دل کو اصلا

۱

مطلع

اے فلک رتبہ و ذی جاہ و امیرالامرا
مشتری یمن و قمر طلعت و خورشید لقا
تو ہے مرکز تو جہاں دائرۂ پرکاری
مرجع عالمیاں ہے تری ذات والا
ہوسکے آگے ترے یوسف مصری سے نہ بات
ہے یہ شیریں دہنی دیکھ کے لب بند اس کا
دم تقریر ترا چشمۂ حیواں ہے دہن
لب جاں بخش سے اعجاز مسیحا پیدا
میں جو تحریر کروں تیری سخاوت کا بیاں
ہر ورق صاف بنے غیرت اوراق طلا
بارش ابر کرم سے ترے گر ہو سیراب
ابر مردہ بھی برسنے لگے ہوکر زندا
شرط بدلی سے جو بدلی تھی نہ اس سے بدلی
بڑھ کے نیساں سے بھی برسے تری بخشش کی گھٹا
قفل صندوق صدف تونے کھلے چھوڑ دیے
کر دیے دست گہر بار سے خالی دریا
سنگ ریزے سے سبک لعل گراں قیمت ہے
قطرے سے کم ترے آگے گہر بیش بہا
ہے تہی کیسۂ معدن تری فیاضی سے
نام کو بھی نہ جواہر ہیں نہ ہے سیم و طلا
خاک پر ہو جو تری چشم عنایت کی نظر
قدر و قیمت میں وہ اکسیر سے ہوجائے سوا

خواب مخمل کو بھی کم خواب میں دیکھا جس نے
آسے کاشاں ترے کاشانۂ دولت سے ملا

تو وہ ہے منتظم نظم امور ملکی
میر منشی ہے ترا منشیٔ دیوان قضا

پشت دولت ہے تری پشت پناہی سے قوی
سایہ گستر ہے ترا ظل حمایت ہر جا

رستم زال سے جو زال ہے ابدال ہزال
عہد نصفت میں ترے کیوں نہ لڑائے پنجا

نخل موسی پہ ترے عدل کا سایہ ہو اگر
آپ سرگرم حفاظت رہے خورشید اس کا

تیغ گل گیر سے سر اس کا قلم ہو فی الفور
پر پروانہ اگر شمع سے پائے ایذا

کفر و اسلام کا ہے فرق صریحاً ظاہر
عدل سے تیرے کہاں نسبت عدل کسریٰ

تو ہے وہ صادق الاقرار کہ اے اہل کرم
دو قدم آگے ترے وعدے سے چلتی ہے وفا

خشم آگیں جو تری چشم ہو اے اہل حشم
رخ مریخ پہ ہیبت سے ہو زردی پیدا

پردۂ گور میں پنہاں ہو نہ کیوں کر بہرام
جب کہ بہرام فلک تابع فرماں ہو ترا

چاہ میں کود پڑا خوف و خطر سے رستم
جب سنا تیری شجاعت کا عجم میں چرچا

کم نہیں نار جہنم سے تری تیغ کی آنچ
خرمنِ جانِ عدو کے لیے ہے برقِ فنا

فوج اعدا کا ترے کھیت ہرا کرنے کو
ابر شمشیر سے ہو بارش خون اعدا

گر مقابل ہو تری تیغ دو دم سے اک دم
اسد چرخ پہ ہو سب کو گماں جوزا

خوش نویس ازلی نے یہ دعاے سیفی
خط جوہر سے تری سیف پہ کی ہے املا

وصف شبدیز میں ہے گرم عنان جولاں
توسن فکر نے کیا باندھی ہے مضموں کی ہوا

ہے پری اڑنے میں اور باد سحر چلنے میں
تیز رفتاری میں ہے پیک نظر سے بھی سوا

ابر پر برق ہے، گردوں پہ شہاب ثاقب
موج بر آب رواں، تخت سلیماں بہ ہوا

وہ ترا فیل سواری ہے کہ جس کے آگے
پست رفعت میں ہے فیل فلک پشت دوتا

کہتی ہے دیکھ کے اس فیل کو روح فرہاد
بے ستوں چار ستونوں سے ہوا ہے برپا

دونوں دندان ترے فیل کے دو چشمۂ شیر
جان شیریں ہوئی جس شیر پہ شیریں کی فدا

اے نظام حزیں اب سمع خراشی تا کے
کہ عیاں را چہ بیاں طول سخن تا بہ کجا

اشعار دعائیہ

جلوہ گر مطلع امید سے ہے مہر مراد
صبح کا وقت ہے دروازۂ رحمت ہے کھلا

صدق نیت سے بہ درگاہ مجیب الدعوات
رکھ کے سجدے میں سر عجز کر اس طرح دعا

اے خداوند سماوات و شہنشاہ زمیں
مالک کون و مکاں ، صاحب عرش اعلیٰ

کر عنایت مرے ممدوح کو عمر ابدی
خضر سے بڑھ کے میسر ہو اسے طول بقا

یا الٰہی رہے تا سلسلۂ لوح و قلم
یا الٰہی رہے تا واسطۂ ارض و سما

یا الٰہی رہے تا مرکز ماہ و خورشید
یا الٰہی رہے تا دائرۂ صبح و مسا

یا الٰہی رہے تا گلشن ہستی میں بہار
یا الٰہی رہے تا عطر فشاں باد صبا

یا الٰہی رہے تا ابر میں آب رحمت
یا الٰہی رہے تا جنبش موج دریا

روز نوروز ہو ہر روز دل افروز تجھے
لیلۃالقدر سے ہو قدر میں ہر رات سوا

شان و شوکت ہو تری غاشیہ برداری میں
فتح و نصرت رہے ہمراہ رکاب والا

تجھ سے اے قبلہ مخالف ہوں جو اصحاب الفیل
سنگ ریزوں سے ابابیل کے ہو جائیں فنا

رو بہ رو تیرے اگر کوئی کرے نمرودی
پشۂ لنگ سے ہو کام کفایت اس کا
کوئی بد خواہ جو آمادۂ فرعونی ہو
چوب دستی ہو تری اس کا عصائے موسیٰ
سینۂ معدن کینہ ترے بد خواہ کا ہو
ہدف تیر قضائے قدر انداز قضا
لیلیٰ بخت رسا کا رہے مجنوں اقبال
اور دولت در دولت کی کنیز ادنیٰ
حاتم طے کی سخاوت سے مجھے کیا مطلب
تو ہی ممدوح مرا ، میں ہوں ترا مدح سرا
تیرے قدموں پہ تصدق ہو مری جان حزیں
سر احقر ، ہو ترے پائے مبارک پہ فدا
مدتیں ہوگئیں در در مجھے پھرتے پھرتے
اب تو شاہا در دولت سے نہ محروم پھرا
سلطنت کی نہ تمنا ہے نہ شاہی کی ہوس
ہے ترا سایۂ دیوار مجھے ظل ہما

یادگار[1] نظام جاں نثار

---

۱ - یہ قصیدہ نظام کا تحریر کردہ ہے - (فائق)

قصیدہ (۲)

''در مدح یوسف عہد ، ملک خصال ، سکندر شوکت ،
دارا حشمت نواب محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر ،
والی ریاست رام پور نوراللہ مرقدہ''

بھلایا جائے کہاں دل سے وہ بت بے پیر
بگاڑ میں وہ غضب اور ادا میں وہ تقریر

ادھر تو آپ میں سودے میں اپنے ھوں پابند
اُدھر وہ زلف گرہ‌گیر پاؤں کی زنجیر

اُدھر تو خار اُلجھتے ھیں میرے دامن سے
ادھر ھے پنجۂ وحشت مرا گریباں گیر

الٰہی ھجر میں ایذا تو ھوتے دیکھی ھے
وصال میں نہ سنا ھوتے بھی کوئی دل گیر

وہ میرے پاس ھو تو بھی ھو دل کو بےچینی
میں اپنے دل کی تسلی کی کیا کروں تدبیر

وہ بات بات میں اُس کا ستم اُلجھ پڑنا
وہ چھیڑ چھیڑ کے کرنا بگاڑ کی تقریر

میں نامہ بر تجھے کس منہ سے پھر وھاں بھیجوں
نہ کارگر تری تقریر ، نے مری تحریر

نہ آپ آئے کبھی اور نہ اُن کو رحم آیا
اثر نہ گریہ میں دیکھا ، نہ آہ میں تاثیر

اسی لیے نہیں پروا انھیں مرے دل کی
وہ جانتے ھیں کہ یہ میرے دام میں ھے اسیر

وہاں کے جانے سے دشمن بھی تنگ آتے ہیں
بلا سے گر نہ ہو کچھ اُن کے سامنے توقیر
ہزاروں باتیں تھیں گو دل میں اُن سے کہنے کو
پر اب ہوں سامنے خاموش صورت تصویر
وہ حال سن کے مرا اور تو نہ کچھ بولے
یہ منہ پھرا کے کہا ہائے کیا مری تقدیر
کسی سے میں ہی تو ملتا ہوں تم سے چھپ چھپ کر
ادھر تو دیکھو یہ انصاف ، یہ مری تقصیر
یہ ہاتھ اُٹھا کے ڈراتے ہو کیا خفا ہو کر
جو یہ خوشی ہے تو کیا دیجیے گا کچھ تعزیر
بگڑ کے کہتے ہیں وہ آپ بھی اُنھیں سے ملیں
کسی محل پہ اُنہیں دوں اگر کسی کی نظیر
خفا وہ ہوئیں نصیب ایسے اپنے کس دن تھے
الٰہی اور بھی ہو مجھ سے ایسی تو تقصیر
یہ ہم دموں نے مچایا ہے شور و غل کیسا
یہاں خیال ہے کچھ اور مجھ کو وقت اخیر
نہ آئے وعدے پہ وہ یاں لبوں پہ جان آئی
ادھر یہ موت کی جلدی اُدھر وہ کچھ تاخیر
یہ دور دور جو کھنچتے ہو مجھ سے کیا مجھ کو
سمجھ کے مفلس و محتاج دیکھتے ہو حقیر
یہ جانتے نہیں مداح تم[1] میں کس کا ہوں
نہیں ہے عدل میں جس کا کوئی عدیل و نظیر

۱- مصرع ناموزوں تھا ، کاتب سے کوئی لفظ چھوٹ گیا ہے ، وزن پورا کرنے کے لیے لفظ ''تم'' اضافۂ مرتب ہے - (فائق)

ابھی وہ چاہے تو تابع مرے کرے تم کو
ابھی وہ چاہے تو اک دم میں مجھ کو کردے اسیر

غریب پرور و مسکیں نواز ، عاجز دوست
سخی و باذل و بسیار بخش بے تکثیر

ذکی ، فہیم ، عقیل ، اهل دانش و بینش
بلیغ و افصح و روشن دل آفتاب ضمیر

گناہ بخش ، رحیم و کریم ، نکتہ پسند
خطا گزار و مروت شعار ، عذر پذیر

خیال و وهم میں تجھ سا نظر نہیں آتا
دکھا سکے ھے مگر آئنہ ھی تیری نظیر

بیان کیا تری صورت کا ھوئے یوسف عہد
یہ تیری خو ، تری صورت کی آپ ھے تفسیر

نہ ھوسکے ترے الطاف کا بیاں ھرگز
نہ ھوسکے ترے اخلاق کی کبھی تحریر

رجوع خلق یہ کچھ ھے کہ وہ جو ھیں آزاد
ھیں وہ بھی دام محبت میں اب تو تیرے اسیر

کمند جنگ تری کیوں نہ ھوئے اعدا بند
کمند خلق تری اولیا کی ھے تسخیر

مطلع ثانی

عجب نصیب ترے اور عجب تری تقدیر
کہ تیرے عہد کے راضی ھیں تجھ سے ایسے فقیر

دعائیں دیتے ھیں کیسے وظیفے پڑھ پڑھ کر
وظیفے ایسے نشانے پہ جیسے پہنچے تیر

عدو ترا وہ نگوں بخت ، خفتہ طالع ہے
جو نیک خواب بھی دیکھے تو ہو بری تعبیر
عدو کے سر سے ہے سیلاب مرگ در گزرا
کہ تیر بازی میں تیری کہاں ہے ماہ منیر
جہاں گیا ترا لشکر وہاں لڑا ایسا
عدو کی فوج سے ملتی ہے لڑ کے جو تقدیر
ترا عمل نہیں جس جا وہاں پہ بدعملی
کہ رہزنوں کی بنی ہے خراب میں رہگیر
چھڑا دے خلق رئیسوں کی دست ایذا سے
تو پہلے ملک انہیں تھوڑی دے ہے پس جاگیر
یہ فوج ہے تری جرار تیری جرأت سے
عدو ہزاروں اگر ہوں یہ ہو بس عشر عشیر
ادھر ہزاروں ہوں زخمی، ہزاروں ہوں کشتہ
ادھر نہ ایک کی بھی پھوٹے نام کو نکسیر
نظام مدح کر ایسی جو اس کے لائق ہو
یہ سست سست تو مت کر غزل کی سی تقریر
سزا ہے تجھ کو جہاں کی سری جہاں سرور
نہ تیغ تیری سی اب ہے ، نہ تیری سی تدبیر
جو بات سچ ہے تو پھر کیا حیا کی اس میں جگہ
کہ رعب مانے ہیں تیرا ولایتوں کے امیر
کہاں امیروں کی نیرو کہاں تری طاقت
تو شیر شرزہ بلائے جہاں تری نخچیر
کر اپنے خنجر الماس سے جہاں کو سوم
ذرا تو شست سے کر آ سناں کو زہ گیر

ہے سامنے ترے رائے رزیں کے یوں خورشید
کہ جیسے سامنے خورشید کے ہے ماہ منیر

تو ملک ہند (بھی) لے اور لے بدخشاں بھی
عدو کے خوں سے تو کر لال جوہر شمشیر

جہاں خراب ہے بے عدل کے ترے داور
تو اس خرابے کی کر اپنے عدل سے تعمیر

وہ انتظام کٹھیر[1] کیا کہ کیا کہنا
تمام ہند ہے بلکہ جہاں ہے زیب پذیر

بہ‌رنگ حرف غلط صفحۂ زماں[2] سے ترے
ترے سلاح کی کزلک سے حک ہے لفظ شریر

معاف دار جو مایوس سال ہا سے تھے
معاف کی انھیں ہوں تھوڑی یا بہت جاگیر

زیادہ سب کی کریں کیسی کیسی تنخواہیں
کیا ہے اک کو معزز ہر اک کو دی توقیر

جو تھے سپاہی وہ اب ہوگئے رسالہ‌دار
رسالہ‌دار جو تھے وہ تو ہوگئے ہیں امیر

جو کم سخن تھے کیا آپ ان کو بیش قرار
اگرچہ آپ نہ کی ، اپنے باب میں تقریر

اگر کہے کوئی کچھ میرے واسطے نہ ہوا
یہ اس کے بخت کی کوتاہی اس کی یہ تقدیر

نہ چاہی ہو گی ترقی ہی اس نے اپنے لیے
نہ چاہی ہو گی اسی نے کچھ آپ ہی توقیر

۱- کٹھیر صحیح لفظ ہے ، ضرورت شعری سے نظام نے تصرف کیا ہے (فائق)
۲- ''زباں'' مطبوعہ میں غلط ہے — (فائق)

سونے کی ہوس تیرے ہاتھوں پر آئی
نہ ہوئے خواہش زر جب تو خاک ہے اکسیر

نظام اب ہے یہ موقع ہیں ثنائے حضور
ثنائے کلب علی خان دلیر کر تحریر

ولی عہد بہادر کہ خلق و صورت میں
اگر ہے یوسف ثانی تو مثل عالم گیر

وہی نگاہ نوازش غریب و عاجز پر
وہی ہر ایک ہنرور کی عزت و توقیر

وہی نشان شجاعت وہی سخا کے اثر
وہی تلطف و خلق و کرم ، وہی تسخیر

مطلع ثالث

ہوا ہے عہد میں اُس کے جوان یہ چرخ پیر
مئے شباب سے سرخوش ہے ہر صغیر و کبیر

نوید بخشش سعادت منجموں کے کلام
کہ سعد و نیک ستاروں کی ہو گئی تاثیر

کسی کی کیسے نحوست کے سب بتائیں دن
کسی کی کیسی فلاکت کی اب کریں تقریر

بنی ہر اک کی یہ تقدیر ہے کہ شکر تو کیا
برائی پر بھی تو کہتے ہیں خوبئی تقدیر

کسی کو ہو بھی جو ایذا تو ہو مآل خوشی
زبانِ شمع پہ کیا ہو شکایت گل گیر

یہ کچھ ہے زور وہ عصفور عصر میں تیرے
بلغ کی طرح سمجھتی ہے باز کو بھی حقیر

جو تیری رائے ہو دنیا میں وہ ہی رائے[1] رہے
اسی کا نام ہے تقدیر جو تری تدبیر
خوشی سے تختۂ کاغذ پہ ہے شگفتہ چمن
نہیں ہے نغمۂ بلبل سے کم قلم کی صریر
یوں ہی شگفتہ ہوں دل دوستوں کے ہنسنے میں
وہ عید حج کی میں کرتا ہوں تہنیت تحریر
ہوں میش جس طرح قرباں بروز عید ضحیٰ
عدو ہو خنجر حسرت سے ذبح بے تکبیر
ترا جو لطف ہے سب پر تو اور کچھ ہے رنگ
عجب نہیں جو کہیں رام پور کو کشمیر
خبر ہر ایک کی لینا ہر اک کو کچھ دینا
جو ہوئے شل کوئی یا لنگ ہوئے یا ہو زہیر
ثبوت سب ہے ترے دست جود کا احساں
ہے اس طرح سے کہ ہے جس طرح سے کف کی لکیر
کہوں میں بحر کرم تجھ کو یا کہ کان سخا
کہ دیکھتا ہوں سخاوت تری بہ ایں تکثیر
نہ ایک دم کی بھی زرپاشی کو وفا ہو وہ زر
کہ جس میں ریگ بیاباں قدر ہو صرف اکسیر
یہ کس کے خالق نے بخشی نسیم کو خوش بو
سخا نے کس کے یہ بخشا گلوں کو زرِّ خطیر
خوشی سے عہد میں تیرے سمن ہوئی سوسن
بدل ہے خندۂ طوطی کا بلبلوں کی نفیر

۱- ''جاے'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۱۲) میں غلط ہے اس لیے تصحیح قیاسی کی گئی - (فائق)

زمینوں کی خوشی آسمانیوں کو نوید
کہ ایک سحر بیان داستان کی تحریر
کچھ ایسی چیز ہے ہر اک کو فیض ہو اس سے
درست نظم کریں شاعران خوش تقریر
یوں ہی درست ہو انشا بھی اہل انشا کی
کوئی ہو منشی دوراں ہو یا ہو پیر' دبیر
رہے زمانے میں تقدیر کا گلہ جب تک
تری خوشی کے موافق رہے تری تدبیر
کشادہ رائے سے جب تک کہ ہوئے حصن حصین
کلید فتح ہو میدان میں تری شمشیر
میں تیرے واسطے کس بات کی دعا مانگوں
وہ دے چکا تجھے پہلے ہی مالک تقدیر

۱- دبیر ؟

قصیدہ (۳)

در مدح عالی جناب معلٰی القاب گردوں جناب ، ہلال رکاب،
سکندر شوکت ، دارا حشمت حاجی الحرمین
نواب محمد کلب علی خاں صاحب

سیل اشک (وا) گرد غم سے ہے مکدر آستیں
دامن سیلاب صحرا کی ہے ہم سر آستیں

ہے یقیں تر دامنی دھو جائے گی مثل غبار
گریۂ خجلت سے گر یوں ہی رہی تر آستیں

کس کی جاں ہے جو (نہ ھو۲)مقتل میں بے شمشیر ذبح
جب چڑھائے کہہ کے وہ "اللہ اکبر" آستیں

گاہ پوچھے آستیں سے اشک دامن سے کبھی
ہو گیا دامن کبھی تر ، اور کبھی تر آستیں

آہ سوزاں آفتیں کرتی بپا حائل ہے چرخ
ظلم ڈھائے اشک ، ہے سد سکندر آستیں

پیرہن پرزے ہوا یاں تک تو اے دست جنوں
ہو گئی چاک گریباں ، چاک ہو کر آستیں

خوں کا یاں دعویٰ ہے کس کو ہاتھ کانوں پر نہ رکھ
تر ہے اب تک تو لہو سے اے ستم گر آستیں

ہائے وہ چست آستینیں۳ اور وہ بازو گول گول
نیچے اکوں کی چمک اور ان کے اوپر آستیں

۱- تصحیح قیاسی - (فائق)
۲- تصحیح قیاسی - (فائق)
۳- "آستینیں" تصحیح قیاسی ہے۔ مطبوعہ نسخے (صفحہ ۵) میں "آستیں" ہے - (فائق)

پیرہن کی دست گیری پر اڑا پھرتا ہوں میں
ہے مری پرواز کو گویا کہ شہپر آستیں

میرے گریہ سے بپا طوفاں نہ ہوتا خلق میں
رحمت باری ہے دامن، اس سے بڑھ کر آستیں

یہ تو کہیے بے سبب چولی یہ مسکی کس طرح
یہ تو فرماؤ ہوئی یہ چاک کیوں کر آستیں

وصل کی شب اس نے سینے پر جو رکھا میرے ہاتھ
بن کے پھاھا لگ گئی زخم جگر پر آستیں

یہ خطا میری نہیں ہے آؤ تم سمجھو تو یہ
مسکی[1] ہوگی ہاتھا پائی میں مقرر آستیں

اب تو ہنستے ہو مرے رونے پہ، کیا دو گے[2] جواب
خوں فشاں دکھلاؤں گا جب روز محشر آستیں

ناتواں وہ ہوں کہ بستر پر نظر آتا نہیں
ہے دھرا دامن پہ دامن، آستیں پر آستیں

پیرہن پہنا ادھر میں نے ادھر پرزے اڑے
کوچے کوچے اس کے دامن ہے تو گھر گھر آستیں

کیوں نہ پھڑکیں پھنس گئی ہیں بازوؤں کی مچھلیاں
جال[3] ہی جالی کی ہے یا بازوؤں پر آستیں

۱- "مل کے" نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۵) میں۔ "مسکی" تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)

۲- "کا" نسخۂ مطبوعہ (صفحہ ۵) میں۔ "کے" تصحیح قیاسی ہے۔

۳- نسخۂ مطبوعہ میں اسی طرح ہے۔ "جال یہ جالی کا" کا بہتر ہوتا۔ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ (فائق)

کل شب اُس کے زیر سر اپنا یہ ہائے ہاتھ تھا
ہائے روئیں آج یوں آنکھوں پہ رکھ کر آستیں

جمع کچھ آنسو ہوئے تھے کتنے دریا ہو گئے
ابر کتنے بن گئے کچھ چاک ہو کر آستیں

ہوش بھی ہے اے دلِ مضطر یہ کس نے پوچھے اشک
دیکھ تو رکھی یہ کس نے چشم تر پر آستیں

خلعتِ عریانی اپنا زیب تن ہے کس کو فکر
کیا کریں دامن کو اور کیا کیجے لے کر آستیں

میں کسی کی کب سنوں، کہتے ہیں اپنی اپنی سب
کوئی دامن کھینچ کر، کوئی پکڑ کر آستیں

چھوٹتے ہی دامن ہوئے لڑنے کو تم تو مستعد
یوں بگڑ کر، یوں سنبھل کر، یوں چڑھا کر آستیں

یہ ترے دستِ نگاریں کا اثر ہے رشکِ گل
خود بہ خود بن جاتی ہے پھولوں کا زیور آستیں

منہ تو رونے کا بنایا سن کے میرا حالِ زار
چپکے چپکے ہنستے ہیں آنکھوں پہ رکھ کر آستیں

حق یہ ہے تا دامنِ محشر نہ چھوڑوں پھر تو میں
اُس صنم کی ہاتھ آجائے مرے گر آستیں

اب بتوں کی آستیں چھوڑ، آستیں وہ لے نظام
کر دے جو عالم میں تجھ کو نام آور آستیں

حامئی دینِ نبی کلب علی خاں نامور
مدح کے قابل اُسی کی ہے مقرر آستیں

کافر و دیں دار میں گو چولی دامن کا ہے ساتھ
اب تو دیکھیں بت چھپا سکتے ہیں کیوں کر آستیں

جو کہ تھے مظلوم وہ اس عہد میں خنداں ہیں اب
روتے ہیں اب تو عدو آنکھوں پہ رکھ کر آستیں

کیمیا کی ، کاں کی ، دریا کی ، کیا پروا اسے
ھل گئی وقت سخاوت اس کی جس پر آستیں

جو قلم زن اس قلم رو میں ہے یا ہے تیغ زن
ھاتھ لب ریز گہر آمودہ جو ھر آستیں

کیا عجب گر اس کی جوئے جود سے ھو بہرہ ور
بھر لے دامن کی روش ، بر سے صنوبر آستیں

دوستوں کے کام جاں کو ، وقت جنبش گہ لطف
بخشے ہے وہ لذت قند مکرر آستیں

یہ گہر بخشی ، ملے سائل کو خواھش سے سوا
بچ رہے دامن سے تو لے جائے بھر کر آستیں

وہ قد بالائے رفعت کی ہے تیرے جاہ و شان
چرخ ھو تجویز دامن ، کہکشاں گر آستیں

چرخ اطلس عطف دامن کی[1] ، ترے ھاں ھوسکے
کہکشاں کی ھوسکے گی کب برابر آستیں

آشیاں شہ باز شاھی کا کہ گوشہ ترا
اور نشیمن ہے ھما کا[2] تیری داور آستیں

دامن ثروت کی وہ وسعت کہ ھر امید پر
دیکھیں سب پھیلا کے دامن تیری سرور آستیں

شمع عمر دوستاں کو تیرا دامن جائے امن
اور چراغ ھستی اعدا کو صر صر آستیں

---

۱ - کی ؟ - (فائق)
۲ - "ھماں" نسخۂ مطبوعہ میں غلط اور ناموزوں - "ھما کا" تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

قصیدہ (۴)

در مدح حاجی الحرمین ، معلی القاب ، گردوں جناب ، سکندرصولت
دارا سطوت ، جناب محمد کاب علی خان صاحب بہادر
نور اللہ برھانہ

تری عمر ہو آسماں سے زیادہ
برس گانٹھ ہو کہکشاں سے زیادہ

فزوں ملک ہر سال ہر ماہ میں ہو
عدو کا ہو دل شق کتاں سے زیادہ

ترے فیض سے خلق یہ کچھ غنی ہے
نہیں لب پہ سائل کے ہاں سے زیادہ

کسی کو شکایت نہیں بخت بد کی
اگر واں سے کم تو یہاں سے زیادہ

یہ آرام یہ عیش دنیا میں کب ہے
کہیں ہو تو کہیے یہاں سے زیادہ

ترے عہد میں خوش ہیں جو غم زدہ تھے
ھنسی اب ہے لب پر[1] فغاں سے زیادہ

جو سرکش تھے وہ سرنگوں ہوگئے ہیں
دوتا پیر بھی ہیں کماں سے زیادہ

نہ تیغ قضا کو بھی میں تو کہوں گا
ترے خنجر خوں چکاں سے زیادہ

---

۱ - ''پر'' تصحیح قیاسی ، مطبوعہ نسخے میں نہیں ہے - (فائق)

اے دوست دشمن کی پہچان بھی ہے
رواں گو ہے حکم رواں سے زیادہ

یہ نقش قدم سے ہے تیرے مزین
زمیں زیب میں آسماں سے زیادہ

فرشتے نہ کیوں چھوڑ کر عرش آئیں
کسے سمجھیں اس آسماں سے زیادہ

خدا کی خدائی میں سچ ہے[1]، نہیں ہے
کوئی ملک، ہندوستاں سے زیادہ

مگر رام پور اس میں ہے شہر ایسا
کہ وسعت میں ہے اک جہاں سے زیادہ

یہ آب و ہوا کا اثر عہد سے ہے
کہ ہر پیر ہے نوجواں سے زیادہ

رکے دوست ہے جس طرح دل عدو کا
عدو کے ہیں دل مہرباں سے زیادہ

جو مشہور نصف جہاں اصفہاں ہے
تو یہ شہر ہے سب جہاں سے زیادہ

وہ دروازہ دولت سرا کا بنا ہے
کہ ہے وصف جس کا بیاں سے زیادہ

بنا پستی میں[2] ارض سے کچھ ہی کم ہے
بلندی میں ہے لا مکاں سے زیادہ

۱- ''بھی'' نسخۂ مطبوعہ (صفحہ) میں بے معنی ہے۔
''ہے'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

۲- ''ہے'' مطبوعہ میں بے معنی ہے ''میں'' تصحیح قیاسی - (فائق)

وہ بازار ناجر (کذا) وہ اُس کی رونق
کہ ہے اک دکاں اک دکاں سے زیادہ

کوئی جانے لینے تو کچھ کھو کے آئے
اگر اور بھی کچھ ہو جاں سے زیادہ

ہر اک باغ ہے بے نظیر اس روش کا
کہ ہر نخل سرو رواں سے زیادہ

جو تعریف میں کچھ بھی اُس کی لکھوں میں
تو سعدی کی ہو ''بوستاں'' سے زیادہ

اگر اُس کے ابر کرم کی ہو بارش
چمن میں ہو رونق خزاں سے زیادہ

وہ ہر دن کے جلسے نئے وہ تماشے
وہ لطف اُس میں میری زباں سے زیادہ

ہر اک سمت سے تحفے لے لے کے خلقت
چلی آتی ہے کارواں سے زیادہ

یہ سڑکیں مصفّا کہ اُن پر مسافر
چلیں تیز باد رواں سے زیادہ

بنیں[1] جا بہ جا ایسی سرائیں
ملے لطف اپنے مکاں سے زیادہ

وہ نواب کلب علی خاں بہادر
کہ جرأت میں ہر پہلواں سے زیادہ

۱- ''نہیں'' مطبوعہ نسخے میں غلط - ''بنیں'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

سخاوت میں حاتم کہوں اُس کو کیا میں
وہ آیا تھا ایسا کہاں سے زیادہ

طریقہ جو معروف ہے نقش بندی
وہ اُس میں ہے ہر رازداں سے زیادہ

تصور سے خالی نہیں ایک دم بھی
مخاطب ہے دل سے ، زباں سے زیادہ

عبادت میں گوشہ نشیں دن سے افزوں
ریاضت میں چلہ کشاں سے زیادہ

کسی کو ہو گر دید تو دیکھ لے وہ
حصول اُس کو ہے خواجگاں سے زیادہ

اُترتی اُسی کے لیے آسماں سے
جو ہوتی کوئی شے قراں سے زیادہ

چھپاؤں تو کب راز دل چھپ سکے گا
عیاں تجھ پہ ہے رازداں سے زیادہ

کہوں تو مرے غم کی اک داستاں ہو
نہیں بلکہ سود آستاں سے زیادہ

یہ کچھ ضعف ہے اور یہ کچھ دل ہے نازک
یہ ہے روح بار گراں سے زیادہ

دھواں آہ کا ابر تیرہ سے بڑھ کر
رواں اشک ، آب رواں سے زیادہ

ضروری جہت 'صرف' اور کم ہے 'آمد'
اُٹھانے کو آئے کہاں سے زیادہ

نہ زخمی ہو کیوں کر غم قرض سے دل
خلش میں ہے نوک سناں سے زیادہ

نہ کیوں قرض کو دل کا ناسور کہیے
عدو میں ہے زخم نہاں سے زیادہ

ترے در پہ جو آکے سائل ہوا ہے
ملا اُس کو وہم و گماں سے زیادہ

حباب آسا خالی تھا کچکول جن کا
وہ ہیں جوہری بحر و کاں سے زیادہ

مرے دو ہیں فرزند اک اُن میں کم سن
عزیز اُن کو رکھتا ہوں جاں سے زیادہ

وہ گو اور خدمت کے لائق نہیں ہیں
دعا میں ہیں پیر و جواں سے زیادہ

ترا اک اشارہ گر اُن کے لیے ہو
مرا وقر ہو عز و شاں سے زیادہ

نظام اب دعا مانگوں میں تو کہہ آمیں
نہ لکھ اپنا مطلب زباں سے زیادہ

قصیدہ[1] (۵)

در مدح نواب کلب علی خاں والیٔ ریاست رام پور

یہ سچ ہے وقت پھر کبھی آتا ہے جا کے ہاتھ
اب اُلٹے جوڑنے پڑے اُس بے وفا کے ہاتھ

نادم عبث ہوا میں اُدھر کو بڑھا کے ہاتھ
جھٹکا جو اُس نے کہہ کے ، یہ ہیں کس بلا کے ہاتھ

اُس کا بگڑ بگڑ کے وہ کہنا شب وصال
بس بس ذرا اُدھر ہی کو مجھ سے بچا کے ہاتھ

ظالم یہ منصفی ہے ، یہ الزام میرے سر
میں جھوٹ بولوں تیرے قدم کو لگا کے ہاتھ

---

۱ - اس غیر مطبوعہ قصیدے کا آغاز نظام کی مطبوعہ (کلیات نظام مطبوعہ شمس المطابع مراد آباد ، صفحات ۱۵۸، ۱۵۹) مشہور غزل کے اس مطلع سے ہوتا ہے :

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اُٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیے مسکرا کے ہاتھ

تشبیب کے اشعار غزل کی جان ہیں ۔ یہ اشعار قصیدے سے نکال کر ہائے ہوز کی ردیف غزلیات میں مع مقطع شامل کر دیے گئے ہیں ۔ غالباً قدرت کو اگر قصیدہ مکمل مل جاتا تو وہ قصائد میں شامل کر دیتے ، لیکن ”قدرت“ کو جو اشعار ملے وہ غزل کی صورت میں تھے ، اسی لیے غزل کی حیثیت سے یہ اشعار شہرت پا گئے ۔ غزلیات سے ان اشعار کو نکال کر قصیدے میں شامل کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا - قصیدۂ ہذا کے بارھویں شعر کے بعد غزل کا مقطع درج ہے - (فائق)

اس کا قصور کیا ہے یہ جس جا گرا، گرا
کھنے میں پاؤں ہیں نہ ترے مبتلا کے ہاتھ
وہ ہاتھ اس کا ہاتھ میں وہ لطف سیر باغ
اب اپنے ہاتھ ملتے ہیں وہ یاد لا کے ہاتھ
یہ بھی نئی ادا ہے، نئے طور کا ہے رشک
آپ اپنے چومے پاس مرے منہ کے لا کے ہاتھ
اچھی نشانی مانگی کہ یہ آفتیں سہیں
کیا رشک دے گئے مجھے خالی دکھا کے ہاتھ
تم اور سچے عہد کے اپنی قسم یہ جھوٹ
اچھا تو قول دیجیے مجھ کو ملا کے ہاتھ
اب یہ خلش ہے دیکھیے کیا اس کا گل کھلے
نادم ہوں نامہ بھیج کے پیک صبا کے ہاتھ
یہ بھی خدا کی مار ہے کہتے ہیں آپ کیا
کیوں آپ آپ رک رہے مجھ پر اٹھا کے ہاتھ
اے چرخ یوں جدا کیا اس مہروش سے ہائے
تو چین پائے گا مرے دل کو لگا کے ہاتھ
ایسا نہ ہو کہ ہاتھ ملوں رگڑوں ایڑیاں
بسمل نہ چھوڑنا مجھے قاتل لگا کے ہاتھ
بے ہوش یہ ہوا میں کہ گرتے ہی سو گیا
سر رکھ کے اپنا ہاتھ پہ تکیہ بنا کے ہاتھ
دیکھا جو ایسا حال مرا دست‌گیر نے
بیدار خواب سے کیا مجھ کو ہلا کے ہاتھ
پوچھا کہ تنگ دستی کا باعث تو اپنی کہہ
کیوں ایسے کٹ گئے ترے بخت رسا کے ہاتھ

کی عرض میں نے ایک مصیبت ہو تو کہوں
ایسے بڑھے ہیں میری طرف کو قضا کے ہاتھ

فرزند جو ہوا مرا دو تین سال کا
ہاتھوں ہی ہاتھ لے لیا اُس کو بڑھا کے ہاتھ

آنکھوں کے رنج ایسے سہے ہیں کہ کیا کہوں
کوٹا ہے پھروں سینے کو 'کوبہ' بنا کے ہاتھ

اب ایک ہے تو دودھ میسر نہیں آسے
کہتا ہے کچھ اشاروں سے ہر دم بڑھا کے ہاتھ

باندھے ہوئے ہے ہاتھوں کی اب تک وہ مٹھیاں
کھولے گا دیکھ کر کسی حاجت روا کے ہاتھ

کچھ گاؤں کے بسے تھے وہ پہلے ہی بک گئے
خالی بھی ہوگیا زر قسمت اُٹھا کے ہاتھ

ایسے پڑے ہیں صرف تولد کے 'موت' کے
رہنے کا بھی مکان بکا میرزا کے ہاتھ

اور اپنی یہ گزر کہ جو ہاتھ آئے کچھ کبھی
فاقے کو توڑ لیتے ہیں وہ بھی چھپا کے ہاتھ

مہماں جو کوئی آئے تو جز گریہ کیا یہاں
کھانا پڑے غم آپ کو اُس کے دکھا کے ہاتھ

ایسا ہے کون جس سے کرے کوئی کچھ سوال
پھیلائے کس کے آگے کوئی التجا کے ہاتھ

وہ بد نصیب ہوں کہ جو سائل کسی سے ہوں
منہ سے نہ دے جواب بھی خالی دکھا کے ہاتھ

قسمت سے ہاتھ آئے بھی گر شاہد مراد
تو بھاگ جائے پھر وہیں اپنا چھڑا کے ہاتھ

میں اور پاؤں توڑ کے یوں گھر میں بیٹھنا
ٹوٹیں خدا کرے فلک فتنہ زا کے ھاتھ

یہ دست رس نہیں کہ زیارات جاؤں میں
بہتر ہیں میرے ھاتھ سے مفلس گدا کے ھاتھ

یہ کس کو پاس آل ہوں میں دست گیر کی
ایذا دھی کو اُٹھتے ہیں اھل جفا کے ھاتھ

شیرینی روز عرس[۱] ہو اس غم سے زیست تلخ
اُٹھیں گے فاتحہ کو سبھا کی سبھا کے ھاتھ

قوال ، مطربوں کو میں کیا دوں گا جز جواب
پھیلا کے منہ وہ مانگیں گے جس دم بڑھا کے ھاتھ

جب 'رنڈیاں' کہیں گی کہ انعام پائیں ہم
نیچی کروں گا آنکھیں ، بغل میں دبا کے ھاتھ

'مشعلچی' یہ کہیں گے کہ اندھیر ھے یہاں
یوں خالی ھاتھ جائیں ہم اپنا جلا کے ھاتھ

'نقارچی' کہیں گے نہ پائیں گے جب کہ کچھ
نا حق تھکائے ہم نے بھی نوبت بجا کے ھاتھ

اور عرس ہو ضرور کہ پیروں کی رسم ھے
سمجھیں گے سب ذلیل مجھے خالی پا کے ھاتھ

ناچار سب طرف سے ہوں ھیہات کیا کروں
اُلٹے طمانچے کھاؤں ، دعا کو اُٹھا کے ھاتھ

---

۱ - روز عرس سے مراد عرس میاں احمد علی شاہ احمد تخلص متوفیٰ ۱۲۸۱ھ ھے (جو نظام کے پیر تھے، نظام اپنے پیر کے پائین مزار دفن ہیں) - (فائق)

گو ہوں گناہ گار مگر اس کی کس کو فکر
جب اپنی آبرو ہے شفیع الوریٰ کے ہاتھ

ہے اپنا ہاتھ مرشد کامل کے ہاتھ میں
ہیں سر پہ سایہ ور مرے کس پیشوا کے ہاتھ

فرمایا اب تو کلب علی خاں کا عہد ہے
بخشش سے جس کی ایک ہیں شاہ و گدا کے ہاتھ

جس کے نوال و جود سے ہر اک پہ مہر ہے
بے کار ہیں جہان میں اہل سخا کے ہاتھ

[illegible]
اٹھے دو شالے [illegible] کے ہاتھ

[illegible] کے [illegible] ہیں
گویا کہ ان کے ہاتھ ہیں جود و سخا کے ہاتھ

کی قید ہے جہاں کو [illegible] کے ہاتھ سے
وہ قفل [illegible] کے [illegible] کے ہاتھ

[illegible] شہر میں، خوش ہیں سب اہل شہر
ہر [illegible] ہے [illegible] کے ہاتھ

[illegible] وہ [illegible] وہ [illegible]
یوسف کو [illegible] کے ہاتھ

رخصت ہے [illegible] در دولت کی [illegible]
[illegible] نہیں تو [illegible] کو [illegible] کے ہاتھ

۱۔ نواب کلب علی خاں نے قلعہ معلی (رامپور) کا بلند دروازہ موسوم بہ "در دولت" بنایا تھا۔ (فائق)

دربان کے مرتبے کو بھی رضواں سے پوچھیے
معماروں کے فرشتوں نے گر چومے آ کے ہاتھ
ٹھیکہ' ہر اک کے پاس رعایت سے اس قدر
جاگیریں گویا آ گئیں خلق خدا کے ہاتھ
ایذا کا ذکر کیا جو ستم گر ہیں بد چلن
قاضی کے پاس آئے ہیں اپنے بندھا کے ہاتھ
وہ 'شہ سوار' وہ کہ نہ جنبش ہو نام کو
وہ اس کا 'باد پا' کہ نہ آئے ہوا کے ہاتھ
ایسا ہے کون اس سے جو روکش ہو روز جنگ
ایسا ہے کون جوڑے نہ گردن جھکا کے ہاتھ
'اسفند یار' کے اٹھیں گر پاؤں رعب سے
'رستم' کے بھی لرزنے لگیں خوف کھا کے ہاتھ

---

۱ - ٹھیکہ - ریاست رام پور کے قریباً ساڑھے تیرہ سو دیہات مستاجری میں مختلف اشخاص کے نام تھے - طریقہ یہ تھا کہ وزیر محکمۂ مال سالانہ ٹھیکے کی میعاد کے خاتمے پر جلسۂ عام میں دیہات چند سال کے لیے نیلام کرتا تھا - بعض دیہات کم مال گزاری پر نیلام ہو کر نفع دیتے اور بیش تر دیہات کے نیلام میں اتنی بولی چڑھ جاتی کہ ٹھیکے دار کے لیے سرکاری رقم کی ادائیگی مشکل ہوجاتی اور بعد میں ٹھیکے دار کی جائداد سے رقم سرکاری وصول کی جاتی - نواب کلب علی خاں کے بارے میں مشہور ہے کہ مال دار لوگوں کو بلا کر دیہات سرکاری مستاجری میں دے کر ان کی رقم کھینچ لیتے تھے - نظام نے اس نظام ریاست کی تعریف کی ہے - (فائق)

پھر تو بھی مالک اُسی ہے ، خدائے کریم تو
بے غم ہوا جہان سے اُس کے بنا کے ہاتھ

بس اے نظام مدح ترا کام ہی نہیں
مانگوں دعا میں ، تو کہو آمیں اُٹھا کے ہاتھ

ہاتھوں سے اُس کے کام ہر انسان کا برآئے
مصروف اُس کے کام میں شیر خدا کے ہاتھ

قطعات

(عرض داشت به جناب اصغر علی خاں صاحب)

اگر پوچھیں گے ہم سے حشر کے دن احمد مرسل
مری اولاد تھے تم ، کس نے دنیا میں تمھیں جانا
خدا شاھد ھے ھم کہہ دیں گے وہ اصغر علی خاں[1] ھے
اسی نے ھم کو مانا اور[2] اسی نے ھم کو پہچانا
تمھارے لطف سے اس کو خدا کی دید روزی ھو
تمھارے فیض سے اس کو ملے جنت میں کاشانا
ادھر ھے یہ اجازت ھمت عالی کی کہہ مطلب
ادھر مانع حیا ، دشوار دل میں آرزو لانا
مگر کیا کیجیے شادی ھے اس عاجز کے بیٹے[3] کی
عنایت ھو تری تو سہل ھے اس غم سے چھٹ جانا
مجھے کچھ دے ، خدا اس کے عوض تجھ کو بہت دے گا
دلا دے یا کسی سے ، ایک ھے دینا یا دلوانا

---

۱ - اصغر علی خاں

۲ - "اور" بر وزن "فع" (فائق)

۳ - "بیٹے" کلیات نظام (صفحہ ۲۰۷) میں ھے - بقول 'قیصر شاہ' فرزند نظام کہ میرے سوا اور اولاد نہ تھی - اس کی تشریح سے قاصر ھوں - کسی اور بیٹے یا بیٹی کا ذکر کسی تحریری دستاویز میں نہیں - غالباً نظام کی حیات میں اس کا انتقال ھوچکا ھو - (فائق)

کوئی گر قرض دے گا تو ادا اُس کو کروں گا میں
شرافت کی نہیں یہ بات ، لب پر عذر کا لانا
ادا ہو شکر تیرا ، یہ نہیں ہونا نہیں ہونا
پڑے گا بار احساں سے سراپا مجھ کو جھک جانا
میں سیّد خاص ہوں اولاد حضرت شاہ جیلاں[1] کی
سبھی اس بات سے واقف ہیں کیا نادان کیا دانا
فقیری میں بھی سجادہ نشیں ہوں اپنے مرشد[2] کا
بتایا ہے مجھے کامل خدا کا نام بتلانا
کہوں کیا میں کہ یہ احسان تیرا ہوگا کس کس پر
ترے ممنوں مرے مرشد، مرے دادا ، مرے نانا
غرض یہ کام میرا کر دیا ، تو لے لیا مجھ کو
یہی قیمت ہے میری اور[3] یہی ہے میرا پیمانا
عنایت سے تری نومید تو ہرگز نہ ہوں گا میں
نظام اور[4] آگے[5] سائل ہے لحاظ اتنا بھی فرمانا

---

۱ - شاہ جیلاں ، مراد محی الدین عبدالقادر جیلانی (متوفی) - نظام ان کی نسل میں تھے - (فائق)

۲ - ''نظام'' میاں احمد علی شاہ احمد (متوفی) کے مرید اور سجادہ نشین تھے- ان کا مزار آج بھی مرجع عوام اور خواص ہے - (فائق)

۳ - ۴ - ''اور'' بروزن ''فع'' (فائق)

۵ - ''آگے'' ؟ (فائق)

(عرض داشت بہ جناب مدارالمہام صاحب)

قطعہ

اے بہادر محمد عثمان[1] خاں
صاحب جود و شوکت و ذی شاں
عرض یہ ہے ترے دعا گو کی
ایک آفت میں ہے یہ خستہ جاں
دی جو سرکار نے اسامی[2] اسپ
اسپ لینا پڑا بہ ہر عنواں
قیمت اسپ اڑھائی سے سے نہ کم
اور[3] ملے کم تو ہے بہت ارزاں

۱- محمد عثمان خاں، نواب کلب علی خاں مخلص نواب والی رام پور کے قدیمی احباب میں سے تھے۔ جب نواب مسند نشین ہوئے تو محمد عثمان خاں کو عروج ہوا اور مدارالمہام ریاست ہوگئے۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۲۹۰ ہجری کو جامع مسجد میں محفل میلاد نبوی کا انتظام کرتے ہوئے ایک نوجوان کے انتقام کا شکار ہوئے۔ (''اخبارالصنادید'' ج ۲)
۲- والیٔ ریاست معزز افراد کے نام ایک یا اس سے زیادہ اسامی اسپ مقرر کرتے۔ اس کو گھوڑا خریدنا پڑتا اور اس کے بدلے خزانۂ ریاست سے تنخواہ ماہانہ وصول کرتا۔ نظام کو گھوڑا خریدنے کے لیے ڈھائی سو روپے قرض درکار تھے۔ محمد عثمان خان سے خواہش کرتے ہیں کہ چودھری یعنی خزانچی کو ہدایت کریں کہ اصل مطلوبہ رقم میں سے پہلے سود کی رقم وضع کر کے پھر اصل رقم پر مزید سود نہ لے۔ (فائق)
۳- ''اور'' بر وزن ''فع''۔ (فائق)

چودھری[1] سے ہے اپنی داد و ستد
دیتے وہ کیا ہیں لیتے ہیں نادان
میری تنخواہ ہے قدیمی دس
لیں گے یک مشت قسط ، پھر احسان
اس پہ طوفان یہ اور[2] خیال خام
غرق کرتے ہیں اس میں پختہ[3] مکان
یہ بھی آفت ہے ایک آفت سوز
جس میں سو سو طرح کا ہے نقصان
فی صدی روٹھ ہے تو کچھ دینا
اور لینا بہ ضربت عددان
میری خواہش کہ سود جو کچھ ہو
جمع سے بڑھ کے ایک ہو میزان
ان کا مطلب کہ جس سے لب ہوں بند
سود لیں پہلے ، جمع بعد ازان
جمع سے سود کاٹنا اندھیر
حق نہ دکھلائے ایسی تو دکان
اک اشارے میں کام ہو میرا
چودھری ورنہ ہاں کہیں برہان

۱- چودھری ـ مراد خزانچی زینست ـ ۱۹۳۰ء میں یہ دکان
خزانچی کی ختم ہوئی ـ وہ سود کا لین دین بھی کرتا تھا ـ
۲- ''اور'' بر وزن ''فع'' ـ (مرتب)
۳- ''نظام'' کا پختہ مکان ضمانت میں خزانچی لینا چاہتا تھا ـ نظام
بنیوں کے فریبوں سے خبر رکھتے تھے اس لیے بہ حیثیت
سرکاری ملازم قرض چاہتے ہیں ـ مکان ضمانت میں دینے سے
منکر ہیں ـ (فائق)

قرض کل مجھ پہ تین سو پچاس
اور[1] جو کچھ سود ہو سوائے آں
تا ادا وہ ادا کروں گا میں
اس میں یا سود یا مرا ہو زیاں
کیوں تجھے فکر ہے نظامؔ عبث
تیرے حامی محمد عثماں خاں

(عرض داشت بہ جناب مہاراج بسنت رائے)

قطعہ

بسنت رائے مہاراج عہد، عالی جاہ
ترے عنایت و الطاف کی ہے خلق گواہ
امیدوار ترے در پہ آج آیا ہوں
کبھی کسی سے میں سائل نہیں ہوا واللہ
اسامیاں مری دو ہیں حضور میں نوکر
اک اسپ اس میں ہوا، راہئ عدم ناگاہ
تمہارے پاس جو گھوڑا کمیت رنگ کا ہے
وہ بخشیے مجھے للہ بخشیے للہ
جو چندہ اسپ کا ہے نذر وہ تمہاری ہے
زیادہ اس سے ہو تو کون سی ہے شکل پناہ
ترے کرم سے ہو نومید کس طرح سے نظامؔ
کہ حسب حال ہے یہ قول عارف باللہ

۱- ''اور'' بر وزن ''فع''۔ (قائم)

دو بامداد گر آید کسے بہ خدمت شاہ
سوم ہر آئنہ در وے کند بہ لطف نگاہ

قطعۂ مبارک بادی

یہ شادی یہ شادی کا ساماں مبارک
تجھے ذوالفقار علی خاں مبارک

ترے سر پہ سایہ رہے پنج تن کا
معاون ترے شاہ جیلاں مبارک

وہ ہیں اچھے صاحب ولی عہد دولہا
سلامت کہیں حوریں ، پریاں مبارک

ملک کہہ رہے ہیں سلامت سلامت
بہم کہتے ہیں جن و انساں مبارک

دکھایا خوشی کا یہ دن تو نے ہم کو
تجھے بھی ہو اے چرخ گرداں مبارک

ہوئے صرف سہرے میں اچھے بنے کے
گلوں سے کہو ، عندلیباں مبارک

خوشی سب کو ہے ، عیدگھر گھر ہے گویا
زباں پر ہے ہر اک کی شایاں مبارک

حضور معلیٰ کو ہو جشن شادی
مبارک ، مبارک ، فراواں مبارک

دکھایا خوشی کا یہ دن تو نے ہم کو
کہو ، اے نظام ثناخواں مبارک

قطعه

به توصیف جناب مہاراج منّا صاحب بہادر دام اقبالہم

طالع خفتہ ، اب تو ہو بیدار
نظر آتے ہیں عیش کے آثار

گئے وہ دن جو سہتے تھے ایذا
گئے تکلیف کے وہ لیل و نہار

چمن زیست میں بہار آئی
نخل امید لایا برگ و بار

میری قسمت بلند ، ہاں یہ کہے
چلو ، تم کو بلاتے ہیں سرکار

منّا[1] صاحب جو ہیں مہاراجا
خلق کے واسطے ہیں اک اوتار

---

۱ - منا صاحب راجہ کشن کمار المتخلص بہ وقار کا عرف معلوم ہوتا ہے - اس لیے کہ بعد والے شعر میں وقار کے والد راجہ پرومن کشن کا ذکر ہے - وقار داغ سے مشورۂ سخن کرتے تھے - ان کا دیوان ۱۸۷۷ع میں مرتب ہو چکا تھا لیکن ۱۸۹۹ع میں مطبع منشی نول کشور میں چھپا - صاحب ''تذکرہ شعرائے ہنود'' لکھتے ہیں :

''شعربھی باوجود نومشقی کے خوب کہتے ہیں - انھوں نے اپنا پہلا دیوان خود میرے پاس ۱۸۷۷ع میں بھیجا تھا -''
'تذکرۂ شعرائے ہنود' حصہ دوم ، صفحہ ۱۳۸ ، مؤلفہ دیبی پرشاد بشاش)

راجہ پرمن کشن بہادر[۱] کے
بڑے بیٹے ہیں وہ ، بڑا ہے وقار
شعر گوئی کا شوق ہے اُن کو
صید معنی کا کھیلتے ہیں شکار
پہلوان سخن نہ کیوں کہیے
باندھیں اک قافیے کو سو سو بار
رام پور میں یہ آکے بخشش کی
ایک ، اک کو دیے ہزار ہزار
میں بھی آتا ہوں تیری محفل میں
قوم کا میں بھی اپنی ہوں سردار
ساری دنیا میں میرا شہرہ ہے
جانتے ہیں مجھے دیار ، دیار
صاف گوئی میں میرا مثل نہیں
ہے جگت بولنے سے طبع کو عار
غور کیجے یہ شاعری ہے کوئی
کل کا لفظ آ گیا تو لائیں ہزار
......ذکر میں مکاں بھی ہوں (؟)
طور کے وصف میں ہو موسیقار

---

۱ ۔ پرمن کشن ابن رائے آتما رام تعلقہ دار اضلاع مراد آباد ، بجنور و بدایوں کے مورث اعلیٰ جو محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں عہدۂ وکالت پر مراد آباد میں سرفراز تھے ۔ اُن کے بیٹے کشن کمار تخلص وقار کو خطاب راجگی انگریزی حکومت سے اُن کی زندگی میں مل گیا تھا ۔ (''تذکرۂ بہارِ سخن'' صفحہ ۳۹۰ ، ۳۹۱ مؤلفہ برق ۔ ''تذکرۂ شعرائے ہنود'' حصہ دوم ، صفحہ ۱۳۷ تا ۱۳۸)

شعر میں چاہیے ، مزا ہونا
ایسے سے توبہ (توبہ) استغفار

اب مخاطب ہو میری جانب تو
کچھ سناتا ہوں مدح میں اشعار

جب سے دیکھی تری گہر ریزی
پانی پانی ہے ابر گوہر بار

کون محتاج رہتا دنیا میں
تجھ سے ہوتے جو اور بھی سردار

حسن اخلاق کی یہ خوبی ہے
ادنٰی اعلٰی ہے تیرا شکر گزار

بڑے مہراج کی شجاعت بھی
غدر میں سب پہ ہوگئی اظہار

یہ رواں ہے ، کہیں نہیں رکھتی
گویا میری زباں ہے وہ تلوار

تجھ سے آباد ہے مراد آباد
ورنہ مشہور تھا وہ آجڑا دیار

خاص کوٹھی کی وہ عمارت ہے
پا بہ گل دیکھ کر رہے معمار

نیا نقشہ ہے اور نیا ساماں
جھاڑ فانوس کا ہو کس سے شمار

گاڑی گر تخت ہے سلیماں کا
تو ہوا گھوڑیاں دم رفتار

اک تماشا ہے وقت نظّارہ
اک چھلاوہ ہیں اردلی کے سوار

تیرے ہاتھی کا وصف کیا کہیے
شان و شوکت میں ہے اگر کہسار

تو صبا اس کے پاؤں چومتی ہے
ایسا خوش طرز اور خوش رفتار

ہو گماں طور کی تجلی کا
دیکھے خلق خدا جو تجھ کو سوار

ایسی صورت کہ کس (سے) دوں تشبیہ
چمن حسن کی ہے جس سے بہار

سرو ہے تو تو پھول ہیں عارض
دل میں چبھتے ہیں وہ مژہ کے خار

دیکھیں دنداں تو موتی ہیرا کھائیں؟
لب وہ نازک کہ جس پہ لعل نثار

خلق ایسا، رجوع ہے خلقت
سحر کا ہے اثر دم گفتار

ہے رعایت یہ کچھ رعیت کی
کہ کمی کی جگہ بھی ہے بسیار

کھیلتے ہیں لنگوٹیوں میں پھاگ
سب زمیندار ہوگئے زردار

تیرے احسان سب پہ یکساں ہیں
کوئی بے ہوش یا کہ ہے ہشیار

صدقہ راجہ کا دے چکا ساقی
بھٹیوں میں یہ کہتے ہیں مےخوار

''قطعے''کو اب نہ طول دے سید
طبع نازک پہ ہو نہ جائے بار

یہ دعا میری ہے، رہے دن رات
تیرے کہنے میں گنبد دوّار
تیرا اقبال روز افزوں ہو
عمر کا تیری ہو سکے نہ شمار

سہرے

(۱)

لا صبا پھول کہ تیار کریں ہم سہرا
موتیوں کا تو بنا لائے گی شبنم سہرا
کہتی ہیں نوشہ کی لے لے کے بلائیں حوریں
خیر سے شادی ہوئی دیکھا یہ جم‌جم سہرا
تو ثریا کا بنا ماہ درخشاں کنگنا
تو شعاعوں سے بنا نیّر اعظم سہرا
موتی کس بحر کے ہیں لعل یہ کس کان کے ہیں
ایسی رونق کا تو ہوتا ہے بہت کم سہرا
شاخ گل کی طرح نوشاہ نزاکت سے جھکا
جب بندھا موتیوں اور پھولوں کا باہم سہرا
بلبلیں جیسے کہ پھولوں پہ فدا ہوتی ہیں
یوں ہی غش تجھ پہ ہے بھرتا ہے، ترا دم سہرا
ہے بجا کہیے اگر گلشن جاوید بہار
مارے شادی کے کھلا جاتا ہے ہر دم سہرا
موتیوں کو وہ ملی آب کہ نایاب ہوئے
عرق رخ سے جو نوشہ کے ہوا نم سہرا
یہ دعا ہے یوں ہی سرکار معلّٰی میں نظام
روز کے شادی ہو اور روز کہیں ہم سہرا

(۲)

سہرا مثلث

گل فردوس سے حوروں نے تو گوندھا سہرا
کہو نیساں سے کہ تو موتیوں کا لا سہرا
اچھے نوشا کے لیے چاہیے اچھا سہرا

جوش میں آکے جومستوں کی طرح جھومتا ہے
کس کی آنکھوں کا یہ ہے دیکھنے والا سہرا
مست و مدھوش ہے کس واسطے ایسا سہرا

تیرے صدقے ترے قرباں ، مرے اچھے نوشہ
لوں بلائیں تری ، منہ پر سے جو سرکا سہرا
ہو مبارک تجھے یہ شادی یہ تیرا سہرا

سر نوشاہ سے باندھا تو یہ اعجاز کھلا
کہکشاں بن گیا تھا عقد ثریا سہرا
جلوے دکھلاتا ہے کیا کیا یہ خوشی کا سہرا

چولے تو سات سہاگن کے چھوایا سر سے
پھر سر نوشہ پہ ماں بہنوں نے باندھا سہرا
مل کے سب ڈومنیوں نے وہیں گایا سہرا

مست شادی ہے ہر اک زاھد و عابد کا حال
اللہ اللہ کی عوض لب پہ ہے سہرا سہرا
نئی شادی ہے زمانے سے نرالا سہرا

پھول اس رنگ کے تو لائی کہاں سے مالن
گل انداز حسیناں سے ہے گوندھا سہرا
جیسا اچھا ہے بنا ، ویسا ہی اچھا سہرا

آیا سرکار سے نوشہ کا شہانہ خلعت
آبیار چمن خلد نے بھیجا سہرا
دل حاسد میں ہے کانٹا سا کھٹکتا سہرا

چار چاند اور لگے نوشہ کے منہ پر گویا
اپنے ہاتھوں سے جو سرکار نے باندھا سہرا
مارے شادی کے نہ پھر پھولا سمایا سہرا

کہکشاں بدھی ہے تو عقد ثریا کنگنا
یہ شعاعیں رخ پرنور کی ہیں یا سہرا
ہے یہ قدرت کی تجلی کا نمونا سہرا

عکس چہرہ سے ہے نوشہ کے ہر اک گل شاداب
عرق رخ سے بنا نور کا دریا سہرا
لہریں لیتا ہے پڑا موج میں کیا کیا سہرا

مثل چہرے کے ہے نوشہ کے ہر اک گل شاداب
رونق رخ سے بنا نور کا دریا سہرا
بکھرا جاتا ہے خوشی سے ترا کیا کیا سہرا

منہ پر اس واسطے نوشہ کے ہے رومال نظام
در دنداں سے ندامت زدہ ہوگا سہرا
گو درخشانی میں، تابش میں ہے یکتا سہرا

(۳)

اچھی ساعت سے بنا، اچھے بنے کا سہرا
جیسا اچھا ہے بنا ویسا ہی اچھا سہرا

جس نے دیکھا وہ ہوا صورت بلبل بے تاب
گل انداز حسیناں سے ہے گوندھا سہرا

رشتہ اس کا نگہ چشم خدا بینا ہے
نور آنکھوں کا کرے کیوں نہ زیادا سہرا

عکس چہرہ سے ہے نوشہ کے ہر اک گل شاداب
عرق رخ سے بنا نور کا دریا سہرا

مہر نوروز ہے یا ماہ شب قدر ہے رخ
یہ شعاعیں نظر آتی ہیں مجھے یا سہرا

محو نظارہ ہیں یہ خلق خدا کی آنکھیں
رخ پہ نوشہ کے بنا تار نظر کا سہرا

مست شادی ہے ہر اک زاھد و عابد کا حال
اللہ اللہ کی عوض لب پہ ہے سہرا سہرا

آیا سرکار سے نوشہ کا شہانہ خلعت
آبیار چمن خلد نے بھیجا سہرا

نئی انداز کا ہو پیر فلک سے کہہ دو .
کہکشاں کا یہ عبث تو نے بنایا سہرا

آج وہ دن ہے کہ حق مانگے ہر اک لڑ لڑ کر
اچھے صاحب کا ہمیں حق نے دکھایا سہرا

دولھا دلھن میں بھی اللہ رہے ربط یوں ہی
محو ہے غش سے تصدّق ہے سراپا سہرا

چار چاند اور لگے نوشہ کے رخ پر گویا
اپنے ہاتھوں سے جو سرکار نے باندھا سہرا

منہ پر اس واسطے نوشہ کے ہے رومال نظام
شرم آتی ہے کہیں لے نہ لے بوسا سہرا

(۴)

کم خوشی کس کو ہے شادی ہے بڑی سہرے کی
بڑھ کے نوروز سے ہے ایک گھڑی سہرے کی
سر اٹھاتا نہیں نوشاہ کے قدموں سے کیوں
یا خدا کون سی مشکل ہے اڑی سہرے کی
گوش گل کر ہوئے بلبل کی زباں خشک ہوئی
آئی مالن تو یہ کچھ دھوم پڑی سہرے کی
یا خدا دولھا دلھن میں بھی رہے ربط یوں ہی
مل گیا نوشہ تو تقدیر لڑی سہرے کی
چشم بد دور یہ عکس رخ روشن دیکھو
شعلۂ طور ہے ہر ایک لڑی سہرے کی
موتی گھل گھل کے برستے ہیں بندھا ہے اک تار
آب نیساں کی طرح دیکھی جھڑی سہرے کی
اپنی صناعی پہ خود رہ گئی حیران مالن
دوڑ سے لیتی بلائیں ہے کھڑی سہرے کی
دیکھے رضوان تو کہے صل علی صل علیٰ
کلیاں پھولوں کی ہیں وہ ہیروں جڑی سہرے کی
اپنا کیا حال سناتا ہے سنوں کیا میں نظام
تجھے اپنی ہے پڑی مجھ کو پڑی سہرے کی

(۵)

کیا طلسمات کے پھولوں کا ہے مالن سہرا
حوریں غش ہوتی ہیں رکھتا ہے وہ جوبن سہرا

پھر نہ پھولوں کی پرستش میں ہے زاہد کو کلام
ایسے نوشہ کا دکھا دے جو برہمن سہرا

یہ وہ شادی ہے کہ اس شادی کی ہے سب کو خوشی
شکل احباب ہیں خوش دیکھ کے دشمن سہرا

اور سب دیکھتے ہیں نوشہ کو خوش ہو ہو کر
محو ہے دید میں نوشہ کی ہمہ تن سہرا

چشم بد بیں میں نظر اپنی ہی کانٹا سا چبھے
حفظ تن کے لیے نوشہ کے ہے جوشن سہرا

ماہ نے تارے نچھاور کیے، نیساں نے گہر
ہوا نوشہ کے جو زیب رخ روشن سہرا

نہیں معلوم یہ کس شے کی طلب رکھتا ہے
چھوڑتا کیوں نہیں نوشاہ کا دامن سہرا

تو وہ نوشہ ہے کہ ہوں پھول گلے کے ترے ہار
خود بنا لائے ترے واسطے گلشن سہرا

منہ ہے پھولوں کا جو روکش ہوں رخ روشن سے
سامنے نوشہ کے کیوں رکھے نہ گردن سہرا

سر جھکائے ہوئے ہے بار حیا سے نوشہ
کس ادا سے ہے لٹکتا سر دامن سہرا

دل میں آتا ہے کہ لے لیجے بلائیں چٹ چٹ
رخ زیبندہ پہ ایسا ہے مزیّن سہرا

شرمگیں نظروں سے کیوں سب کو نہ دیکھے نوشہ
دیکھنے کے لیے تو رکھتا ہے روزن سہرا

اپنی صنعت پہ عبث ناز ہے مالن کو نظام
بنا عکسِ رخِ نوشاہ سے کندن سہرا

(فارسی) قطعه تاریخ تولد فرزند

چون به مشکوے عطاءاللہ خاں
از عطاے احمدی در سال چند
بخت یاور شد ، فلک شد مہرباں
شد تولد پور ذی شاں ، ارجمند

دوستاں را عیش و عشرت شد نصیب
دشمناں را گشت روزی تیر چند
یا الٰہی در جہاں او را بہاں
تا بہ گردوں مہر مطلع در شوند

سال میلادش ہمی جستم نظام
از فلک آمد ندا ، اختر بلند
گو الف در اختر افزوں آمدہ
چوں سر اقبال ہم آید پسند

قطعۂ تہنیت عید

ایں عید بہ بندگان عالی
فرخندہ بود ، سعید بادا
صد سال ، ہزار سال و دیگر
ہر روز تو ہم چو عید بادا

غزل (فارسی)

چہ کنم با دل اختیارم نیست
می‌کشد دل بہ آں کہ یارم نیست
طبع تو نازک و غمم بسیار
لائق عرض ، حال زارم نیست

انتظار تو ماند تادم مرگ
بیش ازین تاب انتظارم نیست

جان فدا کردمش به نقش قدم
حیف در کوے اوگزارم نیست

هر زمان می شود غمم بسیار
آن که غم داد ، غم گسارم نیست

نیست در گلشن ، آن گل خندان
نوبهار است و نوبهارم نیست

دلبر من نظام در بر نیست
مثل دل یک زمان قرارم نیست

اختلاف نسخ

نسخہ نمبر ۳۸۴ کی کیفیت حک و اصلاح وغیرہ ملاحظہ ہو :
ورق ۳ : علاج پھر نہیں ہوگا طبیعت آئی کا ۔ قلم زد (غزل ۳ مطبوعہ)
مصرع : ''نہ اٹھ سکے گا ستم ہم سے تو جدائی کا''۔
ورق ۵ الف : حاشیے پر یہ مطلع اضافہ شدہ ہے :

وعدہ بھی اب ترک کیا ، کیا کیا
کیوں مجھے محرومِ تمنا کیا (غزل ۲۲)

ورق ۵ ب : پر غزل مطبوعہ ۳۲ کا مطلع اور پہلا شعر قلم زد ہے ، پھر مطلع پر صاد بنایا گیا ہے ۔
ورق ۶ الف : حاشیے پر یہ مطلع ہے :

کہتا تو ہوں پر اس سے جدا ہو نہیں سکتا
کیا کہیے کہ کچھ اپنا کہا ہو نہیں سکتا

ورق ۲۰ الف : غزل نمبر ۴۶ کا مطبوعہ شعر ہے :

اب خوشی ہے مجھے کس بات کی فرمائیں تو آپ
غمِ فرقت سے ہراساں نہ ہوا تھا سو ہوا

مصرع اول پر اصلاح ہے :

''وعدۂ وصل ہو تو بھی نہ ہو تسکیں دل کو''

ورق ۳۶ الف ، غزل ۵۴ کے مندرجہ ذیل شعر کے مقابل حاشیے پر لکھا ہے : ''با نواب صاحب فردوس‌مکاں متوارد شد''۔

اب ذکر کیا ہے شام کا جو کچھ ہوا ، ہوا
اس بات کی سزا بھی تو پائی تمام رات

ورق ۳۹ ب : مطبوعہ میں یہ شعر نہیں ہے، مخطوطے میں جو لفظ 'ارمان' امیر مینائی نے سرخ روشنائی سے لکھا ہے ۔ کاتب سے

چھوٹ گیا تھا۔

ارمان سے رہتے ، نہ انکار تمھارا
دو چار گھڑی بعد اگر ہوتی سحر آج

ورق ۲ ب کے حاشیے پر اس شعر پر امیر مینائی کی اصلاح "مگر" کی جگہ "کہ ہم" درج ہے :

یہ ہر دن کے طعنے عبث ہم پہ ہیں
مگر ایک شب کے گنہ گار ہیں

ورق ۳ ب پر "شب ماہ تاب" والا شعر اور مقطعے سے پہلے کا شعر دوسرے قلم کا اضافہ ہیں ، مخطوطے میں شعر مطبوعہ نسخے سے مختلف ہے ، جو صحیح ہے۔

کہتے ہیں مجھ سے ، آپ مجھے چاہتے ہیں کیوں
حیراں ہوں کیا کہوں میں اب اس کے جواب میں

ورق ۵ الف پر مصرع ہے :
"ایسا دل پیدا کروں اور وہ نظر پیدا کروں"
وہ نظر ، قلم زد کر کے اوپر لکھا ہے 'کیا' اور پھر لکھا ہے
"آنکھ وہ پیدا کروں"
ورق ۷ ب : مطبوعہ نسخے کا یہ شعر مخطوطے کے مطابق ہے :

تمھیں دیکھے سے کیا تسلی ہو
جی تو ہوتا ہے پیار کرنے کو

سرخ روشنائی سے مصرع اول بدل کر اس طرح لکھا ہے :
"دیکھنے سے تمھیں ہو کیا تسکیں"

ردیف 'یا' کی غزل کا شعر مخطوطے میں اس طرح ہے :

دانتوں سے کاٹ کاٹ کے دینا عدو کو پان
اچھا تو میرے قتل پہ بیڑا اٹھائیے

لفظ ''دینا'' کی جگہ ''دیجیے'' اور ''تو میرے'' کے بجائے ''ہمارے'' سرخ روشنائی سے اصلاح ہے -

اس شعر کو قلم زد کر کے نوٹ متوارد کا لکھا گیا ہے :

کبھی بر آئے تمنا یہ تمنا ہی نہیں
یہ وہ ہے نخل نہ پھولے نہ کبھی پھل آئے

انتخاب یادگار کی روشنی میں اختلاف

مطبوعہ شعر :

شب قلق تپش دل کا حال کیا کہیے
کبھی زمیں کی، کبھی آسماں کی کھائی چوٹ

انتخاب یادگار (صفحہ ۳۸۷) میں بجائے ''شب قلق'' ''فراق میں'' ہے اور یہی صحیح ہے -

مطبوعہ شعر :

آ جائے کچھ تو رحم مرے حال زار پر
اس واسطے وہ دیکھتے بھی اب ادھر نہیں

انتخاب یادگار (صفحہ ۳۸۷) میں مصرع اول بجائے ''تو'' لفظ ''نہ'' صحیح ہے -

مطبوعہ شعر :

انداز اپنا دیکھتے ہیں آئنے میں وہ
اور یہ بھی دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

انتخاب یادگار (صفحہ ۳۸۸) میں ''اپنا'' کی جگہ ''اپنے'' ہے -

یہ قول عابد رضا خان بیدار

۱ ۔ نسخہ مؤلف ''کلیات نظام'' بہ شکل بیاض نمبری ۱۰۱۷
۲ - ۱۰۱۸ ۔ نسخہ دوسرا ہے اس کی نقل نسخہ ۱۰۱۹ ہے
اس دیوان کی نقل کے آخر میں تین صفحے لگائے گئے ہیں ، ناقل کا نوٹ ہے :

''فہرست غزل ہائے کہ در ترتیب دیوان میاں نظام شاہ مرحوم از مسودات نقل گرفتند افزودہ شد ۔''

اس کے بعد ۴۳ غزلوں کے پہلے مصرع ۔۲۔ قصائد کے مصرع (بھلایا جائے ۔ بے پیر ۔ تری عمر ہو آسماں سے زیادہ) اور گیارہ قطعوں اور سہروں کے مصرعے بطور فہرست شامل کر دیے ہیں۔

نسخہ ۳ از بیدار ۔

اس نسخے کی پہلی غزل آپ کی دسویں غزل ہے اور اس نسخے میں اس میں صرف گیارہ شعر ہیں (جب کہ باقی غزلوں میں اتنے ہی شعر ہیں جتنے مطبوعہ میں)
باقی اختلافات مندرجہ ذیل ہیں ۔

''جاں شکن ہوا ؟ محن ہوا'' والی غزل مخطوطے میں اگلی غزل سے ملا دی گئی ہے اور دوسری غزل کا مطلع، دوسری غزل میں لکھنے کے بجائے پہلی کے مطلع کا ''حسن مطلع'' بنا دیا گیا ہے۔ دوسری غزل کا مقطع مخطوطے سے غائب ہے ، اور پہلی کا مقطع مکمل غزل کا مقطع ہے۔

آیا اگر خیال بھی بوس و کنار کا
دل میں کشیدہ مجھ سے وہ نازک بدن ہوا

زائد

وہ یہاں آئیں مجھے تو نہیں امید **نظام**
یہی حیرت ہے کیا آنے کا وعدہ کیوں کر
وہ آئے بھی تو پائیں گے مجھ کو کہاں **نظام**
چھوڑے گا ایک جا پہ دل بے قرار کیا
ہم اپنے حال پہ اُن کی جفا پر آپ حیران ہیں
ستاتا کون ہے ہم کو، شکایت کس کی کرتے ہو
یا وہی ہم تھے کہ پاس اُن کے سدا رہتے تھے
یا وہی ہم ہیں کہ بستر پس دیوار ہے اب

زائد

....
دشمنی ہم کو بھی اب ہے فلک پیر کے ساتھ

اختلاف نسخ

۱ - مخطوطے میں پہلا مصرع نہیں، صرف یہ دوسرا مصرع ہے -
'اُس بے وفا کے آگے یہ اک بانکپن ہوا'

لفظی اختلاف: مثلاً یہ شعر بہ تغیر الفاظ مخطوطے میں اس طرح ہے:

کچھ مجھ سے شب کو غیر کے اظہار کے لیے
یہ عشق بازی کی تھی کہ اپنا یہ فن ہوا
ہم سے ہے

۲ - غزل نمبر ۶۶ جس کا مصرع آغاز ہے:
'ربط دشمن سے ہے انکار تو کرنا پھر کیا'
اس غزل کے صرف ۳ شعر مخطوطے میں ہیں۔

۳ - مخطوطے میں غزل ردیف ''کسی طرح'' کا مقطع میں نہیں ہے
مگر ایک شعر کا مصرع دوم ہے:
''وہ بت بلا کے پاس بٹھانے کسی طرح''

۴ - ردیف ''خاموش'' والی غزل مخطوطے میں نہیں ہے -

۵ - مقطع غزل ردیف کاغذ میں اختلاف ہے -

دل کو دیتا ہوں تسلی یہی کہہ کہہ کے نظام
شاید اس شوخ تلک کوئی نہ پہنچا کاغذ
یوں ہی کہہ کہہ کے ذرا دل کو تسلی ہے نظام
- - - - - - - - - - - - - - - -
-

۶ - ردیف ''لام'' کے یہ دو شعر ''گھبراتا ہے دل'' اور ''گر آتا ہے دل'' مخطوطے میں نہیں -

۷ - ردیف ''میم'' کی پانچویں غزل کے مطلع کا مصرع دوم کا قافیہ ''بھلا'' (ردیف ہم) مخطوطے میں صحیح ہے -

۸ - ردیف ''نون'' کی غزل ''جان سے ہم دیکھتے ہیں'' کے چار شعر اور یہ ایک مصرع ہے :

''تم کو ہر لحظہ نئی آن سے ہم دیکھتے ہیں''

مطبوعہ مصرع میں ''تم کو'' ، کے بجائے ''تجھ کو'' ہے -

اس ردیف کی یہ غزلیں بھی مخطوطے میں نہیں ہیں :

۱ - ''زبان کا منہ میں'' ۲ - ''تیسرے دن''
۳ - ''جا بھی نہ سکوں'' ۴ - آپ کا دشمن''
۵ - ''گفتگو کریں'' ۶ - ''تمھارے ہیں''
۷ - ''دوست داری ان دنوں'' ۸ - ''سنا کون سے دن''
۹ - ''پائے ہوئے ہیں'' ۱۰ - ''عادت کہیں نہیں''

(۹) - ردیف ''واو'' کی اس غزل کے مطلع کے مصرع ثانی میں اختلاف ہے ، مخطوطے میں صحیح ہے -

اس کا گلہ نہیں نہ ہو وعدہ وفا نہ ہو
اتنا نہ ہو کہ رشک مجھے غیر کا نہ ہو

تو ہو (مخطوطہ)

۱۰ - اس ردیف کی غزلیں ''حقیقت نہ پوچھ'' اور ''دل کو'' مخطوطے میں نہیں ہیں۔

ردیف ''ہائے ہوز'' 'یا خدا توبہ' اور ''چرائے آنکھ'' والی غزلیں مخطوطے میں نہیں۔ ''اُٹھا کے ہاتھ'' والی غزل غیر مطبوعہ قصیدے کا جزو ہے۔ مخطوطے میں قصیدہ مکمل موجود ہے۔

۱۱ - ردیف ''یا'' کی یہ غزلیں مخطوطے میں نہیں ہیں۔

۱ - 'دل ربا خوش ہے'
۲ - 'کہیں آ جاتا ہے'
۳ - 'یاں سے'
۴ - 'ہاتھ سے'
۵ - 'جاں سے بھی'
۶ - 'آستیں پکڑی'
۷ - 'ایسا نہیں کہتے'
۸ - 'مارا مجھے'
۹ - 'قصور ہے'
۱۰ - 'پوچھا چاہیے'
۱۱ - 'مقدور کسے'
۱۲ - 'بلوائے ہوئے'
۱۳ - ارادا نہ کریں گے'
۱۴ - 'کیجے تو کیا کیجئے
۱۵ - 'طبع آئی ہے'
۱۶ - 'ذلت ہو جائے'
۱۷ - سر کے آٹھیں گے'
۱۸ - 'نقش پا کے لیے'

ردیف ''سو رہے'' کی غزل کا یہ شعر مخطوطے میں اس طرح ہے:

باتوں سے اپنی ہم بھی پشیاں ادھر پڑے
منہ پھیر کر اُدھر کو وہ تنگ آکے سو رہے

مصرع اول مخطوطے میں پہلے مطبوعہ کے مطابق تھا مگر بعد (ص) بنا کر حاشیے میں بدل کر لکھا ہے۔

اس مطبوعہ مطلع کا مصرع اول مخطوطے میں مختلف ہے۔

کیوں کہتے ہو کہ میری وہ عادت نہیں رہی
سچ ہے مجھی کو آپ کی الفت نہیں رہی

امیر مینائی کے سامنے جو مرتبہ دیوان تھا اُس میں سے مدحیہ قصیدے کا ایک شعر تلوار کی تعریف میں امیر مینائی نے ''انتخاب یادگار'' (ص ۳۸۷) میں نقل کیا ہے ۔ یہ قصیدہ موجودہ مخطوطہ رضا لائبریری رام پور میں نہیں ہے ۔ شعر یہ ہے :

یہ رواں ہے کہیں نہیں رکتی
گویا میری زباں ہے وہ تلوار

خاتمہ

(۱) تقریظات

الف ۔ از منشی امیراللہ تسلیم لکھنوی

ب ۔ از منشی فیروز شاہ خاں نیروز شاگرد داغ دہلوی

ج ۔ از قدرت علی خاں قدرت شاگرد تسلیم لکھنوی مرتب "کلیات نظام" طبع اول

(۲) مثنوی اور قطعات تاریخی طبع "کلیات نظام"

از مختلف شعرا

بسم اللہ الرحمان الرحیم

تقریظ دل پذیر دیوان میاں نظام شاہ از نتیجہ فکر گوہر بار رشک قدسی و کلیم جناب منشی امیراللہ صاحب تسلیم لکھنوی

بلند خیالان علم معانی و شیوا بیانان شہرستان نکتہ دانی اس سخن آفریں کی حمد سرائی سے عاجز ہیں جس نے زبان انسان کو سحر بلاغت و فسون فصاحت عطا فرمایا و قافیہ سنجان نظم گونا گوں و نکتہ پیرایان کلام موزوں اس ادب آموز مکتب کن فیکون کی تعریف میں تبخالہ برلب ہیں۔ جس نے بے نطق و زبان مشت خاک بشر کو حسن بیاں و طلاقت زباں سے گویا بنایا۔ فرش خاک سے عالم پاک تک اسی کی تسبیح کا غلغلہ ہے۔ دن رات انس و ملک کا یہی مشغلہ ہے۔ اوج پیمایان سپہردانش و ژرف نگاہان عرش نشیں ایسے افصح العرب والعجم کی بلند پایگی نعت دیکھ کر نطق فراموش حیرت در آغوش ہیں کہ جس نے ہم آوارگان کوے ضلالت و گم شدگان بادیۂ سفاہت کو علم دین مبین و نظم شرع متین سکھایا۔ سخن سرایان نامی و نکتہ پردازان گرامی اس کلیم مقام "قاب قوسین او ادنیٰ" کی تعریف لاتعد و لاتحصیٰ سمجھ کر خموشی کوگویائی جانتے ہیں کہ جس کی شان میں خداے عز و جل نے "و ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" ارشاد فرمایا۔ باعث آفرینش کون و مکاں ، مفخر موجودات زمین و آسماں ، گوہر تاج اولیا ، پیش رو انبیا ، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم ۔ بعد حمد و نعت کے نام آور شہرگم نامی، پست نشین بزم والا مقامی، محمد امیراللہ تسلیم شاگرد رشید بلبل بوستان سخنوری و طوطی شکر خاے شاعری جناب محمد اصغر علی خاں نسیم دھلوی ، احباب کو نیا مژدہ سناتا ھے ۔ یاران بزم سخن کو وجد میں لاتا ھے کہ مدت سے ارباب فن شاھد پردہ نشین حجلۂ سخن کے مشتاق تھے ، روز و شب آوارۂ کوے جستجوے مالایطاق تھے ۔ یعنی دیوان فیض بنیان، شاعر نازک خیال، دفتر فصاحت، ناظم شیریں مقال حقیقت آگاہ ، معرفت دست گاہ ، قدوۂ ارباب الہام حضرت میاں نظام شاہ تخلص نظام ، جس کا ھر شعر دل اھل مذاق کے لیے نشتر ھے ۔ مصرع مصرع اصحاب شوق کے واسطے پیکان جگر ھے ، ادا بندی اُن کی عالم میں مشہور ھے ، معاملۂ وصل و فراق شہرت پذیر دور دور ھے۔ نظر نظارگیاں سے مستور تھا ۔ مثل عنقاے بلند پرواز وھم و گمان سے دور تھا ۔ بالفعل معنی فہم و سخن شناس سحر زبان شیوا بیان مشفقی و محبی مولوی منشی قدرت علی خاں قدرت نے بڑی سعی و کوشش سے پرچہ پرچہ ھزار جگہ سے فراھم کیا ، ردیف وار دیوان ترتیب دے کے روح مصنف کو شاد و خرم کیا ۔ اب امید ناظرین والا تمکین سے یہ ھے کہ جہاں کہیں غلطی وقت ملاحظہ نظر پائیں قدرت کی محنت و جاں کاھی پر نظر فرما کر اس کو چھپائیں ۔ مسلسل سطریں زلف لیلیٰ کا جوبن دکھاتی ھیں ، دل چسپیاں بیاض بین السطور کی عارض سلمیٰ کو نظر سے گراتی ھیں ۔ یقین کامل ھے کہ اس سے زیادہ کلام مصنف کا کہیں فراھم نہ ھو ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو انجام کو پہنچائے ۔ ھر مشتاق اس کی دید سے حظ کامل اٹھائے ۔ آمین ثم آمین ۔ فقط

امیر اللہ تسلیم

تقریظ مع تاریخ طبع ریختہ کلک جواہر سلک جناب منشی محمد فیروز شاہ خان صاحب فیروز رام پوری سلمہ اللہ تعالیٰ

کنم از مدّ بسم اللہ رقم حمد خدائی را
نہم بر فرق خاقان سخن ایں تاج شاہی را

زندہ دل اور باکمال دوستو ! تم رفتار زمانہ کے ادا شناس ہو۔ ہر باریک سے باریک راز کے تیور جانتے پہچانتے ہو اور اس بات کو بھی یقیناً مانتے ہو کہ قضا و قدر کا زبردست اور مہیب ہاتھ کائنات کے موجودہ اجسام کو ہر لحظہ قعر فنا کی طرف کھینچے لیے جاتا ہے۔ دنیا کی ہر چیز بے شمار تغیرات و زوالات کے بعد آخرکار معدوم ہوجاتی ہے۔ ذی روح ہوں یا غیر ذی‌روح ایک دن سب کو خواہ مخواہ اپنا قالب تبدیل کرنا پڑتا ہے۔ مگر مبدء فیاض نے گلزار سخن کے سدا بہار پھولوں کو کچھ ایسی برکت کی ہوا عطا فرمائی ہے کہ جن تک دست خزاں کی رسائی محال ہے۔ مبارک ہیں وہ پاک نفس اور برگزیدہ بزرگ جن کو عالم فانی چھوڑے ، دنیا سے منہ موڑے قرنیں گزر گئیں۔ مگر زمانہ (برخلاف اپنی عادت کے) آج تک اُن کے خیالات اور دلی جذبات کو محفوظ رکھنے میں نہایت اہتمام و احتیاط سے کام لے رہا ہے۔ گردش ایام نے صدیوں کے بے شمار ورق اُلٹ کر کارخانۂ قضا و قدر کی لا انتہا اشیاء کو معدوم کردیا ، مگر شعرائے عالم کے کارنامے کاغذی صفحات کے ایوانوں میں حرف و نقاط کا لباس پہنے آج تک جلوہ‌گر نظر آتے ہیں اور اہلِ زمانہ کی دل چسپیوں کے لیے ہر بزم اور انجمن میں شمع و چراغ

کا کام دیتے ہیں۔ اگرچہ زمانۂ حال کی ہوائیں شعر و شاعری کے بالکل مخالف چل رہی ہیں، لیکن پھر بھی مزے دار شعر میں کچھ ایسا اثر ہوتا ہے کہ جسے سن کر اہل ذوق کی زبان بے اختیار چٹخارے بھرنے لگتی ہے اور دل سینے میں بے چین ہوکر رہ جاتا ہے۔ ہندوستان میں شاعروں کی کمی نہیں ہے۔ آئے دن بے شمار گلدستے نکلتے رہتے ہیں۔ نئی پرانی دواوین بھی کثرت سے موجود ہیں۔ مگر

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تم سے لاکھ سہی تم مگر کہاں

وہ کلام جو شاعری کی جان ہو، فصاحت و بلاغت کا ایمان ہو، بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ نظام رام پوری کا کلام اسی قسم کا کلام ہے، جس کی مخلوق کو مدت سے جستجو تھی، ایک عالم کو آرزو تھی۔ الحمد للہ کہ آج وہ طبع ہوکر شائع ہوگیا۔ اس موقع پر نظام مرحوم کی مختصر کیفیت لکھنا بھی مناسب معلوم ہوئی۔ واضح ہو کہ آپ کا نام سید نظام شاہ ابن سید احمد ہے۔ کئی پشت سے بزرگوں کا وطن بھی دارالریاست مصطفیٰ آباد عرف رام پور ہے۔ عربی فارسی میں ضروری دست گاہ حاصل تھی۔ فن شعر میں فردوس مکان نواب محمد یوسف علی خان بہادر ناظم فرماں روائے سابق ریاست رام پور، شیخ علی بخش بیمار اور اپنے پیر و مرشد میاں احمد علی صاحب احمد سے استفادہ کیا تھا۔ پچاس سال کی عمر پائی، ۱۲۸۹ ہجری میں قضا کی۔ فن شاعری سے فطرتی مناسبت تھی۔ خاص کر ادابندی کی طرف طبیعت بہت جاتی تھی۔ میر سوز اور جرأت کا انداز بہت پسند تھا۔ زندگی میں دیوان ترتیب دینے کی نوبت نہیں آئی۔ گھر میں کلام کا جس قدر ذخیرہ جمع تھا، وہ ان کی

رحلت کے بعد وارثوں کی بے پروائی سے منتشر ہو گیا ۔ ان کی وفات کو جس قدر زمانہ گزرتا گیا ، لوگوں کو کلام کی جستجو بڑھتی گئی ۔ یہ حال دیکھ کر برادرم منشی قدرت علی خاں قدرت نے کمر ہمت مضبوط باندھ کر جہاں کہیں پتا پایا ، وہاں سے جس طرح ممکن ہوا غزلیں وغیرہ جمع کرنا شروع کردیں ۔ آخرکار کئی سال کی سعی و کوشش میں یہ مجموعہ مرتب کر پایا ، جس میں رطب و یابس سب طرح کا کلام موجود ہے ۔ افسوس ہے کہ اگر نظام مرحوم اپنی زندگی میں خود دیوان ترتیب دیتے تو یقیناً یہ عیب باقی نہ رہتا ۔ بہرحال موجودہ حالت میں قدرت علی خاں نے ہمت سے کام لے کر اور روپیہ صرف کرکے جو کچھ جمع کرلیا اور چھپوا دیا ، وہ بھی اہل ذوق کے منت پذیر بنانے کے لیے کم نہیں ہے ۔ اہل ملک کی جانب سے اس محنت و جاں کاہی کا یہی صلہ اور معاوضہ ہونا چاہیے کہ خریداری کے ہاتھوں میں شوق کے ساتھ لیا جائے اور قدردانی کی نگاہوں سے دیکھا جائے ۔

والسلام
خاکسار
فیروز رام پوری

قطعۂ تاریخ طبع

دوستوں میں بہم جب اے فیروز
ہوا تاریخ طبع کا کچھ ذکر
ہاتف غیب نے وہیں ناگاہ
دی ندا ، کلمات روشن فکر

۱۳۱۴ھ

تقریظ دل پذیر مع قطعہ تاریخ مجموعہ فصاحت و بلاغت گلدستہ ذہانت و ذکاوت

مولوی منشی قدرت علی صاحب قدرت

وہ کون سا شاھد حجلہ نشین ہے کہ جس کے دیکھنے کو ایک عالم مشتاق کھڑا ہے ؟ اور وہ کون سا معشوق رعنا مہ جبین ہے کہ جس کی تلاش میں ہر ایک سرگردان بنا ہے ؟ اور وہ کون جاں باختہ ہے جو اُس کے کمرے کے نیچے کھڑا ہوا اس طرح :

وہ جھروکوں میں جو آجائیں تو اتنا پوچھوں
بستر اپنا پس دیوار کروں یا نہ کروں

وہ کون خوبرو حورشمائل ہے کہ جس کے دیکھنے سے خرمن حاسد پر بجلی گری ؟ وہ کون نازنین پری خصائل ہے کہ جس کا انداز سخن سنتے ہی دل دشمن پر چھری پھری ؟ وہ کون شمع زیب محفل ہے کہ جس پر صدہا عشاق مثل پروانہ گر کر جلتے ہیں ؟ وہ کون زینت انجمن جلوہ‌گر ہے جس کے دیکھنے سے دل دادہ مثل موم پگھلتے ہیں ؟ وہ کون جواہر آب دار ہیں جو کسی نازنین کے زیب گلو ہیں کہ جس پر ہزاروں کے لہو ہیں ؟ وہ کون معشوق حسین بن سنور کر اپنے کمرے میں جلوہ گر ہے جس کے دیکھنے سے عشاق کے دل پر پھرتا ایک خنجر ہے ؟ وہ کون شیشہ ہے جس کی قلقل کی صدا سے ہر ایک مست ہے ؟ وہ کون پیمانہ ہے جس کی خواہش دست بدست ہے ؟ وہ کون مے ہے جس کو پی کر ہر ایک مدھوش ہے ؟ وہ کون محفل ہے جس کی ہر در و دیوار سے آواز نوشا نوش ہے ؟ وہ کلام معجزالہام میاں نظام شاہ صاحب تخلص نظام ہے ۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! کیا

شستہ و پاک زبان ہے ، ماشاء اللہ ! کیا طرز بیان ہے ۔ ہر مصرع
سلیس ہے ، ہر شعر نفیس ہے ، روزمرہ صاف ہے ، ہر مقام محل انصاف
ہے ، جہاں ہجر کا بیان ہے ، زبان عندلیب پر الامان ہے ۔ جہاں
وصل کا ذکر ہے ، معشوق کو اپنی عصمت بچانے کی فکر ہے ۔
جہاں بیان صحرا ہے وہاں کچھ اور رنگ دکھایا ہے ، جہاں
محبوبوں کی کج ادائی ہے وہاں عشاق کے لبوں پر جان آئی ہے ۔
جہاں کوہ کا مذکور ہے وہاں وقف نظر فضائے طور ہے ۔ بول چال
پاکیزہ ، انداز و طرز دیدہ نہ شنیدہ ۔ جس نے ایسا دیوان دیکھا ہو
دکھائے ، جس نے ایسا کلام سنا ہو سنائے ۔ ہر کلمے میں اور ہی
نوک ہے ، ہر فقرے میں اور ہی جھونک ہے ۔کیا بیان میں صفائی ہے،
معلوم ہوتا ہے کہ چشمۂ کوثر سے شست و شو پائی ہے ۔کیا کیا معانی
دل آویز ہیں ، کیا کیا الفاظ عشوہ ریز ہیں ۔ ہر ورق ورق گل ،
ہر جملہ نغمۂ بلبل ؛ کلام درد آمیز ہے ذبح کرنے کو چھری سے
تیز ہے ۔ نازک خیالی دل کی لبھانے والی ۔ ہر جگہ بول چال نیا
جوبن دکھاتی ہے ، زبان درازوں کی آنکھ جھپکی جاتی ہے ۔ ہر فقرے
میں بلا کی شوخی، ہر جملے میں غضب کی گرمی، مضمون وہ کلبلاتے
ہوئے کہ جگر میں چٹکیاں لیں ، محاورہ وہ صاف صاف کہ جس
پر انسان جان دیں ۔ زبان کی نرمی اس مزے کی کہ منہ میں پانی
بھر آئے ، بندش الفاظ نے وہ ہوا باندھی کہ دل چھوٹ جائے۔
ہر مصرع کے تیور خوبوں کی چتونوں کو آنکھیں دکھائیں ۔
استعارے ماشاء اللہ ندیدوں کو اشارے سے بتائیں ، لفظ لفظ میں
شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہے ، جو مضمون ہے وہ اڑتا ہوا
پری ہے ۔ طبیعت کی روانی جیسے چیتے کی لپک ، زبان کی اسانی جیسے
طعام میں نمک ۔ آمد طبع بہتا ہوا دریا ، ہر شعر سانچے کا ڈھلا ۔

دیوان ہے یا کارنامہ خوش مقالی کا گلدستہ یا رنگین خیالی کا بندبستہ۔ اُن کی تعریف کرنی کیا میری کائنات ، وہی مثل ہے 'چھوٹا منہ بڑی بات' ، جو کچھ لکھا ہے ہٹ دھرمی کی ہے۔ دوست احبابوں کے تقاضے سے بےبسی بہ ہزار تلاش و بسیار جستجو صبح و مسا ہم نے پرچہ پرچہ فراہم کیا اور ردیف وار دیوان ترتیب دےکر روح مصنف کو خوش و خرم کیا۔ بعد فراہمی دیوان احبابوں کا تقاضا ہوا ، ہر شخص اس بات پر آمادہ ہوا کہ یہ گنجینۂ بلاغت مجموعۂ فصاحت اگر طبع ہو تو اچھا ہے ، اس کو چھپا رکھنا بےجا ہے۔ دوستوں کی تاکید سے ، احبابوں کے تقاضۂ شدید سے اس دیوان کو ہم نے سچے دوست یار بےپوست منشی عبدالرشید صاحب مراد آبادی کے مطبع شمس المطابع میں چھپوا دیا۔ ہنگامِ طبع چند لوگوں نے اس بات پر بہت پریشان کیا ، انتہا کا حیران کیا۔ آخر راہ راست پر آئے ، اپنے کیے پر پچھتائے ، بات معقول تھی ، حجت فضول تھی۔ جیسا دیوان خوب تھا ، ویسا ہی خوب طبع ہوا۔ چھپنے سے اور بھی زیادہ مرغوب ہوا۔ سیاہی میں وہ چمک کہ نظر تحقیق چکا چوند کھائے ، کاغذ کی وہ صفائی کہ پائے نگہ پھسلا ہی جائے۔ کوئی حرف نہ چھنا ہے نہ بھرا ہے ، جس کو دیکھو مثل منبت ابھرا ہے۔ خط وہ کہ اپنی صفت میں خود بولا ، معشوقوں کے خط کا لفافہ کھولا۔ المختصر یہ کلیات بہ‌آوان سعیدوایام حمید بہ‌ماہ شعبان ۱۳۱۷ھ ہری کی صورت چھپ کر مطلع عالم سے باہر نکل کر پرتوفگن ہوا ، حاسد کور باطن سینہ زن ہوا۔ اس کے طبع میں خدائے برحق نے یاری کی اور فضل معین مطلق نے مددگاری کی۔ تاریخ طبع میرے ہاتھ آئی کہ اس نے یہاں جگہ پائی۔

یہ دیوان چھپ کر ہوا دہر میں
پسندیدۂ خاطر خاص و عام
لکھی ہم نے قدرت یہ تاریخ طبع
کہ عمدہ ہے ناسی کلام نظام
۱۳۱۷ھ

مثنوی اور قطعات تاریخ طبع دیوان

مثنوی تاریخ طبع دیوان از منشی امیر اللہ تسلیم

زہے طبع والائے حضرت نظام
سراپا کلام آن کا معجز نظام
کیا نظم دیوان وہ لاجواب
کہ جس کا ہر اک شعر ہے انتخاب

مگر بے نیازی تھی دل کو کہاں
نہ آیا پئے جمع دیوان خیال
وہ گنجینۂ گوہر بے بہا
پریشان تھا دہر میں جا بہ جا

مرتب کی صورت ہویدا نہ تھی
کتابی کوئی شکل پیدا نہ تھی
کسی کے نہ تھی پاس پوری غزل
پڑھا کرتے تھے سب ادھوری غزل

کہیں کچھ کہیں کچھ، کہیں کچھ نہ تھا
زمانہ تھا مشتاق بے انتہا
اسی کی ہر اک شخص کو جستجو
اسی کی دلوں میں بھری آرزو

جو قدرت علی خان والا گہر
ہوئے حسرت اہل فن سے خبر
ارادہ مصمم یہ دل میں کیا
کہ غزلیں یہ ہوجائیں سب ایک جا

تجسس تتبع میں باندھی کمر
وہیں پہنچے ، پائی جہاں کچھ خبر

خوشامد سے ، اخلاص سے ، پیار سے
لے آئے غزل یار و اغیار سے

کہیں پا کے ایسا بھی موقع محل
دیا کچھ زر نقد پھر غزل

غرض اس قدر بعد سعی تمام
فراہم کیا یادگار نظام

وہ ترتیب دی عمدہ عنوان سے
کہ ظاہر ہے دلچسپ دیوان سے

کیا حوصلہ پھر یہ بار دگر
کہ چھپ کر یہ دیوان ہو مشتہر

پس صرف زر اس کو چھپوا دیا
دلی آرزو کو ہویدا کیا

جھکا کر سر اندیشہ کا ایک بار
کیا دل میں تسلیم نے کچھ شمار

کہی جلد تاریخ یہ دل پزیر
کہ ''نایاب دیوان چھپا بے نظیر''

۱۳۱۷ھ

قطعہ تاریخ از محمد احسان علی خاں متخلص بہ احسان رام پوری شاگرد رشید بلبل ہندوستان طوطی زبان فصیح الملک جناب نواب مرزا خاں صاحب داغ دہلوی مدظلہ

ہے یہ دیوان نظام شاعر شیریں زباں
کیوں نہ ہوں مسرور پڑھ کر اس کو سارے خاص و عام
طبع کی تاریخ میں احساںؔ جو میں نے فکر کی
آئی ہاتف کی ندا ''سرمایۂ اوج نظام''

۱۳۱۷ھ

قطعہ تاریخ از محمد شاہ خاں کاوش شاگرد جلال لکھنوی

دیوان زیب طبع ہوا جب نظام کا
حسن کلام ہو گیا مطبوع ہر بشر
کاوشؔ نے کی جو فکر پئے سال انطباع
لکھا ہجوم جوش میں ''ابیات پر اثر''

۱۳۱۷ھ

قطعہ تاریخ سید عابد حسین اوج خلف جناب سید احمد علی رسا مغفور رام پوری

اب عاشقان حسن معانی کو عید ہے
پیش نظر ہے شاہد شوخ سرام آج

کہتے ہیں بار بار یہی شاد ہو کے اوج
"چھاپا گیا کلام فصیح نظام آج"

۱۲ + ۳۱ + ۹۱ + ۱۸۸ + ۹۹۱ + ۳ = ۱۳۱۷ھ

ایضاً

نظام شاعر خوش گو کا دیوان
جو اک تازہ گلستاں ہے سخن کا
تو کلک اوج نے تاریخ رنگیں
لکھی اچھا گلستاں ہے سخن کا

۱۰ + ۵۶۱ + ۱۵ + ۷۱۰ + ۲۱ = ۱۳۱۷ھ

ایضاً

نظام شاعر شیریں کلام کا دیوان
ہوا جو طبع ہمیں گوہر مراد ملی
جو بلبل گل مضمون تر ہیں آن سے اوج
کہو کہ "گلشن سبز سخن کے پھول کھلے"

۴۰۰ + ۶۹ + ۷۱۰ + ۳۰ + ۴۳ + ۶۵ = ۱۳۱۷ھ

قطعہ تاریخ از مولوی الٰہی بخش مخاطب بہ مرجان رقم تخلص غریب شاگرد امیر مینائی

نظام آں سید مرحوم و مغفور
کہ مثلش کم شدہ شیریں مقالے
بہ سال طبع دیوانش بگفتم
کہ "بودہ شاعرے نازک خیالے"

۱۷ + ۵۶۱ + ۷۸ + ۶۵۱ = ۱۳۱۷ھ

ولہ

نظام شاعر نامی و مشہور
بہ عہدخود بلے ایں میروقتست

چو سال طبع دیوانش بجستم
ندا آمد ''یکے ایں میر وقت ست''

۳۰+۶۱+۲۵۰+۵۰۶+۳۶۰=۱۲۱۷ھ

———

اغلاط نامہ

صفحہ	غلط	صحیح
۱	۸۷ تا	تا ۸۸
۱۷ - (مقدمہ)	و	سو
۸۷ - "	گئے	آگئے
۹ - شعر ۴	تر	ترا
۱۲ - حاشیہ ۱	۸	۹
۴۸ - شعر ۴	کو	کے
۶۴ - شعر ۴	گووہ	وہ گو
۶۷ - شعر ۲	برائی	بر آئے
۷۷ - حاشیہ ۱	۳۶۶	۲۶۶
۸۲ - شعر ۳	تعس	نعش
۸۳ - شعر ۸	جو گزرتی	جو کچھ گزرتی
۹۵ - شعر ۹	خوھاں	خواھاں
۹۷ - شعر ۷	لو	تو
۱۰۱ - شعر ۵	پوچھے	پوچھیے
۱۲۱ - شعر ۲	لقصیر	تقصیر
۱۴۶ - شعر ۱۱	کے	
۱۶۸ - شعر ۱۰	الفاظ	الزام

صفحہ	غلط	صحیح
۱۷۲ - شعر ۱	تم	نم
۱۸۷ - شعر ۲	یہ	نہ
۲۱۰ - شعر ٦	تحریر	تحریر

غزل نمبر ۱٦۴ اور نمبر ۱۸۷ بہ اختلاف چند اشعار مشترک ہے
کلیات نظام مطبوعہ ۱۸۹۸ع میں اسی طرح چھپی ہے

صفحہ	غلط	صحیح
۲۲۷ - شعر ۱	مرے	ماتے
۲۳۵ - شعر ۱	کہہ تو	کہہ تو لو
۲۴۰ - حاشیہ	کنایہ	کتابت
۲۴۷ - شعر ۹	ٹٹرھی	ٹیڑھی
۲٦۲ - شعر ۲	کہاں	کہا
۲۸۷ - شعر ۱	کہے	کہیے
۲۹٦ - شعر ۱۱	واسواخت	واسوخت
۳۰۸ - شعر ۷	دردغم	درد و غم
۳۱۲ - شعر ۵	جت	جتا
۳۱۹ - شعر ۲	بہاند	بہانہ
۳۳۳ - شعر ۱۱	رکے	رہے
۳۴۲ - شعر ۲	کو	کے
۳۴۲ - شعر ۱۱	اگز	اگر
۳۴٦ - شعر ۷	خیر	خبر
۳۵۴ - شعر ۳	بالوں	باتوں
۳۵۵ - شعر ۳	کرتا	کرتا ہے
۳۷۷ - شعر ۱۰	گھبرآنا	گھبرانا

صفحہ	غلط	صحیح
۳۸۶ - شعر ۹	برائے	برآئے
۳۹۱ - شعر ۷	ٹھائے آ	آٹھائے
۴۲۵ - شعر ۱۱	دیکھیے	دیکھتے
۴۳۶ - شعر ۸	جھکائے	چھکائے
۴۴۰ - شعر ۶	سی	سہی
۴۴۷ - شعر ۹	راز	زار
۴۴۷ - شعر ۳	حروف آغاز الف ، ن	ج ، و
۴۴۷ - شعر ۹	مصرع ثانی حرف ر ـ	ی
۴۴۸ - شعر ۴	ج ، س	جی ، سی
۴۴۸ - شعر ۵	ا ، آ	ایس ، آئی
۴۶۳ - شعر ۶	تفسیر	تفسیر
۴۶۹ - شعر ۸	ڈھائے	ڈھاتے
۴۷۶ - شعر ۸	دآستان	داستان
۴۸۳ - شعر ۱	فرستوں	فرشتوں
۴۹۰ - شعر ۱	حدمت	خدمت
۵۱۰ - شعر ۱	یہ	بہ